فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصیام جلد ششم

ترتیب : ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاویٰ "علمائے حدیث" کتاب الصیام جلد ۶

۱۔ فتاویٰ عزیزی	۱۲۔ فتاویٰ مرکزی جمعیت اخبار اہلحدیث لاہور
۲۔ فتاویٰ نذیریہ	۱۳۔ فتاویٰ اخبار محمدی دہلی
۳۔ فتاویٰ غزنویہ	۱۴۔ فتاویٰ اہلحدیث گزٹ دہلی
۴۔ فتاویٰ اہلحدیث روپڑی	۱۵۔ فتاویٰ اخبار الاسلام لاہور
۵۔ فتاویٰ ستاریہ	۱۶۔ فتاویٰ اخبار محدث دہلی
۶۔ فتاویٰ نور العین	۱۷۔ فتاویٰ اخبار الاعتصام لاہور
۷۔ فتاویٰ عمر پوری	۱۸۔ فتاویٰ اخبار اہلحدیث سوہدرہ
۸۔ فتاویٰ ترویج الموحدین	۱۹۔ فتاویٰ ترجمان اہلحدیث دہلی
۹۔ فتاویٰ رکعات التراویح	۲۰۔ فتاویٰ اخبار محدث لاہور
۱۰۔ تبیان الادلہ فی اثبات الاہلہ	۲۱۔ فتاویٰ قلمی مسودہ
۱۱۔ فتاویٰ مفید الاحناف	

نام کتاب ———— فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصیام جلد ۶

نام مرتب ———— ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت ———— عبدالجبار ولد منیر رقم خوشنویس چک ۵۴/۱۴ بی بورےوال

طباعت ———— شاہ اینڈ سنز پروسس پرنٹرز چیمبرجی روڈ۔ لاہور

تاریخ اشاعت ———— ماہ صفر ۱۳۹۷ھ مطابق فروری ۱۹۷۷ء

تعداد ———— ایک ہزار

ناشر ———— مکتبہ سعیدیہ خانیوال

قیمت ———— ۳۵/ روپے

ملنے کا پتہ ———— مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان۔ پاکستان

مفتیان فتاویٰ جلد ۶

۱۔ شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

م ۱۳۲۰ھ

۲۔ امام مولانا عبدالجبار امرتسری غزنوی رحمہ اللہ

م ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء

۳۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ

م ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء

۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

م ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۵ء

۵۔ مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

م ۱۳۰۴ھ

۶۔ مولانا سید عبدالسلام محدث دہلوی رحمہ اللہ

م ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۶ء

۷۔ مولانا عبدالجبار عمرپوری رحمہ اللہ

م ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء

۸۔ شیخ الحدیث مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ م ۱۳۸۱ھ۔

۹۔ سید عبدالحفیظ محدث دہلوی رحمہ اللہ م ۱۳۳۹ھ

۱۰۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

م ۱۹۴۸ء

۱۱۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ م ۱۳۹۴ھ

۱۲۔ مولانا عبدالمجید سوہدری گوجرانوالہ رحمہ اللہ

م ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء

۱۳۔ سید محمد داؤد غزنوی امرتسر لاہور رحمہ اللہ

م ۱۹۶۳ء

۱۴۔ حضرت العلام حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی رحمہ اللہ

م ۱۳۸۴ھ

۱۵۔ قاضی ابواسمٰعیل یوسف حسین خانپوری رحمہ اللہ

م ۱۳۵۲ھ

۱۶۔ مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ اللہ

م ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء

۱۷۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ

م ۱۳۸۷ھ

۱۸۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ

م ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء

۱۹۔ مناظر اسلام مولانا محمد جوناگڑھی محدث دہلوی رحمہ اللہ

م ۱۳۶۰ھ

۲۰۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ م ۱۳ھ

۲۱۔ مولانا محمد یوسف جگیلوی فیروزپوری رحمہ اللہ

م ۱۳۴۸ھ ۱۹ء

۲۲۔ شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ م ۱۳۲۷ھ

۱۔ مولانا مولوی اسد علی رحمہ اللہ
۲۔ مولانا سید ابوالحسن محدث دہلوی رحمہ اللہ
۳۔ مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری رحمہ اللہ
۴۔ مولانا عبدالصمد رحمانی مفتی خانقاہ رحمانیہ مونگیر رحمہ اللہ
۵۔ مولانا محمد عبداللہ وزیانگرم ضلع ویزاگاپام رحمہ اللہ
۶۔ مولانا عزت اللہ از جمال گنج رحمہ اللہ
۷۔ مولانا محمد مسلم میرٹھی رحمہ اللہ
۸۔ مولانا شریف احمد حسین پوری رحمہ اللہ
۹۔ مولانا سیف الرحمٰن رحمہ اللہ
۱۰۔ مولانا محمد انور علی رحمہ اللہ
۱۱۔ مولانا ذوالفقار احمد رحمہ اللہ
۱۲۔ مولانا محمد سلامت اللہ رحمہ اللہ
۱۳۔ مولانا سید عبدالباری رحمہ اللہ
۱۴۔ شیخ محمد القاضی بھوپال رحمہ اللہ
۱۵۔ احمد رحمہ اللہ
۱۶۔ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ
۱۷۔ خلیل الرحمٰن رحمہ اللہ
۱۸۔ سید محمد ابوالحسن رحمہ اللہ
۱۹۔ مولانا سید اقتدار احمد سہوانی علیگڑھی رحمہ اللہ م ۱۹۶۵ء
۲۰۔ حافظ محمد گوندلوی مدظلہ
۲۱۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری مدظلہ
۲۲۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور مدظلہ
۲۳۔ مولانا ابوالبرکات شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ مدظلہ
۲۴۔ مولانا عبیداللہ عفیف مدرس دارالحدیث چینیانوالہ لاہور مدظلہ
۲۵۔ مولانا اکرم الدین سلفی دارالحدیث رحمانیہ کراچی مدظلہ
۲۶۔ مولانا عزیز زبیدی واربرٹن شیخوپورہ مدظلہ
۲۷۔ مولانا داؤد راز دہلوی مدظلہ
۲۸۔ مولانا محمد یحییٰ منڈی عثمانوالہ ضلع قصور مدظلہ
۲۹۔ مولانا مولوی عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ کورٹ رادھاکشن لاہور مدظلہ
۳۰۔ مولانا محمد یحییٰ الاعظمی عالم فاضل پروفیسر عربی کالج رائے درگ مدظلہ

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصیام جلد ۶

مضامین	صفحہ

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اُصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشادِ خداوندی ہے اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب و سنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اُصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افرادِ امت کے فتاویٰ، ان کے خیالات کو کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علمائے حدیث کے فتاویٰ، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاویٰ اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ صلحائے اُمت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال و فتاوے کو کتاب و سنت پر پیش کرو۔ اگر خلاف پاؤ تو اُسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ؎ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاویٰ میں خطا معلوم ہو تو بجائے طعن و تشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہ ہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے، افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب واحترام کو نظرانداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ۵)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر یقین ہے ؎

اصلِ دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن — پس حدیثِ مصطفیٰ برجاں مسلّم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

ایک نئے اور قیمتی مآخذ کا اضافہ اور اس کا تعارف

گذشتہ سال گرمیوں میں عزیزم برخوردار حافظ عبد الرشید اظہر سلمہ اللہ اپنے احباب (پروفیسر محمد سلیمان اظہر و عبد المجید اصلاحی) کے ہمراہ اپنے بعض کاموں سے بالاکوٹ و آزاد کشمیر کے دو سفر ذی ظفر پر گئے۔ تو حسن اتفاق سے دو تین یوم ان کا قیام محترم قاضی محمد عبد اللہ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ خانقوری آف مانسہرہ کے ہاں بھی رہا بقول ان کے انہوں نے قاضی صاحب، زید مجدہ کے بیش قیمت علمی کتب خانہ سے جی بھر کر استفادہ کیا۔

قاضی صاحب کا خاندان سرحد و ہزارہ کے علاقہ میں تحریک اہلحدیث کا مرکز اور عمل بالحدیث کا واحد علمبردار ہے، اور علاقہ بھر میں جہاں کہیں کتاب و سنت کی روشنی نظر آتی ہے، وہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ (م ۱۲۴۶ھ) کے بعد اسی عظیم المرتبت خاندان کے فیضان کا اثر ہے، ورنہ اس علاقہ میں خانقاہی نظام کا دور دورہ تھا، اور دور دور تک کہیں اللہ و رسول کی بات سنانے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔

اس علمی خاندان کے اکثر بزرگوں کا سلسلہ تلمذ استاذ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے ملتا ہے، اور عملی طور پر ان کی تمام تر کوششیں شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک کے ساتھ رہی ہیں۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر جب سرحد و ہزارہ میں تحریک اہلحدیث اور مسلک حدیث کی اشاعت کی بات چلتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہاں سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔ سید صاحب کے تلامذہ اسی خاندان کے بزرگ ہیں، انہیں غزنوی بزرگوں سے دلی لگاؤ ہے، اور ہمیشہ سے ان کے باہمی تعلقات رہے ہیں۔ ان بزرگوں میں سے درج ذیل کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں،

(۱) قاضی عبدالصمد بن قاضی محمد ارشد المتوفی ۱۲۶۸ھ (شاہ اسمٰعیل شہید سے فیضیاب ہوئے)

(۲) قاضی محمد حسن بن ابی الارشد محمد گل داماد و جانشین قاضی عبدالصمد رح المتوفی ۱۳۰۱ھ (شاہ شہید رح سے فیض یاب ہوئے)۔

(۳) قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء (سید نذیر حسین محدث دہلوی، سید عبداللہ غزنوی، اور قاضی محمد حسن رح مذکور سے فیض حاصل کیا، میاں صاحب کے معروف شاگرد ہیں، رد بدعات میں متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں)۔

(۴) قاضی محمد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۶ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ / ۹ نومبر ۱۹۲۹ء مؤلف فتاوی "صاعقۃ الرحمٰن" (اساتذہ میں حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ، سید عبداللہ غزنوی رح، سید عبدالجبار غزنوی رح، قاضی محمد حسن رح والد خود اور مفتی عبداللہ ٹونکی قابل ذکر ہیں)۔

(۵) قاضی ابواسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن رح المتوفی ۶ صفر ۱۳۵۲ھ / یکم جون ۱۹۲۳ء عربی کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے، مدح حدیث اور اہلحدیث میں کئی ایک قصائد لکھے، "عون المعبود" کی تالیف میں شریک رہے، اساتذہ میں میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی، (م ۱۳۲۰ھ) شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد حسن والد خود کے نام ملتے ہیں،

(۶) حافظ محمد غوث بن حافظ محمد محسن المتوفی ۱۳۳۳ھ (اساتذہ سے صرف مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام مل سکا)۔

اس وقت اس عظیم خانوادے کی علمی و عملی یادگار محترم قاضی عبداللہ صاحب مدظلہ دائم۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ بی علیگ) بقید حیات ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، موصوف زبردست عالم، اور بلند پایہ اخلاق کے حامل ہیں، موصوف نے ان چھ بزرگوں کے حالات پر ''فتح الغفور فی تراجم علماء خانغور'' لکھی جو طباعت کے لئے کسی صاحب نظر کی منتظر ہے،

ان بزرگوں کا مناظروں اور مناقشوں کا دور تھا۔ ان کی تصانیف میں بھی مناظرانہ رنگ غالب ہے صواعق الرحمان علی حزب الشیطن، بھی کسی فتاویٰ کا رد ہے، اور انتہائی ٹھوس اور مدلل ہے،

انشاء اللہ مکمل مسودہ علی الترتیب رد فتاویٰ علماء حدیث۔ کئی جلدوں کی مناسبت سے ہدیۂ قارئین کر دیا جائے گا، آخر میں ہم محترم قاضی عبداللہ صاحب، مدظلہ کے بے حد شکر گزار ہیں، کہ ان کی عنایت سے یہ علمی و تحقیقی مواد گوشہ گمنامی سے نکل کر قارئین تک پہنچا، نیز برخوردار حافظ عبدالرشید کے کہ انہی کی وساطت سے ہماری رسائی ہوئی، اور انہوں نے نہ صرف مطلوبہ حصہ نقل کر لیا، بلکہ اسے اردو میں بھی منتقل کر دیا،

اللہ رب العزت سب کو عمل صالح کی توفیق بخشے، آمین،

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتویٰ پوچھنے کا طریقہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے: فَکَانَ وَظِیْفَۃُ اَنْ یَّسْأَلَ فَقِیْھًا مَا حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسْئَلَۃٍ کَذَا وَکَذَا فَاِذَا اَخْبَرَ تَبِعَہٗ. یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے کہ کسی عالم سے پوچھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے. جب خبر یادے اس پر عمل کرے۔

فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں لکھا ہے: اگر پوچھا جاوے عالم سے وہ مسئلہ جس کو بتحقیق وہ جانتا ہے۔ ساتھ کھلے حکم قرآن شریف یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوے دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا۔

فتویٰ پر عمل کرنیکا طریقہ

شیخ ابن عربی رح نے فتوحات میں لکھا ہے: کہ اگر تجھ کو مفتی تبلاوے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے۔ تو اس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میرے رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے، جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوے مختلف دیا۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پر دل کا میلان ہو اس پر عمل کرے

فتاویٰ علمائے حدیث

جرائد و رسائل اور اہلِ علم کی نظر میں

تبصرہ محدث لاہور

از مولانا عزیز زبیدی

شرعی مسائل میں علمائے کرام کے جوابات کا نام فتویٰ ہے۔ ان کی حیثیت مشورہ رائے اور رہنمائی کی ہوتی ہے۔ ان کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا، ہاں سرکاری حیثیت میں عدالتیں جو فیصلے سناتی ہیں، ان کو ایک قانونی حیثیت بھی حاصل ہوجاتی ہے، گو علماء کرام کے فتوؤں کو قانونی درجہ حاصل نہیں رہا۔ تاہم امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے انہی سے زیادہ کام لیا گیا ہے، اور ملت اسلامیہ نے بھی انہی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، کیونکہ یہ بلا مشقت مل جاتے ہیں، عدالتی نظام پر بعض اوقات غیر صالح حکمرانوں کی سرکاری دلچسپیاں اور ججوں کے ذاتی مصالح بوجھ بن جاتے ہیں، اس لئے عوام نے ان کی طرف بہت کم رجوع کیا ہے، اس سلسلے میں انہی بوریہ نشینوں کو سوادِ اعظم کا جتنا اعتماد حاصل رہا ہے، سرکاری عدالتوں کو نہیں رہا، بلکہ یہ عدالتیں بھی ہمیشہ انہی مبارک ہستیوں کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں، فتاویٰ کا یہ سلسلہ نزول وحی کے وقت سے جاری ہے، قرآن حکیم اور احادیث پاک میں یہ کثرت سے ملتے ہیں، اس کے بعد صحابہ تابعین اور دوسرے علمائے حق کے جو فتاوے منظرِ عام پر آئے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے، تو ایک دفتر بے پایاں جمع ہوجائے۔ بہرحال ہمارے نزدیک وہ فتاوے بالخصوص محفوظ کرنے کے قابل ہیں، جو مختلف شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کی بنیاد پر مبنی نہیں، بلکہ کتاب وسنت اور تعامل صحابہ سے ماخوذ ہیں، کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی میراث اور امانت ہیں، زیرِ تبصرہ فتاوے بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی ہے، ان فتاوی کے مطالعہ سے رہنمائی کے علاوہ کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور انسان اس چاشنی سے شاد کام بھی ہوتا ہے، جو جعلی وساطتوں کے چکروں میں پڑ کر حاصل نہیں ہوسکتی فاضل مرتب حضرت مولانا علی محمد سعیدیؒ کے علم وعمل اور مساعی جمیلہ میں اللہ

برکت دے ۔ انہوں نے ان مبارک فتاووں کو یک جا کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، یہ وہ امانت ہے، اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جاتی، تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوتا، علامہ موصوف نے جن فتاووں (مرتب یا غیر مرتب) کو جمع کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں،

(۱)	فتاویٰ عزیزیہ	(۲)	فتاویٰ نذیریہ
(۳)	فتاویٰ شیخ حسین عرب	(۴)	فتاویٰ غزنویہ
(۵)	مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں	(۶)	فتاویٰ ثنائیہ
(۷)	فتاویٰ ستاریہ	(۸)	فتاویٰ مولانا عبدالجبار عمر پوری
(۹)	فتاویٰ دلیل الطالب	(۱۰)	فتاویٰ تنظیم اہلحدیث
(۱۱)	فتاویٰ الاعتصام	(۱۲)	فتاویٰ اہلحدیث سوہدرہ
(۱۳)	فتاویٰ اہلحدیث دہلی	(۱۴)	فتاویٰ ترجمان اہلحدیث دہلی
(۱۵)	فتاویٰ گزٹ اہلحدیث دہلی	(۱۶)	فتاویٰ محدث دہلی
(۱۷)	فتاویٰ قوانین فطرت	(۱۸)	فتاویٰ صحیفہ اہلحدیث کراچی

ان کو جمع کرنا اور منتشر مواد کو فراہم کرنا آسان بات نہیں ہے، خدا جانے موصوف کو اس کے لئے کتنی محنت اور زحمت اٹھانا پڑھی ہوگی، خاص کر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، کہ موصوف نے یہ تمام مساعی جمیلہ محض اللہ کے سہارے پر انجام دی ہیں، اب وقت حالات اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، کہ ان کی نشر و اشاعت میں کھل کر ان سے تعاون کیا جائے، ان فتاووں میں اختلافِ آراء بھی پایا جاتا ہے، جو علمی استعداد کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے، اس سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نوع بہ نوع دلائل، اور اسلوب استدلال کے نظارہ سے علم و تحقیق کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

تبصرہ "المعارف" از مولانا محمد اسحٰق بھٹی

فتاویٰ علماء حدیث کا حصہ دوم پیش نگاہ ہے، جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اس میں نماز کے بارے

میں تمام ضروری مسائل مع علماء کرام کے فتاویٰ اور مفصل حوالوں کے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں جن علماء عظام کے فتاوی درج کئے گئے ہیں، ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق ڈیانوی، (صاحب عون المعبود) مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا خرم علی بلہوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، سید سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناءاللہ امرتسری، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ، مولانا عبدالحق ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ، مولانا عبدالجلیل سامرودی، کے اسماء گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں،

کتاب اپنے موضوع میں بڑی اہم ہے، اور اس میں نماز سے متعلق پیش آمدہ ہر مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے، اور اس سلسلے میں فاضل مرتب کو مذکورہ بالا اصحاب افتاء میں سے جس مفتی کا جو فتویٰ ملا اس میں درج کر دیا، جس سے کتاب کی فقہی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے،

ایک خاص موضوع کے متعلق مختلف کتب و رسائل میں بکھرے ہوئے، فتاویٰ کو یک جا خاص ترتیب کے ساتھ جمع کرنا بہت مشکل، اور محنت طلب کام ہے، جو مرتب کتاب مولانا علی محمد سعیدی نے بڑی خوبصورتی، اور عمدگی سے سرانجام دیا ہے، یہ ایک خدمت دین ہے، ہم اس پر مرتب موصوف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، اپنے اسلاف کے ان علمی، اور فقہی کارناموں کو وہی شخص یک جا کر سکتا، اور ان کو موضوع وار ترتیب دے سکتا ہے، جو خالص علمی ذوق کا حامل ہو، خوشی کی بات ہے، کہ اس کتاب کی ترتیب میں یہ خوبی موجود ہے، کتاب میں متعدد مقامات پر ان کے حواشی ہیں، جو کتاب کی افادیت میں مزید اضافے کا باعث ہیں،

نماز کے بعض مسائل کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ،

مشہور عالم و فقیہہ، شیخ جلال الدین احمد جہانیاں جہاں گشت۔ شیخ محمد ارشد جونپوری شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری، شیخ احمد امیٹھوی، اور مرزا مظہر جان جاناں کے فقہی مسلک کی وضاحت کی گئی ہے!۔

المعارف لاہور جلد ۸ شمارہ ۹،۱۰ صفحہ ۱۰۵

برائے اگست و ستمبر ۱۹۷۵ء

ترجمان الحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت لی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاوی کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِمُو تجاوز نہ کرتے تھے، بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے ابھارا اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے اُن فتاوٰے کو جمع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں، چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوٰے نذیریہ تھا۔ جو شیخ کل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاوٰی ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوی ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوٰے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوٰے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوٰے مثلاً فتاوی نذیریہ فتاوٰے غزنویہ، فتاوٰے ثنائیہ، فتاوٰے ستاریہ سے لے کر تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی،

اہلحدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔

اور یقینی طور پر مسائل کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش وافادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔

مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت وکتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور اسے سفید کاغذ پر حسین وجمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاہور ہندوپاک میں علماء اہلحدیث کی گرانقدر علمی ودینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ مؤرخ کی نگاہ والتفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن وحدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقہیہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی وقیمتی تحریرات ودستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن وقلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا یکاد ان تحصی ولو جمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص۵ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)

حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کئے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب امبارک پوری، مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور دیگر علمائے مرحومین و موجودین کے فتاوی شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اھلحدیث لاھور: ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر ہی کتاب و سنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچاتے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا ملی فریضہ ہے۔

فتاوی علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوے تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِمو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتار کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت سے دلائل پیش کئے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب و سنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض و نفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

ے بحمد اللہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم طبع ہو کر اہل فکر و نظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ جلد پنجم طبع ہو چکی ہے۔

کے مستحق ہیں، کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوٰے عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوٰے نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاوٰے تنظیم اہلحدیث، فتاوٰے الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت وکتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گذارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور)

الحمد للہ وحدہٗ والسلام علیٰ من لانبی بعدہٗ۔ اما بعد! "فتاوٰے علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گذرا، بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نورِ بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود بقلم خود الجامعۃ السلفیۃ لائلپور ۱۲ر فروری ۱۹۷۲ء

تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوٰے علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوٰے سے نذرانہ پیش کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسان عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو مشعلِ راہ بنائیں گے کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب و سنت تھا خواہ اس کے مخالف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاصکر اس دور میں جب کہ جدید علماء کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوٰے کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیقی مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اجرِ عظیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب) مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

چند ضروری باتیں

"شروط المفتی"

امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مفتی میں درج ذیل پانچ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱ :۔ مفتی کی نیت خالص ہو۔ اگر یہ نہ ہوا تو وہ خود بھی نور سے محروم رہے گا۔ اور اس کا کلام بھی،

۲ :۔ مفتی صاحب علم وحلم اور وقار وسکینیت سے متصف ہو۔

۳ :۔ خود مکتفی اور مستغنی ہو۔ ورنہ وہ لوگوں کے مطاعن وشبہات بن جائے گا۔

۴ :۔ اس کا علم مضبوط ہوا اور وہ پیش آمدہ مسئلہ کے تمام اطراف پر خوب نظر کر سکتا ہو۔

۵ :۔ لوگوں کی ذہنیت اور دیگر کرائف سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔[1] امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے صالح امام سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ "جو شخص منصب افتاء پر فائز ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ علوم قرآن کا ماہر ہو۔ اسانید صحیحہ سے پوری طرح واقف ہو۔ سنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم ہو۔[2]

اصول الافتاء

"فتاوی امام احمد بن حنبل کے پانچ اصول"

(۱) :۔ نصوص

جب امام احمد کو نص مل جاتی اس کے بموجب فتویٰ دیتے اور کسی دوسری چیز کی طرف دھیان نہ دیتے کہ کون اس کی مخالفت میں ہے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے فتاویٰ پر بھی وہ نص کو مقدم رکھتے تھے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

[2] اعلام جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۔

(۲):- فتاویٰ صحابہ کرام

اگر انہیں کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا، اور اس کے خلاف کوئی دوسرا فتویٰ ان کے علم میں نہ ہوتا۔ تو اس پر اکتفا کرتے تھے۔ ایسے فتوے کو وہ اجماع نہیں قرار دیتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ تعبیر میں احتیاط کرتے تھے۔ لہٰذا ایسے موقع پر وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے علم میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو اسے دفع کرتی ہو۔

(۳):- اختلاف صحابہ کا فیصلہ

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ مختلف الرائے ہوتے تو ان میں سے وہ قول قبول کر لیتے جو کتاب و سنت سے اقرب ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکتی تو ان کا اختلاف ذکر کر دیتے لیکن کسی صورت بھی اقوال صحابہ سے خروج نہ کرتے

(۴):- حدیث مرسل

وہ مرسل اور ضعیف حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔ اگر مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں مرسل اور ضعیف حدیث کو وہ قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ یاد رہے کہ یہاں "ضعیف حدیث" سے مراد باطل اور منکر حدیث نہیں ہے، جس کی سند میں کوئی متہم راوی ہو جو قابل حجت نہ ہو سکتا ہو۔ امام موصوف حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف کی بجائے صحیح اور ضعیف کی طرف تقسیم کرتے تھے۔

(۵):- قیاس

اگر کسی مسئلے میں امام احمد کو نص نہ ملتی نہ کسی صحابی کا قول دستیاب ہوتا، اور نہ کوئی مرسل یا ضعیف حدیث ہاتھ آتی تو قیاس سے کام لیتے تھے۔ لیکن قیاس کا استعمال وہ خاص اور شدید ضرورت کی صورت میں کرتے تھے۔

ملخصاً اعلام الموقعین ص ۲۹ تا ۳۲ ج ۱۔

اقسام المفتیین

حافظ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ م ۷۵۱ھ نے مفتی کے چار درجے مقرر کیے ہیں

(۱) مجتہد مطلق

جو کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سے بخوبی واقف ہو۔ پیش آمدہ مسائل کے احکام میں اجتہاد کر سکتا ہو۔ اور ادلہ شرعیہ کی بنا پر استخراج مسائل کی قدرت رکھتا۔

جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کا یہ فریق امت میں ہمیشہ اور ہر دور میں موجود رہتا ہے — حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

"یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔
(ابوداؤد مع عون ج ۴ ص ۱۸۲)۔ ہر صدی کے آغاز میں اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ایسا شخص مبعوث کرے گا۔ جو تجدید دین کا فرض انجام دے گا — انہی لوگوں کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا ہے. خدا کی یہ سرزمین ایسے شخص سے کبھی خالی نہیں ہو سکتی جو اللہ کی حجت قائم کرنے کا فرض انجام دیتا ہے"

(۲) :۔ مجتہد فی المذہب (منتسب)

دوسرا درجہ ان مفتیوں کا جن کا اجتہاد ان معاملات و مسائل تک مقید ہوتا ہے، جو امام نے اختیار کئے ہیں۔ یہ ان کے فتاوٰی، اقوال اور مآخذ کی معرفت تک ہی اپنے اجتہاد کو مقید رکھتے ہیں۔ یہ امام کے قائم کردہ اصولوں سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ان کی معرفت بھی انہی حدود تک قابل تسلیم

ہوتی ہے۔ یہ اپنے امام کے اقوال اور اصولوں سے تخریج کا کام لے سکتے ہیں، یا پھر جس معاملہ میں امام سے کوئی نص وارد نہ ہو تو اس کے بارے میں امام ہی کے اقوال پر قیاس سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ لوگ حکم اور دلیل میں امام کے مقلد محض نہیں ہوتے۔ لیکن یہ گروہ اپنا دائرہ اختیار اپنے امام ہی کو بناتا ہے، کیونکہ امام کے اصول و مآخذ اور فتاویٰ کے مصادر کی طرف مراجعت سے اس کو یقین ہوا کہ امام کا اجتہاد درست ہے، اور یہ سب کچھ دلیل و برہان سے ہی اس کو معلوم ہوا نہ کہ جہل و تقلید سے یا مجرد اتباع کے باعث ــ یہ لوگ مقلد محض نہیں ہوتے۔

(۳) مخرج

جو اپنے امام کی دلیلوں سے باخبر ہو۔ اور اس کے فتاویٰ و اصول کی معرفت رکھتا ہو۔ یہ ان اقوال و فتاویٰ سے تجاوز نہیں کرتا۔ جب امام کی نص اس کے سامنے ہو تو یہ اس کے خلاف نہیں جاتا۔ اور اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص اسکو نہ ملے تو وہ ملتی جلتی کسی فرع کو سامنے رکھ کر تخریج سے کام لے گا۔ اس کو اس سے کام نہیں ہوتا کہ شریعتِ اسلامی کے وہ مصادر اولیٰ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں جنہیں اس امام نے اپنا اصول بنایا تھا۔ جس کی یہ تقلید کرتا ہے، یہ فرع کے لئے مشابہ فرع تلاش کرتا ہے، گویا جس فرع پر امام نے فتویٰ دیا تھا اس کے نزدیک وہی اصل ہے، جس اب یہ حکم کا استخراج کرے گا۔ اور قیاس سے کام لے گا۔ یہ بہر حال اس طریقہ سے تجاوز نہیں کرتا ــــ دوسری جگہ ابن قیم لکھتے ہیں ــ افسوس!! ان لوگوں کی پست ہمتی پر جو اپنے امام ہی کو "دارا علم امت" برقرار رکھنے پر قانع ہو کر بیٹھ رہے ہیں۔

(۴) مقلّد محض

جو اپنے امام کے مذہب پر تفقہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فروع اور فتاویٰ حفظ کرتے ہیں، یہ بالفاظ واضح یہ صحیح معنوں میں مقلد محض ہوتے ہیں، ان کی زبان پر اگر کبھی کتاب وسنت کا نام آتا ہے تو وہ تبرک کے طور پر نہ احتجاج اور عمل کے اصول پر ان کے پیش نظر اگر کوئی صحیح حدیث لیکن امام کا قول اس کے مخالف ہو تو یہ حدیث کو ترک کر دیں گے، اور قول امام اختیار کریں گے۔ یہ اگر دیکھیں۔ کہ ایک مسئلہ میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دیگر صحابہ کا متفق فتویٰ موجود ہے، اور ان کے امام کا فتویٰ اس کا مخالف ہے، تو یہ اپنے امام کے فتوی پر عمل کریں گے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے فتوی کو یہ کہتے ہوئے ترک کر دیں گے کہ امام ہم سے دانا و بینا عالم ہے ہم تو اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اس راہ سے ہم کسی طرح تجاوز نہیں کر سکتے اس کے جو مسلک اختیار کیا اس کی صحت کا وہ ہم سے زیادہ رمز شناس ہے۔ ایسے تکلف کرنے والے اور پست ہمت لوگوں کا یہی حال ہے۔ ھ ملخصاً۔ اعلام الموقعین صفحہ ۲۱۲ جلد ۴ تا صفحہ ۲۱۴ جلد ۴ (اظہر)

"سائلین دو طرح کے ہیں" مفتی کو چاہیئے کہ فتویٰ سائل کے مسلک کو سامنے رکھ کر دے۔ ابن قیم رقم طراز ہیں۔ یا تو سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ صورت مسئولہ میں خدا و رسول کا کیا حکم ہے، اور صحیح صورت مسئلہ کیا ہے؟ یا پھر وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں امام کا فتویٰ کیا ہے۔ پس اگر سائل خدا و رسول کا حکم جاننا چاہتا ہے تو پھر مفتی کو چاہیئے کہ وہی فتویٰ دے جو اس کے نزدیک دلیل پر مبنی ہو۔ اور اگر سائل مسئلہ زیر بحث میں امام کی رائے اور فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے، تو پھر مفتی کو چاہیئے کہ وہ امام کی نص سائل کے سامنے پیش کر دے۔ وامرہ عند اللہ۔

بقیہ صفحہ ۱۲

مولانا سید اقتدار احمد صاحب سہسوانی صدر انجمن اہل حدیث علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رمضان کا بیان

رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید اترا[1]۔ اس مہینہ میں شب قدر ہے، جس کی اندر عبادت کرنا ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے[2]۔ اس مہینہ کے پورے دنوں روزے رکھنا فرض ہیں[3]۔ اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھل جاتے، اور دوزخ کے دروازے بند اور شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں[4]۔ رمضان کی پہلی رات کو دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جو نہیں کھلتے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جو بند نہیں ہوتے[5]۔ رمضان میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہے[6]۔ رمضان میں فرض عبادت کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے[7]۔ رمضان میں مومن کا رزق زیادہ ہوتا ہے[8]۔ جو کوئی کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا شربت یا چھوارے سے افطار کرا لے اسے روزہ کا ثواب ملتا ہے گناہوں کی بخشش دوزخ سے نجات ہوتی ہے[9]۔

---

[1] قرآن مجید [2] قرآن مجید [3] قرآن مجید بخاری مسلم [4] بخاری مسلم [5] ابن ماجہ۔ ترمذی مسند احمد [6] بیہقی مشکوٰۃ [7] مشکوٰۃ بیہقی [8] بیہقی مشکوٰۃ [9] مشکوٰۃ بیہقی۔ مشکوٰۃ بیہقی۔

رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے۔[1] مکہ میں رمضان گزارنا ایک لاکھ رمضان کے برابر ہے[2] رمضان کی اخیر رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے[3]۔ جنت رمضان کے لئے سال بھر تک سجائی جاتی ہے[4]۔ اول رات میں اللہ تعالیٰ بندوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتا اور عذابوں سے نجات دیتا ہے[5] رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والا بخش دیا جاتا ہے[6] اور دعا قبول ہوتی ہے۔[7] جو کوئی اپنے نوکروں چاکروں سے کم کام لے گا، اللہ اُسے بخش دے گا، اور دوزخ سے نجات دیگا[8] اس مہینہ میں کا اول رحمت۔ درمیان بخشش۔ آخیر دوزخ سے آزادی ہے[9] جو کوئی کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلائے اللہ اسے ایسے حوض سے پلائے گا جو کبھی پیاسا نہ ہوگا[10]۔ رمضان کے پہلے دن سے ہوا چلتی ہے جو جنّت کے پتوں سے گزر کر حوروں پر جاتی ہے تو حوریں کہتی ہیں اے اللہ! ہمارے ایسے شوہر بنا جن سے ہمیں ٹھنڈک ہو اور انہیں ہم سے ٹھنڈک ہو۔[11]

روزہ دار کا بیان

جس شخص نے ایمان اور ثواب کے لئے روزہ رکھا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو گئے[12] ہر اچھے کام کا بدلہ دس گنے سے سات سو گنے تک ملتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ خاص میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا[13]۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں، ایک افطار کے وقت ایک اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت[14] روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ اچھی ہے۔[15] روزہ گناہوں کے لئے ڈھال ہے[16]۔ روزہ آدھا صبر ہے، اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔[17] افطار کے وقت دعا جلد قبول ہوتی ہے[18] بہشت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک ریّان ہے جو صرف روزہ داروں کے لئے ہے[19]۔ روزہ دار کی بخشش کے لئے روزانہ ستر ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں[20] روزہ دار جنت میں ریّان دروازے سے داخل ہونگے[21]

---

[1] مسلم۔ جامع [2] ابن ماجہ [3] مسند احمد [4] ابن حبان [5] بیہقی [6] طبرانی۔ [7] بیہقی۔ مشکوٰۃ [8] مشکوٰۃ بیہقی [9] مشکوٰۃ بیہقی [10] شعب الایمان بیہقی [11] بیہقی [12] بخاری۔ مسلم [13] بخاری، مسلم [14] بخاری، مسلم [15] بخاری، مسلم [16] بخاری، مسلم [17] مشکوٰۃ [18] بیہقی [19] بخاری، مسلم [20] بخاری، مسلم [21] ابن خزیمہ، بخاری، مسلم

روزہ دار اور دوزخ کے درمیان زمین و آسمان سے زیادہ دوری ہو جاتی ہے[۱]۔

روزہ کا بیان

روزہ ہر مرد اور عورت پر فرض ہے[۲]۔ رمضان کے پورے مہینہ روزے رکھنا فرض ہیں[۳] جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے اس پر روزے فرض ہیں[۴]۔ صبح سے غروب آفتاب تک روزے کے ارادہ سے کھانے پینے اور جماع سے بچنا روزہ ہے[۵] فرض روزہ کے لئے رات سے ارادہ ضروری ہے[۶] روزہ صرف دن کا ہے[۷]۔ استقبال کے روزے یا روزہ رکھنا حرام ہے[۸] جو شخص پورے مہینہ کے روزے رکھتا ہو۔ یا ان دونوں میں رکھتا ہو وُہ سے رمضان سے پہلے روزے رکھنے کی اجازت ہے[۹]۔ رات کو کھانا پینا وغیرہ منع نہیں[۱۰] جو کوئی بغیر عذر کے رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ پھر تمام عمر روزے رکھے اور خیرات کرے تو بھی برابری نہیں[۱۱]۔

رمضان کے چاند کا بیان

رمضان کا چاند ہو جانے پر روزہ رکھے[۱۲]۔ چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھے:۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ۔ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰہُ[۱۳]۔

ترجمہ:۔ اے اللہ اس چاند کو امن و امان اور سلامتی و اسلام کا چاند کر۔ میرا اور تیرا رب اللہ تعالےٰ ہے۔

یا یہ پڑھے:۔ ھِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ ھِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ ھِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ[۱۴]۔

ترجمہ:۔ خیریت اور ہدایت کا چاند ہو خیریت اور ہدایت کا چاند ہو خیریت اور ہدایت کا چاند ہو میں اُس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔

یا یہ پڑھے:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِشَھْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَھْرِ كَذَا[۱۵]۔

ترجمہ:۔ حمد ہے اُس ذات کو جو لے گیا ایسا مہینہ اور لے آیا ایسا مہینہ۔

---

۱ ترمذی ۲ قرآن مجید۔ بخاری ۳ قرآن بخاری ۴ قرآن ۵ ترمذی ۶ ابوداؤد ترمذی نسائی۔ دارمی ۷ بخاری ۸ بخاری مسلم ۹ بخاری۔ نسائی۔ ابن ماجہ ۱۰ بخاری ۱۱ مسند احمد ترمذی ۱۲ ابن ماجہ بخاری مسلم قرآن مجید ۱۳ ترمذی ۱۴ ابوداؤد ۱۵ ابوداؤد۔

چاند نہ دکھائے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھے[1] شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[2] رمضان سے پہلے استقبال کا روزہ حرام ہے[3] چاند ہونے کے لئے ایک مسلمان کی گواہی ضروری ہے[4] ہر شہر کے لئے وہیں کا چاند معتبر ہے[5] مطلع بعید (بہت دور جگہ چاند ہونا) معتبر نہیں ہے[6] آدھے شعبان کے بعد کوئی روزہ نہ رکھے[7]

سحری کا بیان

سحری کھانا برکت ہے[8] سحری نہ کھانا یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے[9] سحری میں تاخیر پسند ہے۔ اور سنت ہے[10] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سحری اور صبح کے فرضوں میں اتنا فصل ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھی جائیں[11] سحری کا وقت صبح صادق سے پہلے تک ہے[12] کھجور اچھی سحری ہے[13]

سہو کا بیان

بھول کر کھانے پینے وغیرہ پر معافی ہے[14] بھول کر کھانا پینا خدا کی طرف سے دعوت ہے۔[15]

مریض اور مسافر کا بیان

مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے[16] مسافر چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے[17] مسافر کو سفر میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے[18] مسافر سفر شروع کرنے کے بعد افطار کر سکتا ہے[19] مسافر کو حالت سفر میں افطار کی اجازت ہے[20] مریض اور مسافر روزہ نہ رکھیں تو رمضان کے بعد قضا کا روزہ رکھیں[21]

روزہ ٹوٹنے کا بیان

قصداً کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[22] قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[23] کسی چیز کے بدن میں پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[24]

---

[1] بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی [2] ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابوداؤد، ترمذی، دارمی [3] ابن ماجہ، ابن خزیمہ [4] ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابوداؤد، ترمذی، دارمی [5] نسائی، ترمذی [6] ترمذی [7] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دارمی [8] بخاری، مسلم، ابن ماجہ [9] مسلم [10] بخاری [11] بخاری، ابن ماجہ، نسائی [12] قرآن حمید [13] ابوداؤد [14] بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد [15] بخاری [16] قرآن حمید [17] قرآن، بخاری، ابن ماجہ [18] ابن ماجہ، مسلم [19] بخاری [20] ابن ماجہ، بخاری [21] قرآن، بخاری [22] بخاری، مسلم [23] ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ، ترمذی [24] بخاری جبرانی

ممنوع باتوں کا بیان

جو شخص روزے میں جھوٹ بولے اس کا روزہ مقبول نہیں[1] بے نمازی کا روزہ مقبول نہیں[2] روزہ میں گالی گلوچ غصہ کرنا لڑنا جھگڑنا منع ہے[3] جھوٹ چوری لہو لعب سے روزہ جاتا رہتا ہے[4]

قضا کا بیان

ایک روزہ کے بدلے ایک روز رمضان کے بعد رکھے[5] مریض اور مسافر قضا کے روزے رمضان کے بعد رکھے[6] قضا کے روزے لگاتار رکھنا ضروری نہیں[7] قضا کے روزے دوسرے رمضان سے پہلے رکھ لے[8] حیض و نفاس والی اور دودھ پلانے والی عورتیں رمضان کے بعد روزہ رکھیں[9] جس نے خود قے کی ہو وہ قضا کا روزہ رکھے۔ اور جس نے روزہ میں عمداً کھایا۔ پیا قضا کا روزہ رکھے[10] اگر کسی نے بادل وغیرہ میں غروب سمجھ کر افطار کر لیا۔ پھر معلوم ہوا دن ہے۔ معلوم نہیں اس پر قضا ہے یا نہیں[11]

فائدہ:۔ بعض کے نزدیک قضا نہیں ہے۔[12]

اکثر کے نزدیک قضا ہے۔[13]

کفارہ کا بیان

جس کسی نے روزہ میں جان بوجھ کر جماع کیا وہ کفارہ دے[14] ایک لونڈی یا غلام آزاد کرے[15] (یہ نہ ہو سکے تو) دو مہینہ تک بلاناغہ روزے رکھے[16] (یہ بھی نہ ہو سکے تو) ساٹھ محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے[17] ایک روزہ قضا کا بھی رکھے[18] مجبور محتاج کو معافی ہے[19] مگر قضا کا روزہ رکھے اور استغفار کرے[20] اگر ایک محتاج کو کھانا کھلانے کے بدلے ایک مد اناج دے دے تو بھی جائز ہے[21]

---

[1] بخاری [2] بخاری، مسلم، وغیرہ [3] بخاری، مسلم [4] ابن ماجہ، طبرانی [5] قرآن [6] قرآن۔ بخاری [7] بخاری، مسلم [8] ابن ماجہ۔ بخاری، مسلم [9] بخاری، ابن ماجہ۔ ابوداؤد [10] ترمذی۔ موطا مالک [11] ابوداؤد۔ بخاری [12] عون المعبود [13] بیہقی۔ تلخیص الحبیر [14] بخاری، مسلم [15] بخاری، مسلم [16] بخاری، مسلم [17] بخاری، مسلم [18] بخاری، مسلم، ابن ماجہ [19] بخاری، مسلم [20] ابن ماجہ [21] عون المعبود۔

فائدہ:۔ روزہ میں جان بوجھ کر کھانے پینے والے پر کسی حدیث سے کفارہ ثابت نہیں[۱]

عورتوں کے مسئلوں کا بیان

حیض اور نفاس والی عورتیں روزہ نہ رکھیں[۲] حیض و نفاس والی عورتیں فارغ ہو کر نہانے کے بعد روزہ رکھیں[۳] حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر چاہے تو روزہ نہ رکھے[۴] حاملہ اور دودھ پلانے والی رمضان کے بعد روزہ رکھے[۵] حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر چاہے تو روزہ کے بدلہ فدیہ دیدے[۶] حاملہ اور دودھ پلانے والی کا فدیہ ہر روزہ کے بدلے ایک محتاج کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے[۷] قضا کے روزے لگاتار رکھنا ضروری نہیں[۸] قضا کے روزے دوسرے رمضان سے پہلے تک رکھ لے[۹] فدیہ میں اگر ایک محتاج کو کھانا کھلانے کی جگہ ایک مُد غلہ دے دے تو بھی جائز ہے[۱۰]

فدیہ کا بیان

جس میں روزہ رکھنے کی قدرت نہیں اس کا فدیہ ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے[۱۱] یا ایک مُد اناج دے۔[۱۲]

روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

مسواک کرنے اور سرمہ لگانے میں کچھ نقصان نہیں[۱۳] سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا[۱۴] مسواک روزہ دار کی اچھی خلال ہے[۱۵] بوسہ سے روزے میں کوئی خرابی نہیں ہوتی[۱۶] بوس و کنار کی اُسے اجازت ہے جسے اپنی خواہش نفسانی پر قدرت ہو۔[۱۷] خود بخود قے آنے سے کچھ نقصان نہیں۔[۱۸]

متفرق مسئلوں کا بیان

دکھاوے کا روزہ شرک ہے[۱۹] بلا عذر روزہ نہ رکھنے والا کافر ہے۔[۲۰]

---

۱ تلخیص الحبیر ۲ بخاری ۳ بخاری۔ ابن ماجہ ۴ ابن ماجہ۔ ابوداؤد ۵ ابوداؤد ۶ ابوداؤد ۷ بخاری ۸ بخاری۔ مسلم ۹ بخاری۔ مسلم ۱۰ عون المعبود ۱۱ قرآن۔ دارقطنی۔ حاکم ۱۲ تلخیص الحبیر۔ عون المعبود ۱۳ ابن ماجہ ۱۴ بیہقی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی ۱۵ دارقطنی۔ ابن ماجہ ۱۶ ابن ماجہ ۱۷ ابن ماجہ ۱۸ ابن ماجہ ۱۹ بیہقی ۲۰ ترمذی۔

جس پر نہانا فرض ہو وہ صبح کو نہائے [1] جس نے بغیر عذر شرعی کے روزہ نہ رکھا تو تمام عمر کے روزے برابری نہیں کر سکتے [2] غروب کے بعد سے صبح صادق تک کھاتے پینے وغیرہ کی اجازت ہے [3] روزہ صرف دن کا ہے [4] شدت تکلیف میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے [5] افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھے [6] مردے کے بدلے کے روزے اُس کا ولی رکھے [7] یا کفارہ دے دے [8] خواب (احتلام) سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں [9] پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنے میں نقصان نہیں [10] جب کوئی روزہ دار سے لڑے جھگڑے تو روزہ دار کہدے "میرا روزہ ہے" [11]

افطار کا بیان

افطار میں جلدی سے بھلائی ہے [12] افطار میں جلدی کرنے والا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے [13] افطار میں جلدی کرنے والا خدا کا سب سے زیادہ محبوب ہے [14] جب تک افطار میں جلدی ہوگی لوگوں میں بھلائی رہے گی [15] جب تک افطار میں جلدی ہوگی دین میں غلبہ رہے گا۔ یہود و نصاری افطار میں دیر کرتے ہیں [16] غروب کے بعد افطار میں دیر نہ کرے [17] جب مشرق کی طرف سے سیاہی ظاہر ہو اور سورج ڈوب جائے تو افطار کرے [18] ستو سے افطار کرنا سنت ہے [19] روزہ تر کھجور سے افطار کرے۔ تر نہ ہوں تو خشک سے خشک بھی نہ ہوں تو پانی سے [20] یہ دعا پڑھ کر روزہ افطار کرے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ [21]

ترجمہ:- اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان رحم والا ہے [21]

---

[1] ابن ماجہ۔ بخاری۔ مسلم [2] مسند احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ بخاری۔ دارمی [3] قرآن [4] قرآن [5] ترمذی [6] ابوداؤد [7] ترمذی [8] ترمذی [9] ترمذی۔ دارقطنی۔ مسند بزار [10] موطا مالک۔ ابوداؤد [11] بخاری [12] ابن ماجہ۔ بخاری۔ مسلم [13] ترمذی [14] ترمذی [15] بخاری۔ مسلم [16] ابوداؤد۔ ابن ماجہ [17] بخاری۔ مسلم [18] بخاری [19] بخاری [20] مسند احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی [21] ابوداؤد مرسلاً

افطار کے بعد یہ دعا پڑھے ۔ ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی ۔

ترجمہ :- پیاس گئی رگوں نے تری پائی اور اگر اللہ تعالے نے چاہا تو ثواب کا حق دار ہو گیا ۔[۱]

اس کے بعد یہ پڑھے ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ ۔

خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی حلال آمدنی سے کسی کو روزہ افطار کرانے میں گناہوں سے معافی ہے[۳] افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھے ۔[۴]

تراویح کا بیان

تراویح دو دو رکعت یا چار چار رکعت پڑھے[۵] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں[۶] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اور رمضان کے سوا گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں[۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئسویں کو اول شب پچیسویں کو نصف شب ستائیسویں کو آخر شب تک پڑھیں پھر کبھی نہیں پڑھیں اور فرمایا مرد کی افضل نماز گھر میں ہے[۸] حضرت عمر نے مسجد میں الگ الگ لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر جماعت کی تمنا کی تھی ۔[۹] دوسری شب میں جماعت سے پڑھتے دیکھ کر فرمایا اول رات میں پڑھنے والوں سے آخیر رات میں پڑھنے والے افضل ہیں[۱۰] حضرت عمر نے گیارہ رکعت پڑھنے کے لئے فرمایا تھا[۱۱] بمقابلہ مسجد کے گھر میں پڑھنا اور بمقابلہ اول رات کے اخیر رات میں پڑھنا افضل ہے[۱۲]

---

[۱] ابوداؤد [۲] ابن ماجہ [۳] ابن خزیمہ [۴] ترمذی ۔ ابوداؤد [۵] بخاری [۶] بخاری [۷] بخاری [۸] ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ مسلم ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ [۹] بخاری [۱۰] بخاری [۱۱] موطا مالک [۱۲] بخاری ۔ مسلم ۔

وتر کا بیان

وتر ایک، تین، پانچ، سات، نو، ثابت ہیں[1] وتر نماز عشاء کے بعد پڑھے[2] (ابن حبان۔ ابوداؤد۔ مسلم۔ ابن ماجہ نسائی۔ حاکم)۔ وتر کا وقت صبح کی سنتوں سے پہلے تک ہے[3] وتر رمضان میں اور علاوہ رمضان کے جماعت سے پڑھ سکتے ہیں[4] وتر رمضان کے سوا جماعت سے نہ پڑھنے کی کوئی حدیث نہیں[5]

فائدہ:۔ وتر جہر سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے[6]

فائدہ:۔ وتر کا بیان مفصل صلوٰۃ الرسول میں بڑھا دیا گیا۔ [7]

اعتکاف کا بیان

اعتکاف مسجد میں کرے[8] رمضان کے آخری دس دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا[9] مسجد کے کسی گوشہ میں پردہ لگا کر بیٹھے[10] ضروریات کے لئے مسجد سے باہر یا گھر جا سکتا ہے[11] اکیسویں رات کو مغرب کے وقت سے مسجد میں آجائے[12] عورتیں اعتکاف کر سکتی ہیں[13] اعتکاف میں عورت سے مباشرت وغیرہ نہیں چاہیے[14] بیمار پرسی اور دفن میت کے لئے نہیں جا سکتا[15] اعتکاف کی قضا بھی جائز ہے[16] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری دس دن میں اعتکاف کیا کرتے ایک سال اعتکاف نہیں کیا تو شوال کے پہلے دس دن اعتکاف کیا[17] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال بیس دن اعتکاف کیا[18] اعتکاف کی جگہ بستر پلنگ وغیرہ بچھانا درست ہے[19] رمضان کے دس دن اعتکاف کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر ہے[20] اعتکاف میں ضرورتاً بولنا بات کرنا۔ تیل لگانا، کنگھی کرنا۔ نہانا جائز ہے[21] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک آخیر دس دن میں اعتکاف کیا۔[22]

---

[1] بخاری مسلم۔ نسائی [2] بخاری [3] بخاری مسلم [4] سبل السلام [5] درایہ [6] ترمذی۔ ابوداؤد [7] ابن ماجہ۔ احمد حاکم دارقطنی۔ طحاوی۔ [8] ابوداؤد [9] ابوداؤد [10] ابن ماجہ [11] بخاری مسلم [12] ابوداؤد [13] بخاری مسلم [14] بخاری مسلم [15] ابوداؤد [16] بخاری [17] بخاری [18] بخاری [19] ابن ماجہ [20] بیہقی [21] بخاری [22] بخاری مسلم۔

شب قدر کا بیان

شب قدر میں قرآن مجید نازل ہوا[1] شب قدر آخری دس میں ہے[2]۔ شب قدر اکیس[21]، تئیس[23]، پچیس[25]، ستائیس[27]، انتیس[29] میں سے کسی ایک رات میں ہے[3] شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو شعاع نہیں ہوتی[4] عشرہ آخر کی راتوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی جاگتے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے[5] شب قدر ہر رمضان میں ہوتی ہے[6] شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔[7]

عید کے چاند کا بیان

چاند دیکھ کر عید کرے[8] اگر چاند نہ دکھائی دے تو رمضان کے تیس[30] دن پورے کر کے عید کرے[9] عید کے چاند کے لئے دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے[10] مقامی رویت معتبر ہے[11] بہت دور جگہ چاند نظر آجانے کا اعتبار نہیں[12] اگر دوپہر کے بعد عید کے چاند کی خبر باہر سے آجائے تو افطار کر لیں۔ اور دوسرے دن عید کریں[13]

فطرے کا بیان

روزوں میں بات چیت وغیرہ سے جو نقصان آتا ہے اس کا فدیہ فطرہ ہے[14] صدقہ فطر ہر بچے، مرد، عورت، لونڈی غلام، پر فرض ہے[15] صدقہ فطر دینے کے بعد نماز عید کو جائے[16] عید کی نماز کے بعد صدقہ دینے سے صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا[17] صدقہ فطر ایک صاع ہے[18] گیہوں آدھا صاع بھی درست ہے[19] (نسائی۔ درآیہ۔ دارقطنی۔ ابوداؤد۔ طبرانی)[20] صدقہ فطر گیہوں ایک صاع افضل ہے۔[21]

---

[1] قرآن مجید [2] بخاری، مسلم [3] مسند احمد بخاری [4] مسلم [5] بخاری، مسلم [6] ابوداؤد [7] فرقان حمید [8] بخاری، مسلم، ابن ماجہ [9] بخاری، مسلم [10] ترمذی [11] ترمذی [12] ترمذی [13] ابن ماجہ۔ ابوداؤد نسائی [14] ابوداؤد [15] بخاری [16] بخاری، مسلم۔ ابوداؤد [17] بخاری، مسلم [18] بخاری، مسلم ابوداؤد۔ نسائی [19] حاکم [20] احمد ترمذی [21] بیہقی سبل السلام۔

صدقۂ فطر چھوارا کھجور جو گیہوں آٹا ستو وغیرہ کھانے کی چیزیں دے سکتے ہیں[1]

صدقۂ فطر محتاجوں کو دینا چاہیے[2]

فائدہ:۔ صدقۂ فطر مد یا صاع سے ناپ کر دے۔

صدقۂ فطر ایک محتاج کو اتنا دینا چاہیے کہ بے پروا ہو جائے[3] صدقۂ فطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے مد سے دیا جاتا تھا۔[4] صدقۂ فطر دو مد شامی گیہوں فعلِ صحابہ ہے۔[5]

مد اور صاع کا بیان

چار مد برابر ہیں ایک صاع کے ایک مد چوتھائی صاع ہے[6] ایک صاع برابر ہے پانچ رطل اور تہائی رطل کے[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل تھا۔[8] ایک مد برابر ہے ایک رطل اور دو ثلث بغدادی کے۔[9]

فائدہ ایک رطل برابر ہے بارہ اوقیہ کے ایک اوقیہ برابر ہے ایک استار اور دو تہائی استار کے ایک استار برابر ہے، ساڑھے چار مثقال کے۔ ایک مثقال برابر ہے۔ ایک درہم اور تین سبع درہم کے ایک درہم برابر ہے چھ دانق کے ایک دانق برابر ہے آٹھ حبہ اور دو خمس حبہ کے۔ پس ایک رطل برابر ہے۔ نوے مثقال کے نوے مثقال برابر ہیں ایک سو اٹھائیس درہم اور چار سبع درہم کے۔

عید کی نماز کا بیان

عید کی نماز کے لیے طاق کھجوریں کھا کر جانا سنت ہے[10] راستہ میں تکبیر کہتا ہوا جائے۔ اور واپس آئے۔[11]

تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ[12]

---

[1] بخاری، مسلم، ابو داود۔ ترمذی [2] ابو داؤد [3] علوم الحدیث۔ حاکم۔ درایہ [4] حاکم تلخیص الحبیر ابن حبان [5] مسند احمد، ترمذی [6] ابو داود۔ نووی [7] عون المعبود۔ درایہ [8] دارقطنی [9] فتح الباری تحفۃ الاحوذی۔ عون المعبود [10] بخاری [11] بخاری۔ دارقطنی [12] حاکم۔ دارقطنی۔ بیہقی، ابن ابی شیبہ۔

ترجمہ :۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے، بندگی کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں اور اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ ہی کے لئے تعریفیں ہیں۔

یا یہ تکبیر پڑھے :۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔[1]

ترجمہ :۔ میں اللہ کی بڑائی کرتا ہوں۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔

عید کی نماز جنگل میں پڑھے[2] سوائے نماز عید کے اور کچھ نہ پڑھے[3] نماز کا وقت ایک نیزہ کے برابر سورج بلند ہونے سے ہے[4] عید کی نماز دو رکعت ہے[5] دونوں رکعتیں جہر سے پڑھے[6] پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں زائد کہے[7] : عید کی نماز اشراق کے وقت پڑھ لے[8]

فائدہ :۔ ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا یا رفع الیدین کرنا ہاتھ باندھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ [8] حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کا فعل صحیح سنت سے ثابت ہے جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے دیکھ

عورتیں بھی نماز میں شریک ہوں[9] نماز کے بعد امام خطبہ دے[10] دوسرا خطبہ عورتوں کے پاس جاکر دے[11] خطبہ کے لئے منبر نہ ہو[12] عیدگاہ پیدل جانا افضل ہے[13] عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں[14] جسے ایک رکعت ملجائے وہ ایک اور پڑھ لے[15] جسے نماز نہ ملے وہ اکیلا دو رکعت پڑھ لے[16] اگر کئی آدمی ہوں تو دوسری جماعت کرلیں[17] واپسی میں راستہ بدل دے[18] عید اور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ کی نماز کی رخصت ہے ظہر پڑھ لے[19] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید سے واپس آکر دو رکعت پڑھتے تھے۔[20]

---

۱ فتح الباری سبل السلام ۲ بخاری ۳ مسلم ۴ مشکوٰۃ ۵ بخاری ۵ مسلم ۶ بخاری۔ مسلم ۷ مشکوٰۃ ۸ ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد، ابن خزیمہ۔ عون المعبود ۹ بخاری۔ مسلم ۱۰ بخاری، مسلم ۱۱ نسائی ۱۲ مسلم ۱۳ بخاری ۱۴ ابوداؤد ۱۵ بخاری۔ مسلم ۱۶ بخاری ۱۷ بخاری ۱۸ بخاری۔ ترمذی۔ دارمی ۱۹ ابوداؤد۔ نسائی ۲۰ ابن ماجہ۔

امام کے آگے سترہ ہونا چاہیئے[1]

نذر کے روزوں کا بیان

نذر کا روزہ رکھنا ضروری ہے[2] نذر کے روزوں کی قضا ضروری ہے[3] مردے پر اگر روزے نذر کے ہوں تو ولی روزے رکھے[4]

منع کئے ہوئے روزوں کا بیان

عید الفطر عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[5] ایام تشریق ذوالحجہ کی گیارہ بارہ تیرہ تاریخ کو روزہ رکھنا حرام ہے[6] عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) روزہ رکھنا حاجی کو منع ہے[7] استقبال رمضان کے روزے حرام ہیں[8] رمضان سے پہلے شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[9] خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[10] صرف سنیچر کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ) ہمیشہ روزہ رکھنا منع ہے[11] وصال یعنی ایک روزے کو افطار کے بغیر دوسرا رکھنا سخت منع ہے[12] کسی مہینہ کی پہلی پندرہ بیس کو مقرر کر کے روزہ رکھنا ٹھیک نہیں[13]

مسنون روزوں کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں روزے بہت رکھتے تھے[14] شعبان کے روزے رکھنے کی تاکید بھی فرمائی ہے[15] عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھنا ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے[16] ان روزوں کا عید کے دوسرے دن سے رکھنا یا لگاتار رکھنا ضروری نہیں[17] رمضان کے بعد تمام روزوں سے افضل عاشورہ (دس محرم) کا روزہ ہے[18] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال نو محرم کو بھی روزہ رکھنے کا قصد ظاہر

---

[1] بخاری [2] بخاری۔ مسلم [3] بخاری [4] بخاری۔ مسلم [5] مسلم [6] مسلم [7] بخاری۔ مسلم [8] بخاری۔ مسلم [9] بخاری۔ مسلم [10] بخاری۔ مسلم [11] مسلم [12] بخاری۔ مسلم [13] بخاری۔ مسلم [14] بخاری مسلم [15] بخاری۔ مسلم [16] مسلم۔ طبرانی [17] ترمذی [18] بخاری۔ مسلم۔

فرمایا تھا۔ اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔[1] عاشورہ (دس محرم) کا روزہ سنت ہے[2] بہتر یہ ہے کہ نو اور دس محرم کو روزہ رکھے[3] نو اور دس یا دس اور گیارہ کو روزہ رکھنا بہتر ہے صرف دس کو نہ رکھے[4] ذوالحجہ کے پہلے نو دن تک روزہ رکھنا سنت ہے[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں کچھ دن روزے رکھتے تھے[6] ہر مہینہ تین روزہ رکھنا سنت ہے۔ اور بہت ثواب ہے[7] ہر بدھ اور جمعرات کا روزہ ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے[8] پیر کے دن روزہ رکھنا سنت ہے[9] پیر اور جمعرات کا روزہ سنت ہے[10] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیر اور جمعرات کو روزہ کا حکم دیا ہے[11] جمعہ جمعرات یا جمعہ سنیچر کو روزہ رکھنا جائز ہے[12] ایک مہینہ میں سنیچر اتوار پیر دوسرے مہینے میں منگل۔ بدھ۔ جمعرات کو روزہ رکھنا سنت ہے[13] بیض (تیرہ۔ چودہ۔ پندرہ) ہر مہینہ کی روزے رکھنا بہت ثواب ہے[14] ہمیشہ روزے رکھنا منع ہے۔ دو دن روزے رکھنا ایک دن ناغہ کرنا جائز ہے۔ ایک دن روزہ رکھنا ایک دن نہ رکھنا صوم داؤد علیہ السلام ہے اور افضل ہے[15]

نفل روزوں کا بیان

نفل روزہ کے لئے رات کو ارادہ کرنا ضروری نہیں ہے[16] نفل روزہ رکھ کر افطار کر دینا درست ہے[17] (ابوداؤد مسند احمد۔ ترمذی۔ دارمی) چاہے تو نفل روزہ کی قضا رکھ لے[18] چاہے تو قضا نہ رکھے[19] عورت نفل روزہ شوہر کی موجودگی میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ رکھے[20] کسی مہینہ کی صرف پہلی پندرہ بیس مقرر کر کے روزہ رکھنا منع ہے[21] دو دو دن ساتھ رکھے[22] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا اور کسی مہینہ کے روزے پورے مہینہ تک نہیں رکھے[23]

---

[1] مسلم [2] بخاری [3] مسلم [4] مرقاۃ [5] نسائی [6] مسلم [7] مسلم [8] ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ [9] مسلم [10] ترمذی۔ نسائی [11] ابوداؤد۔ نسائی [12] بخاری۔ مسلم [13] ترمذی [14] مسلم نسائی۔ ترمذی [15] مسلم [16] مسلم [17] مسلم [18] ترمذی۔ ابوداؤد [19] مشکوٰۃ [20] مسلم [21] بخاری۔ مسلم [22] بخاری۔ مسلم۔

نفل روزہ زمین کے برابر سونا لٹا نے سے بہتر ہے [1]

سند مُد

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میرا (سید اقتدار احمد سہسوانی کا) مُد برابر ہے میرے والد مرحوم سید آل محمد شاہ کے مُد سے ان کا مُد برابر ہے مولوی محمد ایوب بن مولوی قمر الدین کے۔ ان کا برابر ہے شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے۔ ان کا شاہ رفیع الدین دہلوی کے۔ ان کا حافظ محمد حیات مسندی کے اور فرمایا حافظ محمد حیات سندھی نے میرا مُد برابر ہے اس مُد کے جس کو برابر کیا۔ امیر المحدثین شیخ ابوالحسن بن محمد صادق نے اس مُد سے جس پر لکھا ہوا تھا چاندی سے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں حکم دیا اس مد کے برابر کرنے کا مولٰنا امیر المسلمین ابوالحسن بن مولٰنا امیر المسلمین ابو سعید بن مولٰنا امیر المسلمین ابو یوسف بن عبدالحق نے۔ اس مُد سے جس کو برابر کرنے کا حکم دیا۔ مولٰنا ابو یعقوب رحمہ اللہ نے اُس مُد سے جس کو برابر کیا حسین بن یحیی بشکری نے مُد سے ابراہیم بن عبدالرحمٰن نجاشی کے جو کہ برابر تھا مُد سے شیخ ابو علی منصور بن یوسف فواس کے اور ان کا مُد برابر تھا مُد سے فقیہ ابو جعفر احمد بن علی بن عزنون کے اور ان کا فقیہ قاضی ابو جعفر احمد بن اخطل کے اور ان کا خالد بن اسمٰعیل کے اور ان کا امام ابو بکر احمد بن حنبل کے اور ان کا ابو اسحٰق ابراہیم بن شنظیر اور ابو جعفر بن میمون کے اور ان دونوں کے مُد برابر ہیں مُد سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جو صحابی ہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور یہ وہی مُد ہے جس کی نسبت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ برکت دے ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں یہ حدیث بخاری مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔

اور فرمایا محمد حیات سندھی نے امیر المسلمین ابوالحسن کا صاع مدینہ منورہ میں ہمارے شیخ کے پاس موجود تھا اور امیر المسلمین ابوالحسن مغرب میں بادشاہ تھے اور کہا کہ ہمارے شیخ نے یہ احمد بن حنبل۔ امام احمد بن حنبل صاحب مسند نہیں ہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ اور کہا کہ ایک صاع برابر ہے چار مُد ان کے اُس مُد سے واللہ اعلم۔

---

[1] طبرانی

تشریحات احکام رمضان

رمضان کا روزہ فرض ہے

(۱) قرآن مجید میں ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے (اگلی امتوں) پر فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تم (گناہوں) سے بچو۔

(۲) :۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ۔

(ترجمہ):۔ رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے۔ جس میں قرآن مجید اترا، جو لوگوں کو ہدایت کی راہ بتاتا ہے۔ اور اس میں ہدایت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں۔ اور حق کو باطل سے پہچاننے کا طریقہ ہے۔ پھر جو تم میں سے یہ مہینہ پائے (یعنی تندرست اور مقیم ہو، بیمار اور مسافر نہ ہو) تو اس ماہ میں روزے رکھے۔ بخاری، نسائی منتقی، ابن جارود میں احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ جن سے رمضان کے روزوں کا فرض ہونا ثابت ہے، جس سے کسی مسلمان کو انکار کی گنجائش نہیں۔

رمضان شریف کے فضائل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فضائل رمضان کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حسب ذیل خطبہ نہایت معرکۃ الآراء اور معروف خطبہ ہے۔

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی آخر یوم من شعبان فقال یا یھا الناس قد اظلکم شھر عظیم، شھر مبارک، شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر

جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادّی سبعین فریضة فیما سواه فهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة . وشهر المواساة ، وشهر یزاد فیه رزق المؤمن، من فطر فیه صائما کان له مغفرة لذنوبه ۔ وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شئی۔ قلنا یارسول الله لیس کلنا نجد ما یفطر به الصائم فقال رسول الله یعطی الله هٰذا الثواب من فطر صائما علی مذقة لبن او تمرة او شربة من ماءٍ ومن اشبع صائما سقاه الله من حوضی شربة لایظمأ حتی یدخل الجنة وهو شهر اوله رحمة واوسطه مغفرة واٰخره عتق من النار ومن خفف عن مملوکه فیه غفر له واعتقه من النار (مشکوٰة)

ترجمہ۔ یعنی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا۔ فرمایا۔ اے لوگو! تم پر ایک بہت ہی عظیم الشان با برکت مہینہ آیا ہے، وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے، جو ہزار ماہ سے افضل ہے، خدا نے اس ماہ میں روزے فرض کئے ہیں۔ اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے، جو کوئی اس ماہ میں نفلی نیکی کا کام کرلے۔ وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی۔ اور جو اس ماہ میں فرض ادا کرے۔ وہ ایسا ہوگا۔ کہ گویا اس نے اور دنوں میں ستر فرض ادا کئے۔ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ وہ باہمی سلوک اور مروت کا مہینہ ہے۔ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھ جاتا ہے۔ (یعنی روزہ دار اس مہینہ میں بھی حسب خواہش کھاتا ہے۔ اور قیامت کے روزہ بھی اس کی برکت سے بے حد نعمتیں پائے گا) جو کوئی اس مہینہ میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔ اور آگ سے نجات ملے گی۔ اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کے لئے بہت کچھ سامان چاہیئے۔ اس لئے ہم (صحابہؓ) نے عرض کی۔ کہ حضورؐ! ہم میں سے ہر ایک تو طاقت نہیں رکھتا، کہ روزہ دار کو روزہ افطار کرا سکے حضورؐ! نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا۔ جو روزہ دار کو دودھ کی گھونٹ یا پانی پلا دے، (کیونکہ خدا کے ہاں نیت کا اجر ہے) جو کوئی روزہ دار کو ٹھنڈا شربت یا دودھ پیٹ بھر کر پلا دے،

خدا اس کو میرے حوض کوثر سے ٹھنڈا شربت پلائے گا جس کی وجہ سے وہ میدانِ محشر میں جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا۔ یہ ماہ رمضان ایسا ہے کہ اس کا شروع حصہ رحمت ہے۔ درمیانی حصہ بخشش ہے۔ اور آخری حصہ جہنم کی آزادی کے لئے مخصوص ہے۔ جو کوئی اس مہینہ میں اپنے کارندوں کے کام میں تخفیف کرے۔ یعنی معمول سے کم کام کرائے۔ خدا اس کو بخشش دے گا۔ اور اس کو جہنم کے عذاب سے نجات دے گا۔

بخاری، مسلم، نسائی اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وغلقت ابواب النار وسلسلت الشیاطین۔ حضرت ابی ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے۔ تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف کے فضائل نہایت شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بیان فرمائے ہیں۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ عدم گنجائش کی وجہ سے ہم ان کو درج نہیں کر سکے۔

روزہ کی فضیلت

بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالے کل عمل ابن آدم لہ الا الصیام فانہ لی وانا اجزی بہ والصیام جنۃ واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرء صائم والذی نفس محمد بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک للصائم فرحتان یفرحھما اذا افطر فرح واذا لقی ربہ فرح بصومہ۔

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ہر ایک عمل اس کے لئے ہے، مگر روزہ میرے لئے ہے،

اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ ڈھال ہے (دوزخ کے عذاب سے یا گناہوں سے) جو کوئی تم میں سے روزہ دار ہو۔ تو اس کو نہ بے ہودہ باتیں کرنی چاہیئے۔ نہ شور و شغب اور نہ پکار کر بے ہودہ کلام کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی اس کو برا کہے۔ یا کوئی اس سے لڑے۔ تو یہ کہدے۔ اِنِّی صَائِمٌ (میں روزہ دار ہوں) اس کو جواب نہ دے۔ جس طرح اس نے بات کی ہے۔ اور قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان ہے (فداہ ابی وامی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی خوشبو مشک سے کہیں بڑھ کر ہے۔ روزہ دار کے واسطے دو خوشیاں ہیں۔ جو اس کو خوش کرتی ہیں۔ ایک افطاری روزہ کے وقت۔ دوسرے پروردگار سے (قیامت کے دن) ملاقات کے وقت، اپنے روزہ کیوجہ سے!

(۲)۔ مشکوٰۃ میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن مجید اللہ تعالےٰ سے بندہ کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا۔ اے پروردگار میں نے تیرے بندہ کو کھانے اور خواہش کی چیزوں سے دن میں روک دیا تھا۔ تو اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا۔ کہ میں نے تیرے بندہ کو نیند سے رات کو روک دیا۔ تو میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالےٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

روزہ دار کی فضیلت

بخاری، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

عن سهل بن سعد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ان فی الجنة بابا یقال له الریان یدعی یوم القیامة یقال این الصائمون فمن کان من الصائمین دخله ومن دخله لم یظما ابدا۔

سہل بن سعد سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں ایک دروازہ ہے۔ جس کا نام "ریان" ہے۔ قیامت کے دن پکارا جائے گا۔ روزہ دار کہاں ہے؟ تو جو کوئی روزہ داروں میں سے ہوگا۔ وہ اس کے اندر جائے گا۔ اور جو اس دروازہ میں سے داخل ہو جائے گا۔ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی رمضان کے روزہ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھے۔ اللہ تعالٰی اس کے اگلے گناہ بخش دے گا۔

رمضان کے لئے ہلال شعبان کا خیال رکھنا چاہیئے

جامع ترمذی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احصوا ھلال شعبان لرمضان۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آمد کے لئے غرہ شعبان کا خیال رکھو۔ اور دن گنتے رہو۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن ابی قیس قال سمعت عائشۃ رضی اللہ عنہا تقول کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یتحفظ من شعبان ما لا یتحفظ من غیرہ۔

عبداللہ بن ابی قیس رض سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ام المؤمنین مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شعبان کی تاریخوں کو اچھی طرح یاد رکھتے۔ کہ اس طرح دوسرے مہینوں کو یاد نہیں کرتے تھے۔

نصف شعبان کے روزے

ابن ماجہ، ابو داؤد، ترمذی اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا کان النصف من شعبان فلا صوم حتی یجئی رمضان۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان آدھا گزر جائے۔ تو اب روزہ نہ رکھے۔ جب تک رمضان

نہ آجائے۔

ان روزوں سے..... رمضان کی آمد کے اندر اسلامی کے روزے مراد ہیں۔ جو روزے کسی رمضان کے کسی کے ذمہ ہوں۔ وہ رکھ سکتا ہے۔

رمضان سے پہلے روزے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی اور منتقیٰ میں ہے۔ عن ابی هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا يتقدمن احدكم رمضان بصوم يوم او يومين .... الا ان يكون رجل كان يصوم صوما فليصم ذالك اليوم۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رمضان کے ایک دو روز پہلے سے روزہ رکھنا شروع نہ کرو۔ ہاں اگر کسی شخص کو روزہ رکھنے کی عادت ہے، اور وہ دن اسی جگہ آن پڑے۔ تو رکھ لے۔

شک کے روزہ کی ممانعت

بخاری، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن صلة قال كنا عند عمار في اليوم الذي يشك فيه فاتي بشاة فتنحى بعض القوم فقال عمار من صام هذا اليوم فقد عصى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم۔

صلہ سے روایت ہے کہ ہم عمارؓ کے پاس تھے۔ شک کے روزہ (یعنی یہ معلوم نہ تھا کہ ۳۰ شعبان ہے یا یکم رمضان ہے) ایک بکری کا گوشت آیا۔ بعض لوگوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ عمارؓ نے کہا کہ جس نے اس روز روزہ رکھا۔ اس نے ابوالقاسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (یعنی ۲۹ شعبان کو جب کہ ابر وغیرہ ہو۔ اور یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ آج چاند ہوا ہے۔ یا نہیں، تو دوسرے روز روزہ نہ رکھنا چاہیے۔ بلکہ اس کو ۳۰ شعبان سمجھنا چاہیئے۔

اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہو

بخاری، ابوداؤد، اور نسائی میں ہے۔ عن ابي هريرة رضي الله عنه يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم

صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اور چاند دیکھ کر روزہ بند کر دو۔ لیکن اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہو۔ تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کرو۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، دارمی اور منتقیٰ میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر فرمایا کہ۔ جب رمضان کا چاند نہ دیکھ لو۔ روزہ مت رکھو۔ اور جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو روزہ مت موقوف کرو۔ پس اگر تم پر ابر آجائے۔ تو (۳۰ روزہ کی گنتی پوری کرنے کے لئے) حساب کر لو۔

ہر شہر کی رویت اپنی اپنی ہے

مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے۔ کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے ان کو شام میں امیر معاویہ رض کے پاس بھیجا۔ کریب نے کہا کہ میں شام میں پہنچا۔ اور ام الفضل کا کام پورا کیا۔ اور پھر رمضان کا چاند ہو گیا۔ اور میں وہیں تھا۔ ہم نے چاند جمعہ کی رات کو (ملک) شام میں دیکھا تھا۔ اور جب رمضان کے آخر میں مدینہ شریف آیا۔ تو ابن عباس رض نے مجھ سے چاند کا حال پوچھا۔ اور کہا کہ تم نے کب چاند دیکھا۔ میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات کو دیکھا۔ ابن عباس رض نے کہا۔ کہ تم نے چاند اپنی آنکھ سے دیکھا۔ میں نے کہا ہاں۔ اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ میں نے روزے رکھے۔ امیر معاویہ رض نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس نے کہا۔ کہ ہم نے تو چاند ہفتہ کی رات دیکھا۔ ہم اسی دن سے روزہ رکھ رہے ہیں اور رکھتے جائیں گے جب تک کہ ۳۰ روزے پورے نہ ہو جائیں۔ یا شوال کا چاند دکھلائی دے۔ میں نے کہا تم معاویہ کی رویت اور ان کے روزہ پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا نہیں۔ کیونکہ ہم کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (یعنی اپنی رویت پر عمل کرنے کا)۔

ہلالِ رمضان کے لئے ایک مسلمان کی گواہی کافی ہے

ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی منتقیٰ اور ابن جارود میں ہے۔

عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال انی رأیت الھلال فقال اتشھد ان لا الہ الا اللہ اتشھد ان محمد رسول اللہ قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس ان یصوموا غدا۔

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ ایک گنوار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا، کہ میں نے چاند دیکھا ہے، آپ نے فرمایا کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اور محمد رسول اللہ اس کے رسول ہیں۔ وہ بولا کہ ہاں، آپ نے بلال رض کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دو۔ کہ کل روزہ رکھیں۔

چاند کو دیکھ کر کون سی دعا پڑھنی چاہیئے۔

ترمذی اور دارمی میں ہے۔ حضرت طلحہ رض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللہُ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ۔

سحری کی فضیلت

سنن نسائی میں ہے۔

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دخلت علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وھو یتسحر فقال انھا برکۃ اعطاکم اللہ ایاھا فلا تدعوہ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رض سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا۔ جب کہ آپ سحری تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ (سحری) کی برکت ہے۔ جو تم ہی کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ (اور پہلے اہلِ کتاب کو حکم نہ فرمائی تھی) تم اس کو مت چھوڑو (یعنی سحری کھایا کرو)

سحری میں برکت

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی اور منتقیٰ ابن جارود میں ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم تسحروا فان فی السحور برکۃ۔

انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھاؤ، سحری کھانے میں برکت ہے۔

سحری کھانے میں دیر کرنی چاہیئے۔

سنن، نسائی، اور ترمذی میں ہے۔ عن ابی عطیۃ قال قلت لعائشۃ فینا رجلان احدھما یعجل الافطار ویؤخر السحور والاخر یؤخر الافطار ویعجل السحور قالت ایھما الذی یعجل الافطار ویؤخر السحور قلت عبداللہ بن مسعود قالت ھکذا کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصنع۔

ابو عطیہ رض کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا ہم میں دو آدمی ہیں۔ ایک تو ان میں افطار (روزہ کھولنے) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور سحری میں دیر، اور دوسرے صاحب افطار میں دیر، اور سحری میں جلدی کرتے ہیں۔ ام المؤمنین رض نے استفسار فرمایا، وہ کون صاحب ہیں، جو افطار میں جلدی۔ اور سحری میں دیر کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، وہ بزرگ عبداللہ بن مسعود رض ہیں۔ ام المؤمنین نے فرمایا رسول صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (یعنی روزہ جلدی کھولتے۔ اور سحری میں دیر کرتے)

سحری اور فجر کی نماز میں فرق

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم قمنا الی الصلوۃ قلت کم کان قدرما بینھما قال خمسین آیۃ۔

حضرت زید بن ثابت رض سے مروی ہے، کہ ہم نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی۔ اور صبح کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ راوی نے پوچھا کہ سحری کھانے اور نماز کے درمیان کتنی دیر گزاری، کہا اتنی دیر کہ کوئی پچاس آیات قرآن

کی پڑھ لے۔

سحری کس وقت کھانی چاہیئے

سُنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او قال ینادی لیرجع قائمکم وینتبہ نائمکم فلیس الفجر ان یقول ھکذا قال مسدد وجمع یحییٰ کفیہ حتے یقول ھکذا ومد یحییٰ باصبعیہ السبابتین۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو سحری کھانے سے بلال کی اذان نہ روکے۔ کیونکہ وہ رات کے رہتے اذان دیتا ہے، تاکہ تم میں سے جو تہجد کی نماز پڑھتا ہو۔ وہ پڑھ لے۔ جو سحری کھانا چاہے۔ وہ اٹھ کر سحری کھالے، اور فجر کا وہ وقت نہیں جو اس طرح ہو۔ (راوی نے اپنی دونوں ہتھیلیاں ملائیں، اور اونچی کرکے کہا۔ کہ جو لمبی اور اونچی روشنی ہوتی ہے۔ اس کا نام صادق نہیں ہے، حضرت نے فرمایا جب تک روشنی نہ پھیلے، اور حضرت نے اپنے کلمہ کی دونوں انگلیاں ملاکر پھیلایا۔ اور فرمایا کہ صبح کی روشنی چوڑی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں ہے۔ عن طلق رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا لا یھید نکم الساطع المصعد فکلوا واشربوا حتی یعترض لکم الاحمر۔

حضرت طلقؓ سے روایت ہے۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کھاؤ اور پیئو۔ تم کو کھانے اور پینے سے وہ روشنی نہ روکے جو چڑھتی چلی آتی ہے۔ (یعنی صبح کاذب) بلکہ کھاؤ اور پیئو جب تک صبح صادق نہ نکلے (یعنی سرخی میں سفیدی نہ آجائے)

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دارمی میں ہے، عدی بن حاتم نے کہا کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری۔

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ۔

(ترجمہ)۔ رمضان میں کھایا پیا کرو۔ جب تک کہ سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے نمودار ہو تو میں نے اونٹ باندھنے کی رسی سیاہ اور دوسری سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھی۔ پھر آخر رات میں ان کو دیکھا۔ مجھ کو وہ کچھ صاف نظر نہ آئیں۔ صبح کو میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ تیرا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ یعنی تو نے سمجھا نہیں، قرآن کا مطلب سیاہ اور سفید ڈورے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

ان تینوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح کاذب (جس کی روشنی لمبی ہوتی ہے) تک روزہ دار کو کھانا پینا حرام نہیں ہے۔ البتہ صبح صادق (جس کی روشنی چوڑی پھیلی ہوئی ہوتی ہے) میں کھانا پینا حرام ہے۔

سحری کھانا سنت ہے

سنن نسائی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت انس رضؓ سے فرمایا۔ اے انسؓ میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں مجھے کچھ کھانا دو۔ (کہ میں ان سے سحری کر لوں) حضرت انسؓ کچھ کھجوریں اور ایک برتن لائے۔ جس میں پانی تھا۔ (اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب حضرت بلالؓ اذان دے چکے تھے) اس وقت جناب امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذرا ان کو بھی بلا لو۔ جو میرے ساتھ کھانا کھایا کرتے ہیں۔ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا۔ وہ آئے اور آنحضرت صلعم سے کہنے لگے میں نے تو ستو پی لئے ہیں۔ اور میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو روزہ رکھوں گا۔ پھر زید بن ثابتؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی۔ اور پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور پھر جماعت کے لئے نکلے۔

اس حدیث سے اور دوسری احادیث سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سحری کھائی ہے۔ اور سحری کھانا چاہیئے۔ اگرچہ چند لقمے ہی کھائے جائیں۔

شکر گزار اور روزہ دار

سنن ابن ماجہ میں ہے:۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال الطاعم الشاکر بمنزلۃ الصائم الصابر۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھانا کھا کر شکر کرنے والا مثل روزے دار کے لئے جو صبر کرے۔ (کھانے سے)

سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور داری میں ہے۔

روزہ کی نیت رات سے کرے

عن حفصۃ زوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ۔

(ترجمہ)۔ ام المومنین حفصہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے فجر ہونے سے پہلے (رات سے) روزہ (فرض) کی نیت نہ کی۔ اس کا روزہ (درست) نہ ہوگا۔

روزہ دار بحالت جنابت

بخاری، مسلم، مؤطا، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں۔ ام المومنین سلمہؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صبح کو اپنی بیوی کے پاس سے جنابت کی حالت میں اٹھتے تھے، پھر غسل فرماتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ اگر وقت تنگ ہو تو جنبی وضو کر کے کھانا کھا سکتا ہے پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے۔ غسل نماز کے لئے ضروری ہے، سحری کھانے کے لئے ضروری نہیں۔

روزہ دار مسواک کر سکتا ہے

حدیث میں ہے۔ عن عامر بن ربیعۃ قال رأیت النبیؐ یستاک وھو صائم مالا احصی ولا اعد۔

عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول پاک کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے جس کا میں شمار نہیں کر سکتا۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن صبرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما۔

حضرت صبرہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کیا کرو مگر جب روزہ دار ہو۔ (تو مبالغہ نہ کیا کرو۔ پانی حلق میں اتر جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اگر پانی حلق میں اتر گیا تو روزہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے)

کیا روزہ دار اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور منتقی میں ہے:۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبّل بعض ازواجہ وھو صائم ثم ضحکت ام المومنین۔

(ترجمہ):۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم روزہ میں اپنی کسی بیوی کا بوسہ لے لیتے۔ پھر (یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس دیں)

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکتا ہو۔ جوان ہو۔ تو نہ بیوی کا بوسہ لے۔ اور نہ بدن سے بدن ملائے۔ اجتناب بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ ان رجلا سال النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن المباشرۃ للصائم فرخص لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واتاہ اٰخر فسالہ فنھاہ فاذالذی رخص لہ شیخ والذی نھاہ شابٌ۔ (ابوداؤد)

(ترجمہ):۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ روزہ دار کو مباشرت کرنا (مباشرت کہتے ہیں۔ عورت کے بدن سے بدن ملائے۔ اور صرف بغل گیر ہوتے کو) کیسا ہے؟ آپؐ نے اس کو اجازت دے دی۔ پھر دوسرا شخص آیا۔ اس نے بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس کو منع فرمایا۔ کیونکہ وہ جوان تھا۔

روزہ دار اگر بھول کر کھا پی لے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے (بحالت روزہ) بھولے سے کھا پی لیا۔ وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کو کھلایا پلایا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نہ بھول کر کھانے پینے سے گناہ لازم آتا ہے۔

اگر بحالتِ روزہ احتلام ہو جائے

سنن ابی داؤد میں ہے:۔ عن رجل من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم

لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم۔

(ترجمہ):۔ رسول پاکؐ کے اصحاب میں سے ایک صحابی روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو خود بخود قے ہو جائے یا سوتے وقت احتلام ہو جائے یا پچھنے لگائے۔ تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۱) پچھنے لگانے سے (۲) بلا ارادہ قے آنے سے (۳) احتلام ہو جانے سے۔

اگر روزہ دار قصداً قے کرے

سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ذرعتہ القئ وھو صائم فلیس علیہ قضاء وان استقاء فلیقض۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر روزہ کی حالت میں قے غلبہ کرے۔ اس پر روزہ کی قضا نہیں (یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) جس نے از خود قے کی۔ اس پر قضا ہے۔ یعنی اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اسے روزہ کی قضا کرنی چاہیئے۔

روزہ دار کیلئے گرمی کا علاج

موطا اور ابوداؤد میں ہے۔ عن بعض اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم قد رأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علی رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر۔

آنحضرتؐ کے بعض صحابہ میں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج (ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) میں دیکھا کہ آپ گرمی اور پیاس رفع کرنے کیلئے سر پر پانی ڈال رہے ہیں۔

روزہ دار کسی کو گالیاں نہ دے

بخاری، مسلم، موطا، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔

عن ابی هریرة ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال الصیام جنة اذا كان احدكم صائمًا فلا یرفث ولا یجهل فان امرؤ قاتله او شتمه فلیقل انی صائم۔

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو۔ تو اس کو چاہیے کہ وہ بیہودہ نہ بکے نہ گالیاں دے۔ اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا گالیاں دے۔ تو کہہ دے انی صائمٌ دو کہ روزہ دار ہوں۔

روزہ رمضان کا کفارہ

بخاری، مسلم، موطا، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان میں (یعنی روزہ کی حالت میں) اپنی بیوی سے جماع کیا ہے آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی غلام ہے کہ اسے آزاد کردے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تو دو ماہ کے روزے متواتر رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا مجھ میں اتنی طاقت نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جا۔ اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا۔ جس میں بہت سی کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لے جاؤ اور غربا کو کھلا دو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت اطراف مدینہ میں مجھ سے زیادہ اور کوئی شخص محتاج نہیں ہے۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی۔ اور اتنا ہنسے کہ آپ کے دانتوں کی کچلیاں کھل گئیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا جب یہ حالت ہے۔ تو لے جاؤ اور اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ مرد اور عورت کے لئے ایک ہی کفارہ دینا کافی ہے۔ یہ نہیں کہ عورت کے لئے علیحدہ کفارہ ہو۔ نیز جب عمداً روزہ توڑا جائے۔ تو ان تینوں کفاروں میں سے جو کفارہ بھی ادا کرسکے، اور جس کی طاقت رکھتا ہو وہ ادا کرے۔

روزہ کس وقت افطار کرنا چاہیئے

بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے:۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ھٰھنا وادبر النہار من ھٰھنا وغابت الشمس فقد افطر الصائم۔

ترجمہ، حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب (مشرق کی طرف سے) رات (کی سیاہی) نظر آجائے۔ اور دن (پچھم کی طرف) جائے، اور سورج ڈوب جائے تو روزہ کھول دو۔

بخاری، مسلم، ترمذی، موطا امام مالک ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔

روزہ جلد افطار کرنا چاہیے۔

عن سہل بن سعد قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر

ترجمہ، حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ جب افطار میں جلدی کریں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول پاکؐ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہمیشہ دین غالب رہے گا۔ جب تک لوگ روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے کیونکہ یہود اور نصاریٰ روزہ افطار کرتے ہیں دیر کیا کرتے ہیں۔

روزہ دار کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت رد نہیں ہوتی۔

افطار کی دعا۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا افطر قال ذَھَبَ الظَّمأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللہُ تعالٰی۔

ترجمہ، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے ذھب الظما وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ تعالےٰ۔

(یعنی پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور اگر اللہ نے چاہا تو ثواب بھی ثابت ہوگیا۔

ایک حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے:۔

اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت ۔

ترجمہ:۔ الٰہی میں نے تیرے لئے ہی روزہ رکھا۔ اور اب تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیئے

ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور ابوداؤد میں ہے:۔

عن سلیمان بن عامر قال رسول الله صلے الله علیہ وسلم اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمرة فان لم یجد فلیفطر علے الماء فانہ طھور ۔

ترجمہ:۔ حضرت سلیمان بن عامرؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے روزہ افطار کرے۔ تو کھجور سے کرے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سہی، وہ پاک کرنے والا ہے۔ دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا بھی جائز ہے۔ مگر امام الانبیاء نے تکلفات کرنے کی بجائے سادگی کو ترجیح دی ہے۔

جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے

ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دے۔ تو اس کو روزہ دار کے برابر ہی ثواب ملے گا۔ اور روزہ دار کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو روزہ افطار کرانے میں بہت ثواب ملتا ہے، اور صرف ثواب ہی نہیں۔ بلکہ محبت اور موانست بھی بڑھتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس امر پہ زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔

سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس روزہ افطار کیا تو فرمایا۔ الابرار افطر عندکم الصائمون واکل

طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکۃ۔

ترجمہ: تمہارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا۔ اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعا کی۔

جب غلطی سے افطار ہو جائے سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں ہے:۔ عن اسماء بنت ابی بکر قالت افطرنا یوما فی رمضان فی غیم فی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم طلعت الشمس قال ابو اسامۃ قلت لھشام امروا بالقضاء قال ولابد من ذلک۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ رمضان میں ہم نے ایک دن بدلی اور ابر میں رسول پاکؐ کے عہد مبارک میں افطار کیا۔ پھر سورج نکل آیا۔ ابو اسامہ نے کہا: میں نے ہشام سے کہا، پھر قضاء کا حکم ہوا ہوگا۔ انہوں نے کہا قضاء تو ضروری ہے۔

سفر میں روزہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک اور دارمی میں ہے۔ عن عائشۃ قال ان حمزۃ بن عمرو الاسلمی قال للنبی صلے اللہ علیہ وسلم اصوم فی السفر وکان کثیر الصیام فقال ان شئت فافطر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ کیونکہ وہ بہت روزے رکھا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ چاہے رکھو۔ چاہے نہ رکھو۔ (تجھے اختیار ہے)۔

بے روزے کیلئے وعید جامع ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من افطر یوما من رمضان من غیر رخصۃ رخصہا اللہ لہ لم یقض عنہ صیام الدھر۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رمضان کا ایک روزہ بغیر عذر شرعی چھوڑ دے۔ (جیسے بیماری یا سفر) تو ساری عمر کے

روزے اس کو پورا نہ کر سکیں گے۔ یعنی اگر قیامت تک بھی روزے رکھے گا۔ تو وہ ثواب جو رمضان کے ماہ میں ایک روزہ کا ہے نہیں ملے گا۔

اس وعید سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ جو بلا وجہ اور بلا عذر روزہ نہیں رکھتے اور تارک صوم ہو کر مجرم بنتے ہیں۔

رویت ہلال شہادت پر سنن ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے۔ ابو عمیرؓ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی، میرے چچاؤں نے انصار میں سے جو آنحضرتؐ کے صحابی تھے کہ شوال کا چاند بوجہ ابر چھپ گیا۔ تو اس کی صبح کو ہم نے روزہ رکھا۔ پھر آخیر دن میں چند سوار آئے، انہوں نے گواہی دی کہ کل ہم نے چاند دیکھا تھا۔ یہ سنکر آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر ڈالیں۔ (کیونکہ وہ عید کا دن تھا) اور دوسرے دن عید کو جائیں (یعنی دوسرے دن عید کی نماز پڑھ لیں)

قضا روزوں کا حکم بخاری، مسلم، موطا امام مالک، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے:۔ عن عائشۃ تقول ان کان لیکون علی الصیام من شهر رمضان فما اقضیه حتی یجیئ شعبان۔

(ترجمہ) :۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتی تھیں۔ کہ مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا ہوتی تھی۔ میں اس کو نہ رکھتی یہاں تک کہ (دوسرے سال کا) شعبان آ جاتا اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر شعبان میں روزہ رکھا کرتے۔ نیز اس سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ قضا شدہ روزے سال کے اندر اندر رکھے جا سکتے ہیں۔

میت کے روزوں کا حکم جامع ترمذی، اور ابن ماجہ میں ہے:۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین۔

(ترجمہ) :۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو شخص مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے (باقی ہوں) تو ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(یہ فوت شدہ مرد یا عورت کی طرف سے کفارہ کی صورت ہے)

بیمار کے روزوں کا حکم

قرآن مجید میں ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

(ترجمہ):۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اترا۔ جو لوگوں کو ہدایت کی راہ بتاتا ہے، اور اس میں کھلی کھلی ہدایت کی دلیلیں ہیں۔ اور حق سے پہچاننے کا طریقہ ہے۔ پھر جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو وہ اس میں روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (قضا روزوں) کی گنتی کو پورا کرے۔ (یعنی رمضان گزرنے کے بعد بقایا روزے رکھے)

عورتوں کے مسائل

(i) روزہ دار عورت کو اگر حیض آئے۔ تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، روزہ پھر اسے رکھنا ہوگا۔ اس کا کفارہ نہیں پڑے گا۔

(ii) اگر کوئی عورت مرض استحاضہ (کثرت حیض) میں مبتلا ہو۔ تو اسے حیض کے گنتی کے دن پورے کر کے روزہ رکھ لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک بیماری ہے۔ جس میں نماز بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور حیض کے دنوں میں نماز بھی معاف ہے۔

(iii) جس عورت کے جتنے روزے ایام نفاس یا حیض میں رہ جائیں۔ وہ سال کے اندر اندر جب چاہے رکھ سکتی ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر ای العشرۃ الاخیرۃ من رمضان شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستعدی سے تیار ہو کر عبادت فرماتے اور اپنے گھر والوں کو عبادت کی

ترغیب فرماتے ۔

اعتکاف

(i) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ عزوجل واعتکف ازواجہ من بعدہ ۔

(ترجمہ) :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وفات تک رمضان کے آخری عشرہ میں معتکف ہوتے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج محترمات معتکف ہوتی رہیں۔ (عورتیں اپنے گھر میں اعتکاف کریں)

(ii) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلے الفجر ثم دخل معتکفہ ۔

(ترجمہ) :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اعتکاف کا ارادہ فرماتے۔ تو (۲۱ رمضان کی صبح کو) فجر کی نماز پڑھ کر معتکف میں داخل ہو جاتے۔

سوائے قضاء حاجت کے معتکف گھر نہیں جاسکتا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ان کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیدخل علی راسہ و ھو فی المسجد فارجلہ وکان لا یدخل البیت الا لحاجۃ اذا کان معتکفا ۔

(ترجمہ) :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز ہوتے۔ اور بحالت اعتکاف اپنا سر مبارک دھوتے کے لئے باہر نکال لیتے۔ اور میں سر مبارک دھو دیتی۔ اور گھر میں صرف انسانی ضروریات (قضائے حاجت) کے لئے تشریف لے جاتے۔

معتکف کیلئے مزید ہدایات

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا السنۃ علے المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشہد جنازۃ ولا یمس امرأۃ ولا یباشرھا، ولا یخرج لحاجۃ الا لما لا بد لہ منہ ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ معتکف نہ مریض کی عیادت کرے۔ نہ جنازے میں شرکت کرے۔ اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے۔ نہ عورت سے مباشرت (معانقہ وغیرہ) کرے۔ اور نہ سوائے قضا حاجت کے کسی دوسری ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلے۔ نیز بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا۔ اعتکاف جامع مسجد

لیلۃ القدر کی فضیلت

قرآن مجید میں ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

(ترجمہ) ہم نے اس قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں اتارا۔ (اور وہ رات کیسی ہے) وہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

لیلۃ القدر ۲۷ رمضان کو ہوتی ہے

سنن ابی داؤد میں ہے :۔ عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر لیلۃ سبع وعشرین۔

(ترجمہ) حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ لیلۃ القدر ۲۷ رمضان کو ہے۔

لیلۃ القدر میں دعا

مسند امام احمد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قلت یارسول اللہ ارأیت ان علمت ای لیلۃ القدر ما اقول فیہا قال قولی اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

(ترجمہ) :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر میں لیلۃ القدر پاؤں۔ تو اس میں کیا دعا کروں۔ آپؐ نے فرمایا یہ دعا۔ اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔ (اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے۔ مجھے معاف فرما)

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیر پوری، مدیر ہفت روزہ "اہلحدیث" و ناظم شعبہ نشر و تالیف مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان

تین رکعت وتر، ایک تشہد سے

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کے دوسرے عشرہ میں محترم مولانا عبد الغنی صاحب امرتسری نے مجھے ایک مختصر سی تحریر دی، اور اس کا جواب لکھنے کے لئے کہا جو انہی دنوں لکھ دیا گیا تھا۔ یہ تحریر ہمارے شہر کے ایک فاضل اہل علم کی ہے جو انہوں نے کالج کے بعض طلبہ کے استفسار پر تحریر فرمائی تھی۔ چونکہ محترم موصوف نے اس پر دستخط نہیں فرمائے۔ اس لئے ہم نے جوابی گذارشات پر انہیں براہِ راست خطاب نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس وقت ان کے اسم گرامی کا اظہار مناسب سمجھتے ہیں۔

میرا یہ جوابی مضمون مولانا عبد الغنی صاحب نے رمضان المبارک میں ہی ان طلباء کے ذریعے مولانا موصوف کو بھیج دیا تھا۔ جنہوں نے یہ تحریر مولانا کی وساطت سے میرے پاس بھیجی تھی۔ تاحال مولانا محترم نے میری تحریر پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ یہ تحریر اور اس پر اپنی گذارشات افادۂ عام کے لئے "الاعتصام" کے ذریعہ ہدیۂ شائقین کر دوں۔

وما توفیقی الا باللہ (حافظ کمیر پوری)

مصنف ابن ابی شیبہ صہ ۲۸۳/۲ از آثار السنن[1] صہ ۱۲/۲ میں ہے:۔

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال الوتر ثلث کوتر النہار صلوٰۃ المغرب

[1] آثار السنن علامہ نیموی دیوبندی کی تصنیف ہے، ۱۲۔

اسنادہ صحیح وعن ابی خالدۃ قال سالت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم او علمونا ان الوتر مثل الصلوۃ المغرب غیر انا نقرأ فی الثالثۃ فھذا وتر اللیل وھذا وتر النہار و اسنادہ صحیح (آثار ص۱۲ ج۲)

اور جن روایتوں میں لا یقعد الا فی آخرھن آیا ہے۔ اس میں ابان العطاء کی خطا ہے۔ (ہامش نصب الرایہ ص۲ج۱) ابان کے سوا دوسرے تمام اس کے ساتھی یہ لفظ بیان نہیں کرتے وہ سب کے سب لا یسلم الا فی آخرھن کا لفظ بیان کرتے ہیں۔ پس ابان اس لفظ لا یقعد میں منفرد ہے۔ پھر اس سے روایت کرنے والا راوی بھی منفرد ہے، باقی عیسیٰ بن یونس۔ یزید بن زریع۔ ابو بدر بن شجاع بن الولید۔ اور معظم بن مقدام اور عبد الوہاب بن عطاء جو ابان سے زیادہ پکے راوی ہیں، وہ سب لا یسلم الا فی آخرھن کہتے ہیں۔

(۲)۔ نیز مستدرک کے دو نسخے ہیں۔ ایک ہیں جہاں سے ابن حجر نے فتح الباری اور بیہقی نے نقل کیا ہے لا یقعد کا لفظ ابان کی حدیث میں ہے۔

اور دوسرے نسخے میں جنہیں ابن حجر نے درایہ میں اور عینی نے بنایہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے، اور مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواھر المنیفہ اور زیلعی نے نصب الرایہ میں نقل کیا ہے، وہاں ابان کی روایت میں بھی لا یقعد نہیں بلکہ لا یسلم ہے، تو معلوم ہوتا ہے، لا یقعد سہو راوی ہے اصل لا یسلم ہے، بہر حال جیسے مغرب کی نماز میں دو رکعت کے بعد بیٹھتے ہیں، اور سلام پھیرنے کے بغیر تیسری رکعت میں کھڑے ہونا یہی حکم ہے۔ فقط والسلام

جوابی گذارشات

نماز وتر کی تعداد اور اس کے پڑھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف احوال میں مختلف طریقوں سے وتر پڑھے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے ایک، تین، یا پانچ، سات۔ بلکہ اس

سے زائد بھی ثابت ہیں۔ اسی طرح وتر پڑھنے کے بھی کئی طریقے ثابت ہیں۔ یہ تمام تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اور صحابہ کرام تابعین عظام سے ان طریقوں پر عمل ثابت ہے۔ عامل بالحدیث ان طریقوں سے جیسے چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

لیکن مختلف اماموں کے مقلدین کے لئے بڑی الجھن ہے، وہ اسی طرح وتر پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں، جس طرح انہیں اپنے مذہبوں کی معرفت معلوم ہوا۔ حالانکہ ائمہ کرام کے دور میں نبی علیہ السلام سے ثابت تمام طریقوں کا علم حاصل ہونے میں اتنی آسانیاں نہ تھیں۔ جس قدر محدثین کی مساعی کی بدولت بعد کے ادوار میں میسر آگئیں۔

بنا بریں واقعہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب کو جس کیفیت کی روایت قابل اعتماد ذریعہ سے مل سکی۔ انہوں نے اسی پر عمل کیا، اور فتوے دے دیا۔ اور ان کے لئے مناسب بھی یہی تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور سنت کے متبع کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی ایک طریقہ پر محدود نہ رہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ تمام طریقوں کو صحیح اور جائز تصور کرے۔

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ اور وتر کی تعداد اور کیفیت کے متعلق کچھ باتیں تحریر کرتے ہیں۔ کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مختصر اور امام مروزیؒ کی مشہور کتاب قیام اللیل میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یوں بیان ہوا ہے۔ زعم النعمان ان الوتر ثلاث رکعات لا یجوز ان یزاد علی ذٰلک ولا ان ینقص منه فمن اوتر بواحدة فوترہ فاسد والواجب علیه ان یعید الوتر فیوتر بثلاث لا یسلم الا فی اٰخرهن فان سلم فی الرکعتین بطل وترہ وزعم انه لیس للمسافر ان یوتر علی دابة لکون الوتر عندہ فریضة (ص ۱۲۳۔ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۰ھ)

یعنی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ نہ اس سے زیادہ جائز ہیں۔ اور نہ ہی کم۔ جو شخص ایک وتر پڑھے۔ اس کا وتر فاسد اور باطل ہے، اور اس کو دوبارہ تین وتر پڑھنے واجب ہیں۔ اور سلام صرف آخری رکعت میں ہوگا۔ اور جس نے دو رکعت پر سلام

پھیر لیا تو اس کے وتر بھی باطل ہیں، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ بھی ہے۔ کہ مسافر گھوڑے وغیرہ پر وتر نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ وتر ان کے نزدیک فرض ہیں، اور فرض نماز سواری پر نہیں ہوتی"۔

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ وتر امام صاحب کے نزدیک فرض ہیں، اور ان کی تعداد بلا کم و کاست تین ہے، سلام صرف آخری رکعت میں کیا جائے، نیز وتر سواری پر جائز نہیں، ہماری نہایت ادب سے گذارش ہے۔ کہ امام صاحب کے یہ تمام دعوے حدیث کی روشنی میں صحیح نہیں۔

امر اول۔ یعنی وتر کی فرضیت کے متعلق تو ان کے دونوں بڑے شاگردوں (امام ابویوسف اور امام محمد) نے بھی ان سے اختلاف کیا۔ اور وتر کو سنت کہا ہے (دیکھئے ہدایہ وغیرہ) کیونکہ احادیث صحیحہ سے وتر کا فرض اور واجب ثابت کرنا مشکل ہے، اسی طرح ان کا دوسرا دعوے بھی حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ وتر کی تعداد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے تین سے کم یعنی ایک اور تین سے زیادہ یعنی پانچ سات وغیرہ بھی ثابت ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد، سنن نسائی۔ ابن ماجہ اور کتاب قیام اللیل میں حضرت ابوایوب صحابی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

الوتر حق على كل مسلم فمن شاء فليوتر بخمس ومن شاء فليوتر بثلاث ومن شاء فليوتر بواحدة۔

یعنی "وتر" مسلمان کے لئے ضروری ہیں۔ اور پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پانچ، تین یا ایک جو چاہے پڑھ لے"۔

اس مضمون کی متعدد حدیثیں۔ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ انہی روایات کے پیش نظر امام مروزی قیام اللیل صـ۱۲۱ پر فرماتے ہیں،۔

فالعمل عندنا بهذه الاخبار كلها جائز وانما اختلفت لان الصلوة بالليل تطوع وتر اوغير الوتر فكان النبي صلے الله عليه وسلم تختلف صلوته بالليل ووتره على ما ذكرنا يصلي احيانا هكذا واحيانا هكذا فكل ذلك جائز حسن۔

یعنی ہمارے نزدیک ان تمام روایات پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اختلاف کا سبب یہ ہے۔

کہ رات کی نماز وتر ہو یا غیر وتر سب نفل ہیں۔ اور حضور مختلف اوقات میں کم و بیش اور مختلف کیفیت سے پڑھتے تھے۔ اور یہ سب طریقے اور تعداد جائز اور درست ہیں۔

یہاں ایک لطیفہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ حضرت ابو ایوب والی حدیث میں وتر کو حق کہا گیا ہے۔ اس کی بنا پر حنفیہ اسے وتر کے وجوب کی دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ حق کا معنی ہرگز واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اسی حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ پانچ اور ایک وتر کا ذکر بھی ہے۔ لیکن حنفیہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ یعنی ایک غیر صریح لفظ کو دلیل بناتے ہیں۔ لیکن پوری طرح واضح اور صریح لفظ سے ثابت شدہ مسئلہ کے ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

سوئم۔ یعنی وتر پڑھنے کی کیفیت اور طریقہ کیا ہے؟

روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی کافی وسعت ہے، اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مختلف طریقوں سے وتر پڑھے ہیں۔ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین نے ان تمام طریقوں پر عمل کیا ہے، یہ کہنا کہ سلام صرف تیسری رکعت پر ہونا چاہئے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس کے برعکس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ دوسری رکعت پر قعدہ اور سلام کے بعد تیسری رکعت علیحدہ بھی پڑھی جا سکتی ہے، بلکہ متعدد اہل علم نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔

تین وتر ایک ساتھ پڑھنے کی صورت میں دوسری رکعت میں تشہد کیا جائے یا نہ؟ حنفیہ تشہد کے قائل ہیں۔ اور حنفی بزرگ کی جو تحریر مجھے دی گئی ہے۔ (یہ تحریر مضمون کے شروع میں درج کر دی گئی ہے) اسی مقصد اور اسی دعوے کے اثبات میں لکھی گئی ہے۔

صاحب تحریر نے اپنے اس دعویٰ پر جو عبارت بطور دلیل پیش کی ہے، وہ "مصنف ابن ابی شیبہ" اور کتاب "آثار السنن" سے نقل کی گئی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اس کا ترجمہ کیوں نہیں کیا گیا، حالانکہ ہمارے محترم بزرگ یہ تحریر ایک عام اردو خواں کو دے رہے ہیں۔ جو عربی عبارت سمجھنے سے یقیناً قاصر ہے۔

اس عبارت کے پہلے فقرہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح تین ہیں۔ اور دوسرے فقرے کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو العالیہ کسی صاحب ابو خالدہ کو کہتے ہیں کہ

ہیں صحابہ نے یہ بتایا کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ سوائے اس کے کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورت پڑھی جاتی ہے۔

بہتر یہ تھا کہ صاحبِ تحریر اپنے دعویٰ پر کسی معتبر کتاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحیح اور واضح فرمان پیش کرتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے جن دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں پہلی کتاب (مصنف ابن ابی شیبہ) کتبِ حدیث میں تیسرے طبقہ کی کتاب ہے، جس میں صحیح، ضعیف مرفوع۔ مرسل۔ منقطع۔ غریب۔ شاذ۔ منکر۔ خطاء۔ صواب۔ ثابت اور غیر ثابت ہر قسم کی روایات جمع کی گئی ہیں۔ تیسرے طبقہ کے محدثین کا کام صرف یہ تھا۔ کہ بلا چھان بین اور بغیر تحقیق و تنقید تمام روایات جمع کر دی جائیں۔ اور نقد و جرح کا کام بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا جائے۔ رہی کتاب آثار السنن۔ تو یہ ہمارے ہی زمانہ کے ایک حنفی عالم کی ہے۔ اہل علم کو چاہیئے۔ کہ اختلافی مسائل میں ان کتابوں کا حوالہ دیں۔ جو معتبر اور مسلمہ فریقین ہوں۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے۔ کہ مذکورہ دونوں عبارتیں بھی اپنے مفہوم میں واضح نہیں ہیں۔ پھر مدعا ثابت کرنے میں ذرہ بھر مفید نہیں۔ غالباً اسی لئے ان کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ آخر ان میں وہ کون سا لفظ ہے، جس کا ترجمہ یا مفہوم یہ ہو کہ وتروں کی دوسری رکعت میں قعدہ ضروری ہے۔

کیا یہ کہنا کہ وتر کی نماز مغرب کی طرح تین رکعت ہے، اس بات کا ہم معنیٰ ہے؟ کہ دوسری رکعت میں قعدہ ضرور کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے نامور حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "تعلیق الممجد" میں اسی مضمون کی ایک روایت (از ابن عمر) پر بحث کے دوران لکھا ہے، کہ اس کا تعلق وتر کی کیفیت سے نہیں۔ بلکہ وتر کی تعداد سے ہے؛ اور اس کا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ وتر مغرب کی طرح تین رکعت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود صاحب روایت حضرت ابن عمر وتروں کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھا کرتے تھے۔ ص ۱۴۷۔

اس کے برعکس ایک ثابت شدہ حدیث میں خاص وتروں کے متعلق رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے، کہ لا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب یعنی وتروں کی نماز مغرب کے مشابہ نہ کرو۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں:۔ کہ

اس روایت کے تمام راوی ثقہ یعنی معتبر ہیں۔ صاحب تحریر کی پیش کردہ عبارت کو اگر اس فرمانِ نبوی کی روشنی میں دیکھا جائے تو مطلب صاف ہے کہ وتر کی نماز ہے، تو مغرب کی طرح تین رکعت۔ لیکن اس میں درمیانی تشہد نہیں ہے۔ اس حدیث کی یہ توجیہہ مشہور صحابی حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی یہی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں ہکہ

الوتر کصلوٰۃ المغرب الا انہ لا تقعد فی الثانیۃ ۔

یعنی وتر اور مغرب میں یہ فرق ہے کہ وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ نہیں ہے (محلی ابن حزم صـ۲۵ ج ۳)

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الباری ج ۲ صـ۲۴۷ میں مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہی بات لکھی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعض روایات سے تین وتر کی کراہت معلوم ہوتی ہے، بلکہ صحیح روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ کا تین وتر پڑھنا زیادہ ثابت ہے، حافظ صاحب اس تعارض کا حل یوں فرماتے ہیں کہ تین وتر مغرب کی نماز کی طرح دو تشہد کے ساتھ درست نہیں لیکن دوسری رکعت پر سلام کے بعد تیسرا علیحدہ پڑھنا یا تینوں کو ایک تشہد کے ساتھ پڑھنا مسنون اور معمول ہے، اصل الفاظ یہ ہیں:۔ الجمع بین هذا وبين ماتقدم من النهى عن التشبه صلوٰة المغرب ان يحمل النهى على صلوٰة الثلاث بتشهدين ۔

صاحب تحریر کی پیش کردہ عبارت پر مختصر گفتگو کے بعد ہم ان کے اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو انہوں نے اس روایت پر کیا ہے، جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ قعدہ صرف وتروں کی آخری رکعت پہ کیا جائے۔ موصوف فرماتے ہیں:۔ کہ

"یہ الفاظ ابان راوی کی خطا ہیں۔ اور حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں، کہ سلام صرف آخری

رکعت پر پھیرا جائے۔ اس سے ہمارے محترم یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ دوسری رکعت میں قعدہ کیا جائے۔ حالانکہ معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس بات کی تائید کرے گا، کہ آخری رکعت میں سلام پھیرنے سے یہ مفہوم کیسے نکل آیا کہ دوسری رکعت میں قعدہ ضروری ہے پھر جہاں تک دوسری رکعت پر سلام پھیرنے کا۔ اور تیسری علیحدہ پڑھنے کا تعلق ہے، وہ نہ تو صرف ابن عمرؓ بلکہ آنحضرتؐ کے عمل سے بھی ثابت ہے، مشہور حنفی بزرگ علامہ لکھنوی امام طحاوی کے حوالہ سے یہ روایت لائے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو وتر پڑھنے کا یہی طریقہ بتایا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کی سنت ہے۔" (التعلیق الممجد ص ۱۴۵)

پھر جہاں تک دوسری رکعت میں قعدہ کا تعلق ہے۔ صاحبِ تحریر نے اس پر کوئی واضح بات نہیں کہی۔ صرف یہ بات کہ وتر مغرب کی طرح ہیں۔ اس مقصد کے لئے قطعاً ناکافی ہیں۔ رہی ان کی یہ بات کہ مستدرک حاکم کے نسخہ میں لا یقعد کی بجائے لا یسلم کے الفاظ ہیں۔ یعنی دوسری رکعت میں قعدہ کی نہیں، بلکہ سلام کی نفی کی گئی ہے، پھر ان کی فنِ رجال کی روشنی میں دوسری روایت کو ترجیح دینے کی کوشش۔ تو ہمارے خیال میں یہ تمام باتیں صاحبِ تحریر کے لئے چنداں مفید نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ دوسری رکعت میں سلام کی ممانعت ہے، حالانکہ متعدد روایات میں اس کے ثبوت موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم علامہ لکھنوی کے حوالہ سے ذکر کر آئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب اس مفہوم کے خلاف صریح روایات موجود ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عمرؓ والی روایت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ خود اپنے موطا میں لائے ہیں۔ تو پھر اس تکلف سے کیا فائدہ۔

آخر ایسی غیر واضح بات پر مسئلہ کی بنیاد ہی کیوں رکھی جائے۔ جو صریح روایات کے خلاف اور نتائج کے اعتبار سے ناقابلِ تسلیم ہو۔

اب رہا اہلحدیث کا عمل کہ وہ دوسری رکعت پر سلام پھیر کر تیسری الگ تو پڑھ لیتے ہیں لیکن ایک ساتھ تین پڑھنے کی صورت میں دوسری میں قعدہ نہیں کرتے۔ تو یہ اس لئے کہ اس صورت

یں وتر نماز مغرب کے مشابہ ہو جاتے ہیں ، جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ، بالفاظِ دیگر اہل حدیث کا معمول یہ ہے کہ وہ تین یا پانچ وتر ایک ساتھ پڑھنے کی صورت میں قعدہ اور سلام کرتے ہیں ۔ ان کے اس عمل کی بنیاد صحیحین کی ایک واضح حدیث اور غیر مبہم دلیل ہے ۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلے من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذالک بخمس لا یجلس الا فی اٰخرھا ۔

یعنی حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں ۔ کہ رسول اللہ ؐ رات کی نماز (جب) تیرہ رکعت پڑھتے تو اُن میں پانچ وتر ہوتے ، جن کی صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے ۔ سو جب پانچ وتر میں ایک ہی قعدہ مسنون ہے ، تو پھر تین میں درمیانی قعدہ کیوں ؟ ۔

واضح رہے کہ یہ حدیث متفق علیہ یعنی صحیح بخاری اور مسلم کی ہے ، جس کی سند پر کسی قسم کی جرح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ علاوہ ازیں کتبِ حدیث نسائی اور قیام اللیل وغیرہ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سات وتر پڑھنے کی صورت میں بھی آخری رکعت میں قعدہ فرماتے تھے ۔

پھر وہ حدیث بھی قابلِ غور ہے ، جس میں حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں ۔ کہ آنحضرت جب تین وتر پڑھتے تو صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے ۔ یہ حدیث مستدرک حاکم کی ہے ، اور صاحب تحریر کی فنی جرح کے باوجود دوسری صحیح روایات کے مطابق ہے ۔

اور سب سے آخر میں ہم حضرت ابو ہریرہ رض کی روایت سے آنحضرت ؐ کا وہ شاہی فرمان درج کرتے ہیں ۔ جس کا کچھ تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے ۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع ولا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب ، (دارقطنی بحوالہ نیل الاوطار)

"یعنی آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ تین وتر نہ پڑھو ۔ پانچ یا سات پڑھو ، اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو ۔"

ظاہر ہے کہ تین وتر کی ممانعت صرف مغرب سے مشابہت کے سبب ہے اور ویسے تو آنحضرت اور صحابہؓ کا تین رکعت پڑھنا بلا اختلاف ثابت ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو واجب ہی تین ہیں۔ نہ کم نہ زیادہ اور یہی مغرب سے مشابہت تو اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک یا پانچ یا سات پڑھے جائیں۔ یا دو پر سلام اور تیسرا جدا پڑھا جائے۔ یا تین اکٹھے پڑھے جائیں۔ لیکن قعدہ اور سلام صرف تیسرے میں کیا جائے

الحمدللہ اہل حدیث ان تمام صورتوں کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ کرام ان تینوں سے کسی بھی صورت کو جائز نہیں سمجھتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اہل حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ثابت شدہ فرمان کو مانتے ہیں۔ اور آپ کے صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرح ہر ثابت شدہ طریقہ پر وتر پڑھ لیتے ہیں۔ اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یقین رکھتے ہیں:۔ کہ

قد جعل اللہ فی الامر سعة وعلمنا النبی صلے اللہ علیہ وسلم الوتر علے ھیئات متعددة فلا ملجئ الی الوقوع فی مضیق التعارض (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بڑی وسعت فرمائی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول وعمل سے وتر پڑھنے کے کئی طریقے بتائے ہیں۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ احادیث کو باہم ٹکراتے اور وسعت کو تنگی میں بدلنے کی کوشش نہ کریں۔

اسی طرح اندلس کے محدث حافظ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب محلّی جلد ۳ صفحہ ۴۲ پر فرماتے ہیں:۔

ان الوتر وتھجد اللیل ینقسم الی ثلاثة عشر وجھا ایھا فعل اجزاہ۔

یعنی وتر اور تہجد پڑھنے کے تیرہ طریقے دلائل سے ثابت ہیں، جس طریقے سے ادا کر لئے جائیں ٹھیک ہیں۔

تاہم ہمارے (اہلحدیث کے نزدیک راجح یہ ہے کہ تین وتر ایک ساتھ پڑھے جائیں اور قعدہ صرف تیسری رکعت میں کیا جائے ہمارے علم وتحقیق میں تین وتر اکٹھے پڑھنے

کی صورت میں دوسری رکعت میں قعدہ کے متعلق کوئی ایسی مرفوع حدیث نہیں ہے جو سنداً صحیح اور دلالتاً صریح ہو۔

ضمناً یہ ذکر بھی آیا تھا کہ حنفیہ وتر کو فرض یا واجب سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں سواری پر وتر نہیں ہوتے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ ان کا یہ مسئلہ بھی حدیث کے خلاف ہے کہ کتب حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے سواری پر وتر پڑھے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد اپنے ،،موطا،، میں حضرت ابن عمر کی روائت لائے ہیں کہ وہ سواری پر وتر پڑھ لیتے تھے، مگر افسوس کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ (حنفیہ) سواری پر وتر پڑھنا پسند نہیں کرتے۔

دیکھئے موطا امام محمد ص ۱۴۴

اس کے برعکس جماعت اہل حدیث کا زریں اصول یہ ہے کہ

ع

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

فقط

حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب
کمیرپوری ۔ مدیر ہفت روزہ ا ہلحدیث

و ناظم شعبہ نشر و تالیف مرکزی
جمعیت اہلحدیث پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سحری، افطار کا دائمی نقشہ

اللہ رب العزت نے روزہ کے لئے قمری مہینہ (رمضان کو) منتخب فرمایا۔ جو گرما، سرما موسم میں آتا ہے، اور قمری حساب میں سحر و افطار کے اوقات کا دائمی نقشہ بنانا ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں سحری افطار کا نیا نقشہ بنانا پڑتا ہے۔

ہم نے اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے شمسی تقویم یعنی انگریزی مہینوں کے حساب سے پورے سال کا نقشہ تیار کر دیا ہے، جو بفضلہٖ تعالےٰ قیامت تک کام دیتا رہے گا۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس رسالہ کو حفاظت سے رکھیں، اور ہمیشہ ہمیشہ رمضان المبارک کا جونسا روزہ انگریزی ماہ کی جس تاریخ کو آئے اس تاریخ کے سامنے لکھا ہوا ٹائم دیکھیں، اور اس کے مطابق سحری افطار کا اہتمام کریں۔

ماسوا اس کے آپ مدۃ العمر جب بھی شوال۔ شبرات۔ عرفہ۔ عاشورہ وغیرہ کا نفلی روزہ رکھیں سحری افطار کے لئے اس نقشہ سے فائدہ اٹھائیں۔

تاہم سحری اس ٹائم سے پانچ سات منٹ پہلے ختم کر دی جائے۔ کیونکہ مسنون طریقہ یہی ہے، اور افطار میں احتیاطاً ایک آدھ منٹ مزید انتظار کر لیا جائے۔

دعا کا طالب:۔

حافظ کمیرپوری

جنوری					فروری				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۴۱	۵	۱۵	۵	۱	۳۷	۵	۴۲	۵
۲	۴۱	۵	۱۵	۵	۲	۳۶	۵	۴۳	۵
۳	۴۱	۵	۱۶	۵	۳	۳۶	۵	۴۴	۵
۴	۴۱	۵	۱۶	۵	۴	۳۵	۵	۴۴	۵
۵	۴۱	۵	۱۷	۵	۵	۳۵	۵	۴۵	۵
۶	۴۱	۵	۱۷	۵	۶	۳۴	۵	۴۶	۵
۷	۴۱	۵	۱۸	۵	۷	۳۴	۵	۴۷	۵
۸	۴۱	۵	۱۹	۵	۸	۳۳	۵	۴۸	۵
۹	۴۱	۵	۲۱	۵	۹	۳۳	۵	۴۹	۵
۱۰	۴۱	۵	۲۲	۵	۱۰	۳۲	۵	۴۹	۵
۱۱	۴۱	۵	۲۲	۵	۱۱	۳۲	۵	۵۰	۵
۱۲	۴۱	۵	۲۲	۵	۱۲	۳۱	۵	۵۱	۵
۱۳	۴۱	۵	۲۳	۵	۱۳	۳۱	۵	۵۲	۵
۱۴	۴۱	۵	۲۴	۵	۱۴	۳۰	۵	۵۳	۵
۱۵	۴۱	۵	۲۵	۵	۱۵	۲۹	۵	۵۴	۵
۱۶	۴۲	۵	۲۶	۵	۱۶	۲۸	۵	۵۵	۵
۱۷	۴۲	۵	۲۷	۵	۱۷	۲۷	۵	۵۵	۵
۱۸	۴۲	۵	۲۸	۵	۱۸	۲۶	۵	۵۶	۵
۱۹	۴۲	۵	۲۹	۵	۱۹	۲۶	۵	۵۷	۵
۲۰	۴۲	۵	۳۰	۵	۲۰	۲۵	۵	۵۸	۵
۲۱	۴۲	۵	۳۱	۵	۲۱	۲۴	۵	۵۹	۵
۲۲	۴۲	۵	۳۲	۵	۲۲	۲۳	۵	۰	۶
۲۳	۴۱	۵	۳۳	۵	۲۳	۲۲	۵	۰	۶
۲۴	۴۱	۵	۳۴	۵	۲۴	۲۱	۵	۱	۶
۲۵	۴۱	۵	۳۵	۵	۲۵	۲۰	۵	۲	۶
۲۶	۴۱	۵	۳۶	۵	۲۶	۱۵	۵	۲	۶
۲۷	۳۹	۵	۳۷	۵	۲۷	۱۷	۵	۳	۶
۲۸	۳۹	۵	۳۸	۵	۲۸	۱۶	۵	۴	۶
۲۹	۳۸	۵	۳۹	۵	۲۹	۱۶۰	۵	۴	۶
۳۰	۳۸	۵	۴۰	۵		×		×	
۳۱	۳۷	۵	۴۱	۵		×		×	

مارچ					اپریل				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۵	۱۵	۶	۵	۱	۴	۳۷	۶	۲۶
۲	۵	۱۴	۶	۵	۲	۴	۳۶	۶	۲۷
۳	۵	۱۳	۶	۶	۳	۴	۳۴	۶	۲۷
۴	۵	۱۲	۶	۷	۴	۴	۳۲	۶	۲۸
۵	۵	۱۱	۶	۷	۵	۴	۳۱	۶	۲۹
۶	۵	۱۰	۶	۸	۶	۴	۲۹	۶	۳۰
۷	۵	۹	۶	۹	۷	۴	۲۸	۶	۳۱
۸	۵	۸	۶	۱۰	۸	۴	۲۶	۶	۳۱
۹	۵	۷	۶	۱۱	۹	۴	۲۴	۶	۳۲
۱۰	۵	۵	۶	۱۲	۱۰	۴	۲۳	۶	۳۳
۱۱	۵	۴	۶	۱۲	۱۱	۴	۲۱	۶	۳۴
۱۲	۵	۳	۶	۱۳	۱۲	۴	۲۰	۶	۳۴
۱۳	۵	۲	۶	۱۴	۱۳	۴	۱۸	۶	۳۵
۱۴	۵	۱	۶	۱۵	۱۴	۴	۱۷	۶	۳۵
۱۵	۴	۵۹	۶	۱۵	۱۵	۴	۱۵	۶	۳۵
۱۶	۴	۵۸	۶	۱۶	۱۶	۴	۱۴	۶	۳۶
۱۷	۴	۵۷	۶	۱۷	۱۷	۴	۱۳	۶	۳۷
۱۸	۴	۵۶	۶	۱۷	۱۸	۴	۱۱	۶	۳۷
۱۹	۴	۵۵	۶	۱۸	۱۹	۴	۱۰	۶	۳۸
۲۰	۴	۵۳	۶	۱۹	۲۰	۴	۹	۶	۳۹
۲۱	۴	۵۲	۶	۱۹	۲۱	۴	۷	۶	۳۹
۲۲	۴	۵۱	۶	۲۰	۲۲	۴	۶	۶	۴۰
۲۳	۴	۴۹	۶	۲۱	۲۳	۴	۴	۶	۴۱
۲۴	۴	۴۸	۶	۲۱	۲۴	۴	۳	۶	۴۱
۲۵	۴	۴۶	۶	۲۲	۲۵	۴	۲	۶	۴۲
۲۶	۴	۴۵	۶	۲۲	۲۶	۴	۰	۶	۴۳
۲۷	۴	۴۴	۶	۲۳	۲۷	۳	۵۹	۶	۴۴
۲۸	۴	۴۳	۶	۲۴	۲۸	۳	۵۸	۶	۴۴
۲۹	۴	۴۱	۶	۲۵	۲۹	۳	۵۷	۶	۴۵
۳۰	۴	۴۰	۶	۲۵	۳۰	۳	۵۶	۶	۴۶
۳۱	۴	۳۸	۶	۲۶		×		×	

جولائی					اگست				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۲۷	۳	۱۶	۷	۱	۵۱	۳	۵	۷
۲	۲۸	۳	۱۶	۷	۲	۵۲	۳	۴	۷
۳	۲۸	۳	۱۶	۷	۳	۵۲	۳	۳	۷
۴	۲۹	۳	۱۶	۷	۴	۵۳	۳	۲	۷
۵	۲۹	۳	۱۶	۷	۵	۵۴	۳	۱	۷
۶	۳۰	۳	۱۶	۷	۶	۵۵	۳	۰	۷
۷	۳۱	۳	۱۶	۷	۷	۵۶	۳	۵۹	۶
۸	۳۲	۳	۱۶	۷	۸	۵۷	۳	۵۸	۶
۹	۳۲	۳	۱۵	۷	۹	۵۸	۳	۵۷	۶
۱۰	۳۳	۳	۱۵	۷	۱۰	۵۹	۳	۵۶	۶
۱۱	۳۳	۳	۱۵	۷	۱۱	۰	۴	۵۵	۶
۱۲	۳۴	۳	۱۵	۷	۱۲	۱	۴	۵۴	۶
۱۳	۳۵	۳	۱۵	۷	۱۳	۲	۴	۵۳	۶
۱۴	۳۶	۳	۱۴	۷	۱۴	۲	۴	۵۲	۶
۱۵	۳۷	۳	۱۴	۷	۱۵	۳	۴	۵۱	۶
۱۶	۳۷	۳	۱۴	۷	۱۶	۴	۴	۵۰	۶
۱۷	۳۸	۳	۱۴	۷	۱۷	۵	۴	۴۹	۶
۱۸	۳۹	۳	۱۳	۷	۱۸	۶	۴	۴۸	۶
۱۹	۴۰	۳	۱۳	۷	۱۹	۷	۴	۴۷	۶
۲۰	۴۰	۳	۱۲	۷	۲۰	۸	۴	۴۶	۶
۲۱	۴۱	۳	۱۲	۷	۲۱	۹	۴	۴۵	۶
۲۲	۴۱	۳	۱۱	۷	۲۲	۱۰	۴	۴۴	۶
۲۳	۴۲	۳	۱۱	۷	۲۳	۱۱	۴	۴۳	۶
۲۴	۴۳	۳	۱۰	۷	۲۴	۱۲	۴	۴۲	۶
۲۵	۴۴	۳	۱۰	۷	۲۵	۱۳	۴	۴۱	۶
۲۶	۴۵	۳	۹	۷	۲۶	۱۴	۴	۴۰	۶
۲۷	۴۶	۳	۸	۷	۲۷	۱۵	۴	۳۹	۶
۲۸	۴۷	۳	۷	۷	۲۸	۱۵	۴	۳۷	۶
۲۹	۴۸	۳	۷	۷	۲۹	۱۶	۴	۳۶	۶
۳۰	۴۹	۳	۶	۷	۳۰	۱۷	۴	۳۵	۶
۳۱	۵۰	۳	۵	۷	۳۱	۱۸	۴	۳۴	۶

مئی					جون				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۵۵	۳	۴۶	۶	۱	۲۶	۳	۷	۷
۲	۵۴	۳	۴۷	۶	۲	۲۶	۳	۸	۷
۳	۵۳	۳	۴۸	۶	۳	۲۵	۳	۸	۷
۴	۵۲	۳	۴۸	۶	۴	۲۵	۳	۸	۷
۵	۵۱	۳	۴۹	۶	۵	۲۵	۳	۹	۷
۶	۵۰	۳	۵۰	۶	۶	۲۵	۳	۹	۷
۷	۴۸	۳	۵۰	۶	۷	۲۵	۳	۱۰	۷
۸	۴۷	۳	۵۱	۶	۸	۲۵	۳	۱۰	۷
۹	۴۶	۳	۵۲	۶	۹	۲۵	۳	۱۱	۷
۱۰	۴۵	۳	۵۳	۶	۱۰	۲۴	۳	۱۱	۷
۱۱	۴۳	۳	۵۳	۶	۱۱	۲۴	۳	۱۱	۷
۱۲	۴۲	۳	۵۴	۶	۱۲	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۳	۴۱	۳	۵۵	۶	۱۳	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۴	۴۰	۳	۵۵	۶	۱۴	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۵	۳۹	۳	۵۶	۶	۱۵	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۶	۳۸	۳	۵۷	۶	۱۶	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۷	۳۸	۳	۵۷	۶	۱۷	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۸	۳۷	۳	۵۸	۶	۱۸	۲۴	۳	۱۴	۷
۱۹	۳۶	۳	۵۹	۶	۱۹	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۰	۳۵	۳	۵۹	۶	۲۰	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۱	۳۴	۳	۰	۷	۲۱	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۲	۳۳	۳	۱	۷	۲۲	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۳	۳۲	۳	۲	۷	۲۳	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۴	۳۲	۳	۲	۷	۲۴	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۵	۳۱	۳	۳	۷	۲۵	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۶	۳۰	۳	۴	۷	۲۶	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۷	۳۰	۳	۴	۷	۲۷	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۸	۲۹	۳	۵	۷	۲۸	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۹	۲۸	۳	۵	۷	۲۹	۲۶	۳	۱۶	۷
۳۰	۲۷	۳	۶	۷	۳۰	۲۶	۳	۱۶	۷
۳۱	۲۷	۳	۶	۷		×		×	

ستمبر					اکتوبر				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۱۹	۴	۳۴	۶	۱	۴۰	۴	۵۴	۵
۲	۲۰	۴	۳۲	۶	۲	۴۱	۴	۵۳	۵
۳	۲۰	۴	۳۱	۶	۳	۴۱	۴	۵۲	۵
۴	۲۱	۴	۳۰	۶	۴	۴۲	۴	۵۰	۵
۵	۲۲	۴	۲۸	۶	۵	۴۲	۴	۴۹	۵
۶	۲۳	۴	۲۷	۶	۶	۴۳	۴	۴۸	۵
۷	۲۳	۴	۲۵	۶	۷	۴۳	۴	۴۶	۵
۸	۲۴	۴	۲۴	۶	۸	۴۴	۴	۴۵	۵
۹	۲۵	۴	۲۳	۶	۹	۴۵	۴	۴۴	۵
۱۰	۲۶	۴	۲۱	۶	۱۰	۴۵	۴	۴۲	۵
۱۱	۲۷	۴	۲۰	۶	۱۱	۴۶	۴	۴۱	۵
۱۲	۲۸	۴	۱۹	۶	۱۲	۴۷	۴	۴۰	۵
۱۳	۲۸	۴	۱۸	۶	۱۳	۴۸	۴	۳۹	۵
۱۴	۲۹	۴	۱۶	۶	۱۴	۴۹	۴	۳۸	۵
۱۵	۲۹	۴	۱۵	۶	۱۵	۴۹	۴	۳۷	۵
۱۶	۳۰	۴	۱۳	۶	۱۶	۵۰	۴	۳۶	۵
۱۷	۳۱	۴	۱۲	۶	۱۷	۵۰	۴	۳۴	۵
۱۸	۳۱	۴	۱۱	۶	۱۸	۵۱	۴	۳۳	۵
۱۹	۳۲	۴	۱۰	۶	۱۹	۵۱	۴	۳۲	۵
۲۰	۳۳	۴	۹	۶	۲۰	۵۲	۴	۳۱	۵
۲۱	۳۴	۴	۷	۶	۲۱	۵۳	۴	۳۰	۵
۲۲	۳۵	۴	۶	۶	۲۲	۵۳	۴	۲۹	۵
۲۳	۳۵	۴	۴	۶	۲۳	۵۴	۴	۲۸	۵
۲۴	۳۶	۴	۳	۶	۲۴	۵۵	۴	۲۷	۵
۲۵	۳۶	۴	۲	۶	۲۵	۵۵	۴	۲۶	۵
۲۶	۳۷	۴	۰	۶	۲۶	۵۶	۴	۲۵	۵
۲۷	۳۸	۴	۵۹	۵	۲۷	۵۷	۴	۲۴	۵
۲۸	۳۸	۴	۵۸	۵	۲۸	۵۷	۴	۲۳	۵
۲۹	۳۹	۴	۵۶	۵	۲۹	۵۸	۴	۲۲	۵
۳۰	۳۹	۴	۵۵	۵	۳۰	۵۹	۴	۲۱	۵
	×		×		۳۱		۵	۲۰	۵

نومبر			دسمبر		
تاریخ	اختتام سحری	افطار	تاریخ	اختتام سحری	افطار
۱	۵ ۱	۵ ۱۹	۱	۵ ۲۳	۵ ۴
۲	۵ ۲	۵ ۱۹	۲	۵ ۲۴	۵ ۴
۳	۵ ۲	۵ ۱۸	۳	۵ ۲۵	۵ ۴
۴	۵ ۳	۵ ۱۷	۴	۵ ۲۵	۵ ۴
۵	۵ ۴	۵ ۱۶	۵	۵ ۲۶	۵ ۴
۶	۵ ۴	۵ ۱۵	۶	۵ ۲۷	۵ ۴
۷	۵ ۵	۵ ۱۵	۷	۵ ۲۷	۵ ۴
۸	۵ ۶	۵ ۱۴	۸	۵ ۲۸	۵ ۴
۹	۵ ۶	۵ ۱۴	۹	۵ ۲۹	۵ ۴
۱۰	۵ ۷	۵ ۱۳	۱۰	۵ ۲۹	۵ ۵
۱۱	۵ ۸	۵ ۱۲	۱۱	۵ ۳۰	۵ ۵
۱۲	۵ ۸	۵ ۱۱	۱۲	۵ ۳۰	۵ ۵
۱۳	۵ ۹	۵ ۱۰	۱۳	۵ ۳۱	۵ ۵
۱۴	۵ ۱۰	۵ ۱۰	۱۴	۵ ۳۲	۵ ۶
۱۵	۵ ۱۰	۵ ۹	۱۵	۵ ۳۲	۵ ۶
۱۶	۵ ۱۱	۵ ۹	۱۶	۵ ۳۳	۵ ۷
۱۷	۵ ۱۲	۵ ۸	۱۷	۵ ۳۴	۵ [illegible]
۱۸	۵ ۱۳	۵ ۸	۱۸	۵ ۳۴	۵ ۸
۱۹	۵ ۱۴	۵ ۷	۱۹	۵ ۳۵	۵ ۸
۲۰	۵ ۱۵	۵ ۷	۲۰	۵ ۳۶	۵ ۹
۲۱	۵ ۱۵	۵ ۷	۲۱	۵ ۳۶	۵ ۹
۲۲	۵ ۱۶	۵ ۶	۲۲	۵ ۳۷	۵ ۱۰
۲۳	۵ ۱۷	۵ ۶	۲۳	۵ ۳۸	۵ ۱۰
۲۴	۵ ۱۸	۵ ۵	۲۴	۵ ۳۸	۵ ۱۱
۲۵	۵ ۱۸	۵ ۵	۲۵	۵ ۳۹	۵ ۱۱
۲۶	۵ ۱۹	۵ ۵	۲۶	۵ ۳۹	۵ ۱۲
۲۷	۵ ۲۰	۵ ۴	۲۷	۵ ۳۹	۵ ۱۲
۲۸	۵ ۲۱	۵ ۴	۲۸	۵ ۴۰	۵ ۱۳
۲۹	۵ ۲۱	۵ ۴	۲۹	۵ ۴۰	۵ ۱۳
۳۰	۵ ۲۲	۵ ۴	۳۰	۵ ۴۰	۵ ۱۴
	×	×	۳۱	۵ ۴۱	۵ ۱۴

مختلف شہروں میں طلوع وغروب کا فرق

مرتب شدہ نقشہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف شہروں میں طلوع اور غروبِ آفتاب کا فرق درج کردیا جائے۔ تاکہ مختلف شہروں میں رہتے والے احباب یہ فرق بجمع تفریق کرلیں۔ کیونکہ نقشہ میں سرگودھا کے اوقات دیئے گئے ہیں۔

لاہور	۵ منٹ کم	کراچی	۲۲ منٹ جمع
شیخوپورہ	۴ " کم	میانوالی	۶ " جمع
لائلپور	۴ " جمع	ڈیرہ اسماعیل خاں	۱۰ " جمع
جھنگ	۳ " جمع	راولپنڈی	برابر
مظفرگڑھ	۵ " جمع	جہلم	۳ " کم
ملتان	۵ " جمع	گجرات	۷ " کم
ڈیرہ غازیخان	۴ " جمع	گوجرانوالہ	۴ " جمع
بہاولپور	۹ " جمع	سیالکوٹ	۷ " کم
ساہیوال	برابر		

روزہ اور اس کے متعلقات

حضرت العلامہ مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے اخبار گوہر بار میں عموماً سالانہ رمضان المبارک کے استقبال کے لئے خطبۂ مسنونہ درج فرمایا کرتے تھے، میں نے بھی مناسب جانا کہ کتاب الصیام فتاوی علمائے حدیث کی افتتاح اسی مبارک نامہ یعنی خطبہ سے کی جائے امید کہ ناظرین حضرت مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کریں گے، اور ناقل کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں بالخصوص ماہ مبارک میں شریک رکھیں گے فقط

خطبۂ رمضان

ناظرین اہل حدیث مسلمانوں کی ایک مستقل جماعت ہے، اس لئے ان کو ہر سال خطبۂ رمضان شریف بغرض اداء سنت سنایا جاتا ہے، نیز جو نئے افراد خریداروں میں داخل ہوتے ہیں ان کو بھی پہنچ جاتا ہے، خطبۂ مسنونہ یہ ہے۔

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی اٰخر یوم من شعبان فقال یا ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلۃ تطوعًا من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ

فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ وھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ وشھر المواساۃ وشھر یزاد فیہ رزق المؤمن من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینتقص من اجرہ شیء قلنا یا رسول اللہ لیس کلنا نجد ما نفطر بہ الصائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماءٍ ومن اشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربۃ لا یظمأ حتی یدخل الجنۃ وھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ و اٰخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر لہ واعتقہ من النار (مشکوٰۃ) ص۱۷۳ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

یعنی سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ہم کو سنایا۔ فرمایا اے لوگوں تم پر ایک بہت ہی عظیم الشان بابرکت مہینہ آیا ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں کی رات سے بھی افضل ہے، خدا نے اس مہینے میں روزے رکھنے فرض کیے ہیں اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے، جو کوئی اس مہینے میں نفل نیکی کا کام کرے، وہ ایسا ہو گا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض ادا کیا۔ اور جو اس مہینہ میں فریضہ ادا کرے وہ ایسا ہو گا کہ اور دنوں میں گویا اس نے ستر فریضے ادا کئے۔ وہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، وہ باہمی سلوک اور مروت کا مہینہ ہے، وہ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھ جاتا ہے (یعنی روزہ دار اس دنیا میں بھی خوب کھاتا ہے، اور قیامت کے روز بھی اس کی برکت سے خوب نعمتیں پائے گا)، جو کوئی اس مہینے میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہو گی۔ اور آگ سے نجات ملے گی، اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کے لئے بہت کچھ سامان چاہیئے، اس لئے ہم (صحابہ) نے عرض کی حضور ہم میں سے ہر ایک

مقدرت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کی افطاری کرا سکے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالےٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا جو روزہ دار کو دودھ کی تھوڑی لسی یا پانی پلا دے (کیونکہ خدا کے یہاں نیت کا اجر ہے) جو کوئی روزہ دار کو ٹھنڈا شربت پلائے یا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے خدا اس کو میرے حوض کوثر سے شربت پلائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ سارے محشر میں جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہ ماہ رمضان ایسا ہے کہ اس کا شروع حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ بخشش ہے، آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے، جو کوئی اس مہینے میں اپنے کارکن کے کام میں تخفیف کرے یعنی معمول سے کام کم کرائے خدا اس کو بخش دے گا، اور اس کو جہنم کے عذاب سے نجات دیگا۔

مدیر: خاکسار مدیر کی امید بے جا نہ ہوگی کہ ناظرین اہل حدیث افطار صیام کے وقت جملہ برادری ناظرین اہل حدیث کو عموماً اور خاکسار خادم مدیر کو خصوصاً ملحوظ رکھ کر حسن خاتمہ اور رفع ہم و غم کی دعا کریں۔ اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرۃ۔ ۵ / نومبر ۱۹۳۶ء

اللھم اغفر له وارحمه واکرم نزله ووسع مدخله وادخله الجنة الفردوس برحمتك یا ارحم الراحمین آمین۔ (راز)

روزہ کی حکمت

(از مولوی عبدالرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ کوٹ رادھا کشن ضلع لاہور)

الحمد للہ! جملہ اہل اسلام کو ماہ رمضان مبارک ہو۔ خاکسار جیسا ہیچمدان ماہ رمضان کی فضیلت کو لکھے تو کیا لکھے جب کہ اس بابرکت ماہ میں از روئے آیہ کریمہ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ فرقان حمید جیسی کتاب مبین کا نزول ہو۔ گویا اس پاک مہینے میں خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں پر اپنی برکات کبیرہ

اور انعامات کثیرہ کے باب کو وا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی جس قدر برکتیں اس کے بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔ اتنی کسی اور مہینے میں نازل نہیں ہوتیں، صوفیائے کرام نے ماہ رمضان کو تنویر القلب کے لئے مفید لکھا ہے کہ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں، اور نماز تزکیہ نفس کرتی ہے۔

الحمد للہ! اسلام نے ماہ رمضان کے اس عالمگیر فیض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسی ماہ میں روزوں کا انضباط کیا۔ جب کہ روزہ تمام عملیات کے ثوابات سے زیادہ ثواب رکھتا ہے، اور بلحاظ اپنی نوعیت کے جملہ عبادات الٰہیہ سے بے نظیر ہے، سچ تو یہ ہے کہ روزہ تزکیہ نفس کے حق میں اکسیر اور عذاب دوزخ سے نجات دلانے کے لئے ڈھال کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ' یعنی ماہ رمضان کے روزے انسان کے لئے عذاب دوزخ سے بچانے کے لئے تو ڈھال ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان روزہ رکھنے سے تمام قسم کے گناہوں سے مخلصی پالیتا ہے اگر روزہ کے حقیقی معنوں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین ہوجائے گی کہ روزہ انسان کو کسطرح تمام گناہوں سے پاک وصاف کردیتا ہے،

روزہ کو عربی زبان میں صوم کہتے ہیں، اور صوم کے معنے عربی لغت میں رکنے خاموش رہنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ وجہ یہ کہ صایم کو حالت صوم میں اکل و شرب اور جماع وغیرہ سے رکنا پڑتا ہے، اور گلہ وغیبت، واہیات وخرافات سے اور دیگر ہر قسم کے لاطائل امور سے اجتناب کرنا لازمی امر ہوتا ہے، ورنہ اس کا روزہ خدا کے ہاں کچھ حقیقت نہیں رکھتا بلندی کے معنے اس لئے کہ روزہ خدا کی بارگاہ میں تمام عبادتوں سے زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے، پس ثابت ہوا کہ روزہ دار کو روزہ کی مذکورہ بالا پابندیاں واقعی ایک زاہد دیار سا بنا دیتی ہے، اور یہ روزہ کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے روزہ کی علت غائی یوں بیان فرمائی۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ یعنی حکم ہوا تم پر روزہ کا جیسے کہ حکم تمام تم سے پہلی قوموں پر (بھی فرمایا) روزہ رکھنے کا امر اس لئے نازل ہوا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اللہ اکبر خداوند کریم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو محض متقی بنانے کی خاطر روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ القصہ روزہ ہمارے لئے بے شمار فوائد رکھتا ہے، جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے، لہٰذا ہم نہایت اختصار سے اس کی خوبیاں و حکمتیں ذیل میں لکھ کر دشمنانِ اسلام کو یہ دکھاتے ہیں کہ ہمارا اسلامی روزہ کتنی بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

(۱)۔۔انسانی فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ نفس ہمیشہ عقل کے ماتحت رہے، چونکہ روزہ میں نفس کی کسی خواہش کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس کی ہر تمنا کو دبانا روزہ دار کا فرض اوّلین ہوتا ہے، لہٰذا نفسِ امارہ عقل کی ماتحتی میں نجوشی کام کرنے لگ جاتا ہے۔

(۲)۔۔انسان احسان فراموش واقع ہوا ہے۔ ہم دن رات اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن شکر گذاری کا نام تک نہیں لیتے، اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی محبوب و مرغوب چیز کچھ عرصہ تک گم رہے تو اس کو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے، یہی حال روزہ دار کا ہے، سارا دن کھانا پینا متروک ہونے کی وجہ سے اس کو شام کے وقت قدر معلوم ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکر گذار رہتا ہے۔

(۳)۔۔چونکہ انسان کو روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس میں مساکین و فقراء کے ساتھ حقیقی مروّت و ہمدردی کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جن امراء نے کبھی بھوک پیاس دیکھی ہی نہیں وہ غرباء کے احوال سے کب آشنا ہو سکتے ہیں بقول حافظ ؒ ؎

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

(۴)۔۔عشق و محبت کے اس تقاضے کو ایک عاشق بخوبی جانتا ہے کہ جب یادِ معشوق اس کو بیقرار کر دیتی ہے، تو وہ کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے، دنیا کی دل کش سے دلکش چیزیں موجود ہوتی ہیں، مگر عاشق کا دل کسی کو بھی نہیں چاہتا۔ یہی حال روزہ میں روزہ دار کا ہے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی محبت اور جبروت و عظمت حضرت انسان کو اکل و شرب کا صحیح تارک بنا دیتی ہے، کیا اس سے زیادہ کوئی اور عشق و محبت ہو سکتی ہے، جب کہ حضرت

انسان محض اللہ تعالیٰ کیلئے ماہ رمضان کے آنے پر معاً ان نعمائے الٰہی کو ترک کر دیتا ہے جن کو کہ وہ اس سے پہلے دن رات کھانے پینے کا عادی تھا۔

(۵) علم النفس کے ماہرین اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قدرت نے انسان میں قوا اس ترکیب سے رکھے ہیں کہ ایک قوت کی مدد سے دوسری قوت تربیت پاتی ہے۔ اگر اس قدرا صول و قانون پر روزہ کی حقیقت کو دیکھا جائے تو روزہ میں سو بات کی ایک بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب حالت روزہ میں حکم اللہ کے مطابق حلال چیزوں کو چھوڑ دینے کی طاقت ترقی پا لیتی ہے، پھر اس کی مدد سے حرام اشیاء کو ترک کرنے کی قوت خود بخود ہی تربیت پا جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تو غیر ممکن ہے جو شخص خوف الٰہی سے حالت روزہ میں حلال اشیاء کو ترک کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ حرام چیزوں اور دیگر ہر قسم کے امور ممنوعہ کو نہ چھوڑے۔

(۶) چونکہ روح اور جسم میں ایک خاص تعلق ہے، اس لئے اطباء نے جہاں جسم کو سال میں ایک دفعہ مسہل دیا جانا ضروری خیال کیا ہے، وہاں طبیب حقیقی نے بھی روح کے لئے سال کے بعد ایک بار روزہ کا مسہل فرض کیا تاکہ مواد فاسدہ اور غلیظ خلطیں جمع ہو کر جسم و روح کو خراب نہ کریں۔

(۷) مخالفین اسلام اکثر اوقات یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان روزہ رکھ کر یوں ہی بھوکے پیاسے مرا کرتے ہیں۔ بھلا اس میں کیا فائدہ ہے، سو عرض ہے کہ بھوکا و پیاسا رہنا حضرت انسان کے لئے زحمت نہیں۔ بلکہ رحمت ہے، حکماء سے جا کر پوچھ لیجئے۔ کہ انسان کو کئی ایک بیماریاں ایسی لاحق ہوتی ہیں۔ جن کا علاج صرف بھوک پیاس ہی ہوتا ہے، اور بس۔

(۸) جس طرح جسمانی صحت کے لئے اطباء نے بھوک پیاس کو مفید خیال کیا ہے، ایسا ہی زاہدوں اور عابدوں نے بھوک کو تزکیہ نفس و صفائی قلب کے لئے اکسیر ثابت کیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

(الف) :- الجوع سید العمل یعنی بھوک تمام عملوں کی سردار ہے۔

(ب) :- الجوع مخ العبادة یعنی بھوک تمام عبادتوں کا مغز ہے۔

(ج) :- الجوع طعام الانبیاء یعنی بھوک نبیوں کی خوراک ہے۔

(د) :- طهروا قلوبکم بالجوع لتنظروا الی عظمة الله تعالیٰ۔۔ یعنی تم اپنے دلوں کو بھوک سے صاف کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو دیکھ سکو۔[1]

الغرض بھوک و پیاس تزکیۂ نفس کے لئے ایک کامل ذریعہ ہے، جس کا نبیوں کے علاوہ رشیوں اور ہمیتوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (۱۲ جون ۵۵ء) فتاویٰ ثنائیہ

سوال :- آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے بند ہو جاتے ہیں تو مبارک ماہ میں کافر و مشرک کو مرنے سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور فاسق و فاجر کو بھی عذاب قبر سے نجات ملتی ہے، یا نہیں؟ کیونکہ مسلم ایمان دار کے لئے تو ہر حال میں نجات کی صورت ہوتی ہے۔

جواب :- کافر ہو یا مشرک، مومن ہو یا فاسق بعد موت اعمال کے نتائج مرتب ہوں گے، نہ کہ رمضان کے دوزخ کے دروازہ بند ہونے سے کافر عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ خدا کے ہاں عذاب کئی ایک قسم کے ہیں۔ اعاذنا اللہ منها۔

(۱۷ شوال ۳۱ھ)

شرفیہ :- یہ بند و کشاد دوزخ و جنت صرف مومن صائم کے لئے ہے، نہ کہ کافر مشرک و نافرمان کے لئے۔ ورنہ شیطان بھی تو ہے۔ فافهم وتدبر۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی / فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۲۱۴)

---

[1] راقم مضمون نے ان روایات کو بغیر حوالہ ہی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد داؤد راز)

روزہ کی حالت میں مباشرت

سوال:۔ ایک شخص ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے، اگرچہ دخول تک نوبت نہیں پہنچتی۔ لیکن اُسی حالت میں ہی اُس کی منی خارج ہوجاتی ہے، کیا اُس سے روزہ میں کوئی نقص واقع ہوجاتا ہے؟

جواب:۔ اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں مباشرت کرنے سے انزال ہوجائے تو کفارہ پڑجاتا ہے، خواہ دخول تک نوبت نہ پہنچے۔ کیونکہ خواہش پوری ہوگی۔ کفارہ پے درپے دو ماہ کے روزے ہیں۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔

(۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ) (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵۸) | عبداللہ امرتسری روپڑی |

روزہ کی نیت

سوال:۔ آپ نے لکھا ہے کہ روزہ کی نیت جو آج کل رائج ہے، وہ بدعت ہے بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ۔ جو نیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ تحریر فرمادیں۔

فضل الدین ۔ محمد یعقوب چیچہ وطنی

جواب:۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان کا اقرار بھی ضروری ہے، جہاں جہاں آیا ہے۔ وہیں اقرار کرنا چاہیئے، وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ یہ لفظ حدیث اور کلام سلف میں نہیں آئے، اور افطاری کے وقت یہ لفظ آئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ۔

روزہ رکھنے کے وقت صرف سحری کھالینی۔ روزہ کی نیت کے لئے کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا اس کی ضرورت نہیں، اس طرح بعض اور احکام ہیں۔ مثلاً قربانی کرنے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَنِّيْ وَعَنْ فُلَانٍ ۔ کہہ دے تو یہ ثابت ہے جس کی طرف سے قربانی کرنی ہو، اس کا نام لے دے۔ ایسے ہی حج کسی کی طرف سے کرنا ہو تو کہہ سکتا ہے۔ لَبَّيْكَ

عَنْ فُلَانٍ ۔

خلاصہ:۔ یہ کہ شریعت کے دائرے کے اندر رہنا چاہیئے ۔

جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا اس میں خیر ہے ۔

(۱۵ رمضان ۱۳۸۳ھ) (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵۳) عبداللہ امرتسری روپڑی

روزہ کی حالت میں حیض کا آنا

سوال:۔ ایک عورت نے روزہ رکھا ہوا ہے صرف دن غروب ہونے میں دس منٹ باقی ہیں یا اس سے بھی کم وقت ہے ۔ اور اس کو حیض آجاتا ہے ۔ کیا وہ اس وقت اپنا روزہ افطار کرے یا دس منٹ یا کم و بیش انتظار کر کے بعد کھولے اور یہ روزہ اس عورت کا شمار ہوگا یا نہیں ؟ ۔

جواب:۔ اس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے ۔ باقی کھانے پینے میں اس کو اختیار ہے ۔ جس طرح چاہیے کرے ۔ جب روزہ ٹوٹ چکا ہے تو قضا ضروری ہے ۔ یہاں منٹوں کا کوئی حساب نہیں ۔ حیض روزے کی ضد ہے ، دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۶۳) عبداللہ امرتسری روپڑی

بحالت روزہ رفیقہ حیات کا بوسہ

سوال:۔ کیا بیوی سے بوس و کنار ہونے سے روزہ میں نقص پڑ جاتا ہے ؟

جواب:۔ حدیث میں ہے ۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ بوسہ لیا کرتے تھے ۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بیوی سے بوس و کنار ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ مگر جوان آدمی کو اس سے احتیاط کرنی چاہیئے ۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۷ عبداللہ امرتسری روپڑی)

توضیح :۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

قضا شدہ روزے نابالغ سے رکھوانا

سوال :۔ ایک مرد یا عورت کے روزے کسی مجبوری کی وجہ سے رہ چکے ہیں تو کیا وہ نابالغ لڑکی یا لڑکے سے قضا شدہ روزے رکھوا سکتے ہیں؟۔

جواب :۔ روزے قضا شدہ نہیں رکھوا سکتے۔ کیونکہ نابالغ کا روزہ نفل ہے نفل بعینہ فرض نہیں بنتا۔ مثلاً ماہ رمضان میں کوئی عمرہ کرے تو اس کو حج کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن حج فرض کے قائم مقام عمرہ نہیں ہو سکتا۔ حج اس کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی　　(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۹)

شریعت کی توہین ہے، ناقوس نصاریٰ سے مشابہت ہے، نیز نقارہ ڈھول کی قسم ہے، جو منع ہے، رہا الارم تو کلاک کی آواز اور الارم ایک ہی ہے، نہ تو یہ اذان کے وقت ہے۔ نہ یہ اذان کی طرح جماعتی اعلان ہے، بلکہ انفرادی طور پر ایک شئے کا استعمال ہے، تو یہ ایسا ہے، جیسے عام طور پر گھڑی رکھتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی مال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹) (۱۲ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۵۷ء) (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۵۰۶)

حیض کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال :۔ ایام حیض کے قضا شدہ روزے کی قضائی کیا عید کے بعد متصل دے یا سال بھر کے اندر اندر جب چاہیے قضائی دے سکتی ہے؟۔

جواب :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماہ شعبان میں قضائی دیا کرتی۔ اس سے معلوم ہوا

کہ عورت دیر سے بھی قضائی دے سکتی ہے، اور جتنی جلدی دی جائے بہتر ہے، کیونکہ خطرہ ہے کہ موت آجائے، اور روزے ذمہ رہ جائیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۵۶۴)

عبد اللہ امرتسری روپڑی

توضیح:۔ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

حاملہ اور مرضعہ کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال:۔ حاملہ یا مرضعہ عورت کے روزے قضا ہو چکے ہیں۔ اور وہ بوجہ غفلت اپنے قضا شدہ روزے نہ رکھ سکی ہو تو کیا وہ اب جو تین سال کے روزے یعنی تین سال گزر جانے کے بعد اب وہ اپنے قضا شدہ روزوں کے دانے یا ایک ماہ کا حساب کر کے پیسے دے دے یا کہ وہ روزے ہی رکھے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کا لفظ ہے۔ یعنی فدیہ ایک مسکین کا ہے ہر روزے کے بدلہ میں اکٹھا دے یا روزانہ دے۔ اس کی تشریح نہیں۔ دونوں صورتیں درست ہیں۔ اور جب اکٹھے دے۔ خواہ دانے دے یا پیسے دے۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔ یہ آیت مرضعہ اور حاملہ کو اس صورت میں شامل ہے، جب عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے معنی يطوقونه کے کئے جائیں۔ یعنی جن کے لئے روزہ رکھنا گلے کا طوق اور مصیبت ہے، اور احادیث سے بھی حاملہ اور مرضعہ کے لئے فدیہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر تھوڑے تھوڑے کر کے روزے رکھ سکتی ہے، تو بہتر روزے ہی ہیں۔ ورنہ فدیہ بھی کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ زیادہ تعداد روزوں کی اکٹھی ہو جائے۔ تو یہ عام طور پر اتنے روزوں کی قضائی مشکل ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۴)

سوال:۔ سال تمام میں حرام روزے کتنے اور کون سے ہیں؟۔

جواب:۔ دونوں عیدوں کے روزے حرام ہیں۔ (۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ)

شرفیہ:۔ ایام تشریق میں بھی روزہ رکھنا منع ہے، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ایام التشریق ایام اکل وشرب وذکر اللہ عزوجل، رواہ مسلم۔

یعنی ایام تشریق ذی الحجہ کی ۱۱-۱۲-۱۳ تواریخ کھانے پینے اور یاد الٰہی کے دن ہیں۔

(ابوسعید شرف الدین) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ۲۱۳)

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ روزہ دار اگر بطور علاج دوائی کا ٹیکہ لگوائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوائی کا دخول براہ ذہن معدہ میں نہیں ہے، اور اگر اسی طرح تمباکو منہ میں رکھا جائے اور اس کا رس باہر تھوک دیا جائے تو پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ جس طرح دوائی کے کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوتا ہے، اسی طرح ٹیکہ سے بھی فاسد ہو جاتا ہے، دونوں میں سے کون حق پر ہے؟۔ (فقیر محمد اشرف از قلعہ میہان سنگھ)

جواب:۔ صورت مرقومہ میں تمباکو سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، ٹیکہ سے نہیں۔ کیونکہ تمباکو کا اثر تھوک کے ذریعے بے خبری میں معدہ میں ضرور جاتا ہے۔ جس کو انسان روک نہیں سکتا واللہ اعلم۔ (اہلحدیث۔ ۲ شوال ۱۳۶۵ھ)

توضیح:۔ بحالت روزہ ٹیکہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ غذا بنتا ہے۔ (راقم علی محمد سعیدی)

سوال:۔ روزہ دار بدن کو تیل یا آنکھ میں سُرمہ اور دوائی لگائے تو روزے میں تو کوئی نقص نہیں آتا؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ تیل وغیرہ بے شک اس سے کوئی حرج نہیں۔ کھانا پینا اور جماع منع ہے، اللہ اعلم

(۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ۱۱)

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنی عورت سے روزہ کی حالت میں مباشرت کرتا ہوا محتلم ہو گیا،

تو اس کا روزہ رہا یا نہیں ؟۔

جواب :۔ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بدلے میں ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اللہ اعلم۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ) (اہلحدیث ۲۷ صفر ۱۳۶۵ھ)

سوال :۔ رمضان شریف کے مہینے میں بیوی کے پاس جاوے یا نہیں ؟۔

جواب :۔ رمضان شریف میں عورت سے ملنے کی اجازت قرآن شریف میں ہے أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ (رمضان کی راتوں میں تمہارے لئے عورتوں کے پاس جانا حلال کیا گیا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ) (۲۷ جنوری ۱۹۲۳ء)

سوال :۔ زید اپنی بیوی سے شب کو صحبت کرتا ہے، اور سحری کھا کر روزہ رکھ لیتا ہے، اور غسل نہیں کرتا۔ اور نہ نماز فجر میں شرکت کرتا ہے، سحری کھا کر سو جاتا ہے، کیا اس کا روزہ ہوا یا نہیں ؟ (راقم عبداللہ)

جواب :۔ ایسا کرنے سے زید گنہگار ہے، لیکن روزہ ہو جائے گا۔ (۱۳ شوال ۱۳۴۴ھ)
(فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ)

سوال :۔ ایک لڑکا ۱۴ برس کا مس پر ایک ماہ کا روزہ باقی تھا انتقال کر گیا، اب کیا کیا جاوے ؟۔

جواب :۔ لڑکا اگر بیماری ہی میں مر گیا ہے، تو روزے معاف ہیں، اگر اچھا ہو کر اس نے روزے نہیں رکھے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلادیں فدیۃ طعام مسکین۔ حالت شیر خوارانی میں بھی روزہ رکھنے کا حکم نہیں بعد فراغت روزہ رکھے، اگر بوجہ ضعف نہ رکھ سکے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ)

(حاشیہ: رجب، مالک، کان، ضا)

تشریفیہ :۔ یہ صحیح نہیں ہے، بعد صحت روزے ہی رکھنے ہوں گے، اور اگر قبل صحت مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق علیہ۔ اور ضعف کے باعث فدیہ

کی دلیل بھی معلوم نہیں۔ہاں اس کے مرنے کے بعد ولی کو کھانا کھلانے کی ایک روایت ہے ' مگر وہ بھی مرفوع صحیح نہیں موقوف ہے ، عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام شھر رمضان فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین رواہ الترمذی وقال والصحیح انه موقوف علی ابن عمر انتہیٰ مشکوٰۃ ص ۱۷۸ جلد ۱۔

(ابو سعید شرف الدین)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۲۱۴)

سوال :۔ ایک شخص بہت بوڑھا ضعیف ہے ، روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں ، اور مفلس بھی بیحد ہے فدیہ دینے کی بھی طاقت نہیں کیا ایسے شخص پر روزہ اور فدیہ معاف ہے ؟۔

جواب :۔ (از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری) بہت بوڑھا شخص غیر متحمل نادار مفلس محض پر ، روزہ بھی فرض نہیں ، اور کفارہ بھی نہیں آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کی دلیل ہے ، اصاب من اجاب۔ (خاکسار شریف احمد حسین پوری)

الجواب صحیح ، کتبہ محمد عبداللہ غازی پوری۔

الجواب صحیح ، عبدالجبار عمر پوری۔

جواب صحیح ہے۔ عاجز محمد مسلم عفی عنہ امیر بھٹی (۳۱ مئی ۱۹۱۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۲۱۴)

سوال :۔ بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں کیا رمضان کے روزے کی قضا لازم ہے یا فدیہ ادا کرنے سے فرض کی ادائی ہو سکتی ہے ؟۔ اگر دوسرے رمضان تک روزے کی قضا کر ہی نہ کر سکے بوجہ کمزوری بچہ یا اندیشہ علالت تو ایسی صورت میں فدیہ ہو سکتا ہے ، جو ہو سکتا ہے تو اس کی مقدار کیا ہو گی ؟۔

جواب :۔ مرضعہ کو ضعف شدید ہو۔ مقوی غذائیں کھانے سے بھی جس کی تلافی نہ ہو سکے تو روزہ ملتوی کر دے۔ اگر بچہ شیر گائے پی سکے تو اس کا دودھ چھڑا دے۔ قال اللہ تعالیٰ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔

اگر وہ بہت کمزور ہے تو طعام مسکین فدیہ دیدے. یعنی روزانہ ایک سائل کو کھانا کھلادے۔ پ ۲ ع ۱۴۔ (اہلحدیث ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۰۵)

سوال:۔ حاملہ یا مرضعہ روزہ ترک کردے (ترمذی) قضا کا ذکر نہیں وَالْعَافِيَةُ عَمَّنْ سَكَتَ نیز ذَرُونِي فِيمَا تَرَكْتُكُمْ زیر نظر رکھتے ہوئے جواب عطا فرمائیں (سائل مذکور)

جواب:۔ حاملہ اور مرضعہ بیمار کے حکم میں ہیں۔ اس لئے فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کا حکم ان کو بھی شامل ہے۔ (اہل حدیث ۳۰ رمضان ۱۳۶۳ھ)

تشریح:۔ دودھ پلانیوالی اور حمل والی عورت اگر روزہ نہ رکھ سکے تو وقت پر روزہ توڑ کر بعد کو قضا کریں۔ اس بارے میں بہت سے احادیث اور آثار وارد ہیں۔ ان میں سے کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن انس بن مالك الكعبي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوٰة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلى رواه ابوداؤد والترمذي والنسائي وابن ماجة۔ انس بن مالک الکعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز اٹھایا ہے اور روزہ مسافر اور دودھ پلانے والی اور حمل والی عورت سے اٹھایا۔

آیۃ کریمہ اور حدیث میں بالتصریح یہ بات ظاہر ہے کہ مسافر کو بعد مقیم ہوجانے کے روزہ قضا کرنا چاہیئے۔ اور جب مرضع کا عطف مسافر پر ہے، اور حبلی کا مرضع پر تب مرضعہ اور حاملہ کو بھی مسافر پر قیاس کیا جائے گا۔ موطا امام مالک میں حاملہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ قال مالك واهل العلم يرون عليها القضاء كما قال الله عزوجل فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ويرون ذلك مرضا من الامراض مع الخوف على ولدها۔ امام مالک نے کہا اور اہل علم روایت کرتے ہیں کہ حاملہ پر روزہ کی قضا ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر

پس گنتی ہے۔ دوسرے دنوں سے۔ روایت کرتے ہیں کہ وہ جمیع امراض سے ایک مرض ہے۔ ساتھ خوف کرنے اولاد اپنی سے یعنی حاملہ بمنزلہ مریض کے ہے، اور مریض کو جب بعد المرض روزہ فوت شدہ کو قضا کرنا چاہیئے، تو اسی طرح حاملہ کا بھی حال ہے، تفسیر خازن میں آیت مذکورہ کے تحت میں ارقام فرماتے ہیں ” الحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیھما افطرتا وعلیھما القضاء والکفارۃ “ یعنی حمل والی اور دودھ پلانے والی جب اپنی اولاد پر خوف کریں، تو افطار کریں، اور ان دونوں پر قضا اور کفارہ ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ بخاری شریف کے جزء اٹھارہویں میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وقال الحسن وابراھیم فی المرضع والحامل اذا خافتا علی انفسھما وولدھما تفطران وتقضیان ۔ یعنی دودھ پلانے والی اور حمل والی کے بارہ میں حسن بصری اور ابراہیم نے کہا کہ وہ دونوں اگر اپنے نفس پر یا ان کی اولاد پر خوف کریں۔ تو افطار کرلیں۔ اور بعد کو وہ روزہ قضا کریں۔ اسی کے ماتحت میں ابن حجر فتح الباری میں حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ قال المرضع اذا خافت علی ولدھا افطرت واطعمت والحامل اذا خافت علی نفسھا افطرت وقضت وھی بمنزلۃ المریض (ترجمہ) حسن بصریؒ نے کہا دودھ پلانے والی جب خوف کرے اپنی اولاد پر تو افطار کرے، اور مسکین کو کھانا کھلا دے، اور حاملہ جب اپنے جی پر خوف کرے تو افطار کرے، اور بعد کو قضا کرے، اور وہ بمنزلہ مریض کے ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حاملہ بمنزلہ بیمار کے ہے، اور بیمار کے بارہ میں خداوند کریم صاف فرماتا ہے۔ فعدۃ من ایام اخر یعنی مریض اگر رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکے تو پیچھے کو قضا کرے۔ علامہ شمس الحق صاحب فاضل عظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد میں حدیث مذکورۃ الصدر کے تحت بیان فرماتے ہیں۔ الحامل والمرضع یفطران ابقاء علی الولد ثم یقضیان ویطعمان من اجل ان افطارھما کان من اجل غیر انفسھما۔ حاملہ اور مرضعہ ان کی اولاد کو باقی رکھنے کے لئے افطار کریں، پھر قضا کریں، اور کھانا کھلائیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کا افطار غیر کے لئے ہے، اب رہا وہ قول جو کہ سبل السلام میں ابن عباس اور ابن عمر سے مروی

ہے کہ الحامل والمرضع انھما یفطران ولا قضاءَ حامل اور مرضعہ کے بارہ میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ وہ دونوں افطار کریں۔ اور ان پر قضا نہیں ہے، سو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی ؐ رہتے ہوئے قول صحابی ہمارے لئے حجت نہیں ہے الخ (راقم محمد عزت اللہ غفرلہ اللہ از جمال گنج

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ۴۰۶) (۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ)

سوال:۔ ایک آدمی رمضان شریف کو بھی گالی نکالتا ہے۔ اور روزہ رکھنے والوں کو بھی اور جو آدمی اس کو کہے کہ بھائی تم بھی روزہ رکھو تو وہ بے تحاشا شرع شریف کے بارے میں بکواس کرتا ہے، ایسے آدمی کی نسبت کیا کیا جائے نماز کا تو وہ سرے سے منکر ہی ہے،

جواب:۔ سوال کے الفاظ اگر صحیح ہیں تو شخص مذکور بددین بلکہ کافر ہے، ایسے کلمات مُنہ سے نکالنے بالکل جائز نہیں۔ (۳ تا ۱۰/ شوال ۱۳۳۹ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ۴۳)

سوال:۔ روزے میں ایسے منجن سے دانت مانجھنا جس میں نمک اور سیاہ مرچ ملا ہوا ہو۔ کیسا ہے؟

جواب:۔ جسطرح تلخ مسواک کرنی جائز ہے، یہ بھی جائز ہے۔ (۳ تا ۱۰/ شوال ۱۳۳۹ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ۴۳)

سوال:۔ ایک امام صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر کوئی شخص بوقت سحری خاص طور پر نیت نہ کرے، اور یہ زبان سے نہ کہے کہ اے خدا میں کل روزہ رکھوں گا۔ تو اس شخص کا روزہ ہرگز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچے گا۔ اکثر لوگوں کو اعتراض ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے، پھر زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے، دریافت کرنے پر فرمایا کہ فتح الباری میں موجود ہے، مگر یہ کتاب یہاں موجود نہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب:۔ زبان سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیت دل سے ہوتی ہے فتح الباری

ہیں اس نے یہ حدیث سنی یا دیکھی ہو گی من لم یبیت الصلوٰۃ (غالباً بھول کاتب ہے صحیح الصیام ہوگا۔ سراز) فلا صیام لہ۔ یعنی جو شخص رات سے روزے کی نیت نہ کرے۔ یعنی اس کو خیال نہ ہو کہ میں کل روزہ رکھوں گا۔ اس کا روزہ نہیں ہو گا۔ زبان سے بولنا مراد نہیں۔ (۹ / ذی قعدہ ۳۹ھ)

شرفیہ:۔ حدیث مذکور مرفوع صحیح نہیں ہے۔ حضرت حفصہؓ کا اثر ہے مال الترمذی والنسائی الی وقفہ۔ بلوغ المرام ہاں ابن خزیمہ ابن حبان دار قطنی نے اسے مرفوع کہا ہے۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۳۳)

سوال:۔ رمضان مبارک مہینے میں چوبیس کلاک کا روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مغرب کے بعد کھانا کھاتے ہیں، اور سو جاتے ہیں۔ سحری کرتے نہیں صبح کو کام کاج کرتے ہیں، اور روزہ دار کے موافق رہتے ہیں۔ مغرب ہو تو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ ایسے بھوکے رہنے سے روزہ ہوتا ہے یا نہیں؟ (میاں حسین پٹیل)

جواب:۔ ایسے لوگ اگر روزہ کی نیت نہ کرے، اس کا روزہ نہیں ہو گا۔ (۲۲ / ذیقعدہ ۲۳ھ)

شرفیہ:۔ سحری نہ کھانا حدیث نبوی تسحروا فان فی السحور برکۃ اور حدیث فصل ما بین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر رواہ مسلم کے خلاف ہے ۱۲۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۳۳)

سوال:۔ روزہ دار ماں اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دودھ پلانا منع نہیں۔ پلانے والی اپنی طاقت دیکھ لے جیسے سحری کھانے کے بغیر روزہ رکھنا منع نہیں روزہ دار اپنی طاقت دیکھ لے۔ (۱۹ / فروری ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۳۳)

سوال:۔ شام کے وقت آسمان پر ابر ہو گیا بہت انتظار کے بعد یقین کیا کہ سورج غروب ہو گیا

ہوگا۔ اور روزہ افطار کردیا گیا تو پھر سورج نے دکھائی دی، اور چھپ گیا۔ اب روزہ دار دوبارہ روزہ رکھیں یا وہ روزہ غلطی والا ہی کافی ہے۔ (عبدالعزیز جالندھری)

جواب:۔ ایک روزہ قضا کرے کیونکہ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ کی تعمیل نہیں ہوئی عدم تعمیل غلط فہمی کی وجہ سے ہے، اس لئے کفارہ نہیں ہے۔ اللہ اعلم (۵/رمضان ۱۳۶۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۴۲)

سوال:۔ رمضان میں زید خشکی کے راستے جا رہا تھا۔ چار پانچ کوس تک ایسے پہاڑ پر ہو کر راستہ تھا جہاں بجز پتھر کے دوسری چیز گھاس پانی مٹی نہ تھی۔ جس سے افطار کرے زید نے اپنی رائے سے بیوی سے ملاپ کیا، اور بیٹی کا بوسہ لیا۔ سوال یہ ہے کہ تینوں کا روزہ ہوا یا نہیں، اور شرعاً تینوں پر کیا حکم صادر ہے!۔

جواب:۔ جماع اکل و شرب کی طرح مفطر ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں بیٹی کا بوسہ اگر شفقت پدری کی نیت سے لیا تو خیر اگر بد نیتی سے لیا تو سخت مجرم ہے روزہ صحیح ہوگا۔

(۲/محرم ۱۳۳۶ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۴۱۳)

سوال:۔ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، اگر وہاں کوئی مسلمان ہو تو روزے کیونکر رکھے یہ اشکال ہے، جسے حل کرنا چاہیئے۔ تاکہ اسلام علمگیر مذہب ثابت ہو؟ (محمد الیاس قصور)

جواب:۔ پہلے تو یہ ثابت کیجئے کہ جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہے، آباد کون ہے، حکومت کس کی ہے، اور وہاں لوگوں کا گزارہ کس طرح ہو رہا ہے، پھر جس طرح انہوں نے سونے، جاگنے اور کام کاج کرنے کے اوقات مقرر کر رکھے ہوں گے۔ ویسے ہوں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں رمضان کا مہینہ آئے وہاں روزے فرض ہیں، جہاں رمضان کا مہینہ ہی نہ آئے وہاں فرض کیونکر ہوں گے۔ بے شک اسلام عالمگیر مذہب ہے، اور اس کے عالم گیر ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ وہ خواہ مخواہ کسی

کو مکلف نہیں کرتا۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۱۲۔ ۱۰ جمادی الثانی)

سوال:۔ زید روزہ دار تھا۔ دوپہر کو سوتے سوتے احتلام ہو گیا۔ کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟۔

جواب:۔ احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ یہ چیز غیر اختیاری ہے، سب کا اس پر اتفاق ہے۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۴) ۸ شوال ۱۳۷۱ھ

سوال:۔ زید روزہ کی حالت میں منہ میں برف ڈال لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ جب پانی منہ میں ڈال کر کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تو برف سے کیونکہ ٹوٹ جاتا ہے کیا اس کا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب:۔ زید کا یہ فعل صحیح نہیں ہے۔ برف کے گھل کر اندر جانے کا احتمال یقینی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص حلوے یا کھیر کا لقمہ منہ میں ڈال رکھے، اور کہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پانی کی کلی پر اس کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۴) (۸ شوال ۱۳۷۱ھ)

سوال:۔ اگر کسی نے ۴۸ میل کا سفر کرنا ہو۔ اندر رات اس کا ارادہ ہو کہ روزہ رکھوں گا۔ مگر صبح ارادہ بدل لے تو کیا وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے؟۔

جواب:۔ ہاں سفر کی حالت میں چھوڑ سکتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۹) (۱۰ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ)

توضیح:۔ بلا مشکت سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے، اور با مشکت سفر میں روزہ افطار کرنا افضل ہے، جیسا کہ کتب حدیث مذکور ہے۔

(علی محمد سعیدی)

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ رمضان میں وضو کے بغیر کلی کرنا یا ضروری غسل واجب کے بغیر نہانا جائز نہیں ہے۔ بکر کہتا ہے گرمی کی بنا پر جائز ہے، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے۔

جواب :۔ بکر کا قول صحیح ہے۔

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۲۴ شمارہ ۲۳ (۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ)

توضیح :۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بایں الفاظ باب منعقد کیا ہے۔ باب اغتسال الصائم وبل ابن عمر ثوبا فالقی علیہ وھو صائم ودخل الشعبی الحمام وھو صائم وقال الحسن لا باس بالمضمضة والتبرد للصائم۔ صحابہ اور تابعین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد غسل جنابت کی حدیثیں لاکر ثابت کیا ہے کہ روزہ کی حالت میں غسل کرنا روزہ کے منافی نہیں۔ خواہ غسل جنابت ہو یا غسل گرمی وغیرہ کے لئے ہو۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال :۔ انجیکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے، یا نہیں ؟۔

جواب :۔ اس میں اختلاف ہے ایک فریق کہتا ہے کہ ٹیکہ سے دوائی معدہ میں نہیں جاتی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ انجیکشن تمام اعضاء پر فوری اثر ڈالتا ہے، جب امعاء پر اثر پڑا تو معدہ بھی ضرور متاثر ہوگا۔ بہر حال چونکہ ہمیں مشتبہ چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسا مریض جسے انجیکشن کی ضرورت لاحق ہو۔ روزہ نہ رکھے، اور بعد میں قضا کرے۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۲۱۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ)

توضیح :۔ جو مریض روزہ نہ رکھ سکتا ہو وہ نہ رکھے، اور جو رکھ سکتا ہو، وہ رکھے، اور انجیکشن افطاری کے بعد لگوائے روزہ کی حالت میں احتیاط افضل ہے، واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال :۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر کوئی بے روز روزہ دار کے سامنے کھائے پیئے تو اسے

ثواب ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ غلط ہے، اور دین سے استہزاء ہے، اگر اسلامی حکومت ہو تو اسے سزا ملے۔
(اہلحدیث سوہدرہ ج ۶ ش ۲۱ - جون ۱۹۵۴ء)

توضیح:۔ محترم مفتی صاحب سائل کا سوال صحیح نہیں سمجھ سکے، دراصل اس کا مقصد تھا۔ صورت مسئولہ میں روزے دار کو ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب اس کھانے والے کے بارے میں دیا۔ حالانکہ اس کے سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ واضح ہے کہ وہ غلط کرتا ہے، اگر رمضان ہے تو اس کا ترک روزہ کا جرم ناقابل معافی ہے، جہاں تک روزے دار کا تعلق ہے تو اس کے متعلق حدیث میں ثواب کا ذکر ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے ام عمارہ بنت کعب انصاریہ آنحضرت سے روایت کرتی ہیں۔ الصائم اذا اکلت عندہ المفاطیر صلت علیہ الملائکۃ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۰ طبع اول یعنی روزے دار کے پاس جب بے روزہ کھائیں تو اس کے لئے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اسی طرح بریدہ کی روایت ابن ماجہ ص ۱۲۶ میں ہے آنحضرت نے فرمایا بلال کے لئے ناشتہ کریں۔ بلال نے عرض کی یا حضرت میں روزے سے ہوں، ارشاد ہوا کہ ہم اپنے رزق کھاتے ہیں، اور بلال کا رزق جنت میں ہے، اے بلال کیا تجھے معلوم ہے کہ جب روزے دار کے پاس کھایا جائے تو اس کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں۔ اور فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اصل الفاظ یہ ہیں۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لبلال الغداء یا بلال فقال انی صائم قال صلے اللہ علیہ وسلم ناکل ارزاقنا وفضل رزق بلال فی الجنۃ اشعرت یا بلال ان الصائم تسبح عظامہ وتستغفر لہ الملئکۃ ما اکل عندہ اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزے دار کے پاس کھانا غیر رمضان میں گناہ نہیں ہے، جیسا کہ آنحضرت نے کھایا، صرف رمضان میں جرم ہے۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب۔

علی محمد سعیدی

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔ اما بعد پس مخفی نہ رہے۔ کہ رمضان کا روزہ رکھنے والی عورت کو حیض شروع ہو جانے کی صورت میں بقیہ یوم اکل وشرب وغیرہما سے پرہیز رکھنے

کی ضرورت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی مدونہ کبریٰ ص ۱۴۰ ج ۱ میں ہے قلت فان کانت صائمۃ فحاضت فی رمضان اتدع الاکل والشرب فی قول مالک فی بقیۃ یومہا فقال لاقلت وھذا قول مالک قال نعم انتہی بلکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ حائض کے نہار میں طاہرہ ہوجانے کی صورت میں اوسپر امساک کو ضروری نہیں قرار دیتے۔ موطا امام مالک ص ۹۰ میں ہے۔ قال یحیٰ قال مالک فی الرجل یقدم من سفر وھو مفطر وامرأتہ مفطرۃ حین طہرت من حیضتہا فی رمضان ان لزوجہا ان یصیبہا ان شاء و کتاب الام "الامام الشافعی" میں ہے قال الشافعی وان قدم مسافر فی بعض الیوم وقد کان فیہ مفطرا وکانت امرأتہ حائضا فطہرت نجامعہا لم اربا سا وکذالک ان اکلا وشربا وذالک انہما غیر صائمین انتہی۔ اور "رد المختار" میں حائض پر امساک کے عدم وجوب کی نسبت اجماع نقل کیا ہے واجمعوا علی انہ لایجب (ای الامساک) علی الحائض والنفساء والمریض والمسافر انتہی۔

واللہ اعلم نقلہ احقر رحمت اللہ عفی عنہ نذیروی (المفتی العاجز یوسف بھگیلوی عفی عنہ)

منقول از فتاویٰ مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تلمیذ میاں صاحب مرحوم قلمی ص ۲۲

سوال:۔ ایک شخص روزہ تو رکھتا ہے، مگر نماز نہیں پڑھتا۔ تو کیا اس کا روزہ قبول ہے؟

جواب:۔ نماز کے بغیر روزہ بے کار۔ اس کا ثبوت اقوال الصحابہ نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ملتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور ج ۱ ش ۲۷ – ۱۱ شوال ۱۳۰۰ھ)

از شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات احمد گوجرانوالہ

توضیح:۔ ایسے شخص کو روزہ رکھنا چاہیئے، اور نماز کی رغبت دلانی چاہیئے۔ شاید وہ روزہ کی برکت سے نمازی بن جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! جو نیک اعمال ہم جاہلیت میں کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ صدقہ و خیرات صلہ رحمی وغیرہ کیا اس کا ثواب بھی آخرت میں ملے گا۔ آپ نے فرمایا شاید ان نیک اعمال کی وجہ سے آپ مسلمان ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا پارہ ۲۱۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم بھی ان کو اپنی راہیں بتلاتے ہیں۔ یعنی توفیق خیر ان کے رفیق حال رہتی ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ جو شخص بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ اُسے ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلانے کا حکم ہے تو کیا یہ کھانا ایک وقت کا دے۔ یا دونوں وقت کا کھانا اس کو دینا پڑے گا۔

جواب:۔ ہر روز ایک وقت کا کھانا کھلانا کافی ہے۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا ش ۴۷۔ ۱۱ شوال ۱۳۹۰ھ)

از شیخ الحدیث ابو البرکات احمد گوجرانوالہ

سوال:۔ حدیث میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مہینے میں بھی قتل و غارت اور دوسرے جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اس ماہ مقدس میں بھی کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ اگر شیطان قید میں ہیں تو پھر ان برائیوں پر کون اُکساتا ہے، حدیث کی وضاحت فرمائیں۔

جواب:۔ آدمی صرف شیطان کی وجہ سے برائی نہیں کرتا۔ بلکہ نفس کی خباثت کی وجہ سے بھی گناہ کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔

(اخبار اہلحدیث ج ا ش ۴۷۔ ۱۱ شوال ۱۳۹۰ھ)

توضیح:۔ حدیث میں آیا ہے کہ شیطان رمضان المبارک میں قید کیے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے لیکن رہا یہ سوال کہ اس ماہ میں لوگ جرائم میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان شریف کا مہینہ مسلمانوں کے لئے ترک جرائم کی ٹریننگ کا مہینہ ہے جس کی وجہ سے گیارہ ماہ مسلمان برائی سے رک جاتا ہے، اسی طرح شیطان بھی اپنے دوستوں کو گیارہ ماہ ہر برائی کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اور رمضان شریف میں وہ خود قید ہو جاتا ہے، اور اس کے

پہلے چپیٹے گیارہ ماہ کی ٹریننگ کی بنا پر رمضان المبارک میں بھی سابقہ عادت کے مطابق جرم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وشرع شریف اس مسئلہ میں کہ آج کل کے مروجہ ٹائم ٹیبل کے مطابق روزہ رکھنا اور چھوڑنا شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جائز ہے، یا کہ نہیں۔ اگر جائز ہے، اور اس کا انکار درست نہیں۔ تو اس کی کیا دلیل ہے۔ اگر چند منٹ دی تسلی کے لئے بعد میں چھوڑا یا چھڑایا جائے۔ تو کیا روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ نیز واضح فرمایا جائے کہ روزہ چھوڑنے کا وقت شریعت میں کون سا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر کا مطلب کیا ہے۔ اس حدیث شریف کی رُو سے جلدی کرنا کہاں تک درست ہے، بینوا توجروا۔

جواب:۔ وباللہ التوفیق۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے۔ تو فوراً روزہ کھول دے۔ ٹائم ٹیبل عموماً حساب سے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے مطابق روزہ کھولا جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اگر حساب کا ماہر غلط سمجھتا ہے تو اسے صحیح وقت شائع کرنا چاہیے۔ احتیاطاً اگر ایک دو منٹ تاخیر ہو جائے تو اسے خواہ مخواہ محل نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ (اخبار الاعتصام لاہور جلد ۷ اش ۲۳ مطابق ۱۴ رمضان ۱۳۷۵ھ)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ

روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا

سوال:۔ کیا روزہ کی حالت میں حج کے لئے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ٹیکہ لگوانا جائز ہے؟

جواب:۔ روزہ میں ٹیکہ کی بابت پاکستان بننے سے پہلے امرتسر میں دیوبندی اور بریلوی

حضرات میں اشتہار بازی ہو چکی ہے،

دیو بندی جواز کے قائل تھے، اور بریلوی علماء عدم جواز کے بنا ر اختلاف یہ تھی کہ ٹیکہ کھاتے پینے میں شامل ہے یا نہیں۔ دیو بندی علماء کا خیال تھا کہ ٹیکہ کی صورت میں دوا خون میں ملا دی جاتی ہے، معدہ میں نہیں جاتی۔ اور بریلوی کہتے تھے کہ کھانے پینے کے حکم میں ہے، کیونکہ دوا غیر طبعی طور پہ معدہ میں چلی جاتی ہے، ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کھانے پینے سے عرفی کھانا پینا تو مراد نہیں۔ چنانچہ حدیث میں بحالت روزہ وضو کے وقت ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا منع ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ خطرہ ہے، پانی ناک کے راستہ حلق میں اتر جائے۔ حالانکہ عرفاً یہ پینا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کوئی چیز معدہ میں چلی جائے۔ تو اس سے روزہ کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

ٹیکہ میں دوا کے لطیف اجزا کے متعلق خطرہ ہے، کہ وہ مسامات کے راستہ معدہ میں آجائیں، اور روزہ خطرہ میں پڑ جائے اس لئے ٹیکہ روزہ میں نہ لگوانا چاہیئے احتیاط اسی میں ہے۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ شمارہ ۲۷)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۳) عبداللہ امرتسری روپڑی

حاملہ اور مرضعہ کو روزے کا حکم

سوال:۔ اگر حاملہ عورت روزہ نہ رکھ سکے تو وہ فدیہ دے یا قضائی کرے؟۔

جواب:۔ حاملہ اگر بعد وضع حمل بچہ کو دودھ پلانے کے دنوں میں روزہ رکھ سکے تو بہتر ہے کہ روزہ رکھے۔ ورنہ فدیہ دے دے۔ حدیث میں ہے، خدا تعالیٰ نے مرضعہ اور حاملہ سے روزہ اٹھا لیا ہے۔ مشکوٰۃ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہل حدیث روپڑی جلد ۲ ص ۵۵۴۔ ۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ)

قے اور روزہ

سوال:۔ کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟۔

جواب:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس کو خود بخود قے آگئے، اور وہ روزہ دار تھا۔ اس پر قضاء نہیں۔ ہاں جو عمداً قے کرے۔ اُس پر قضا ہے۔ ترمذی۔ ابو داؤد ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی دور افطار کیا۔ اور میں نے پانی ڈالا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور خود بخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ یہ بے اختیاری امر ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۶۔ ۲۲ رمضان ۱۳۵۰ھ)

مسئلہ قضاء عمری

سوال:۔ آخری جمعہ ماہ رمضان میں قبل نماز ظہر بارشاد امام ہر نمازی اپنی سنت فجر مع فرض کے قضاء پڑھے، پھر چار رکعت ظہر پھر فرض عصر پھر فرض مغرب پھر فرض عشاء مع تین وتر قضاء کر کے پڑھے پھر چار رکعت قضاء عمری جماعت ہونے کے بعد نماز ظہر پوری پڑھے۔ یہ قضاء عمری شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب:۔ یہ صورت مندرجہ صدر کتاب و سنت سے ثابت نہیں کالعدم ثبوت بدعت ہے۔ حررہ عبدالرحمٰن ۲۸ / رمضان ۱۳۵۳ھ)

جواب محدث روپڑی:۔ مروجہ قضاء عمری نہ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ نہ تابعین سے نہ تبع تابعین سے نہ چار اماموں سے پھر ایسی بات کے بدعت ہونے میں کیا شبہ باقی ہے۔ جنگ خندق میں چار نمازوں کی قضاء کی بابت جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں چار نمازوں

کی تضاد دی ہے، قضاء عمری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ قضاء عمری میں خاص دن خاص وقت میں آٹھ رکعت یا بارہ رکعت یا سترہ رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ جن میں فاتحہ و آیت الکرسی وغیرہ پڑھی جاتی ہے، اس طرح اس حدیث کو جس میں دو رکعت پڑھ کر استغفار کا ذکر ہے، اس کو بھی قضاء عمری سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں نہ آٹھ رکعت کا نہ بارہ رکعت کا نہ سترہ رکعت کا ذکر ہے، نہ رمضان کے آخری جمعہ کا ذکر ہے۔ نہ ظہر عصر کے درمیان ہونا ذکر ہے، نہ آیت الکرسی اور سورت اخلاص وغیرہ کی شرط ہے، نہ کسی خاص گناہ سے توبہ کا ذکر ہے، پس اسکو قضاء عمری کی دلیل میں پیش کرنا ایسا ہوا جیسے مرزا کہتا ہے۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بھلا اس صورت میں وہ مسیح موعود کیسے بن سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح قضاء عمری میں باتیں اپنی طرف سے بدعت ملائی گئی ہیں۔ جو بمنزلہ جھوٹی علامات کے ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔

جیسے رمضان کے آخری جمعہ میں ہونا ظہر عصر کے درمیان ہونا۔ ۷ یا ۱۲ یا ۸ رکعت کا ہونا ان میں آیت الکرسی اور سورہ اخلاص وغیرہ کا پڑھنا یہ سب بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ حدیث میں اس طرح کی نماز کا کوئی ثبوت نہیں۔ پس یہ مردود ہے۔ حدیث میں ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ یعنی جو دین میں نئی بات پیدا کرے، وہ مردود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی مقلع انبالہ

(فتاوی اہل حدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۲۸ - ۲۷ / جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ - ۱۲ / اگست ۱۹۴۰ء)

کھانا پینا اور جماع

سوال :۔ کھانا پینا اور جماع دونوں روزہ توڑنے کے لحاظ سے ایک حکم رکھتے ہیں۔ یا ان میں فرق ہے؟

جواب :۔ بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔ من نسی وھو صائم فاکل وشرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ۔ یعنی جو روزہ دار بھول کر کھا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے، اس

کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے،

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ولا قضاء علیہ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے، (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۴) یعنی بھول کر کھانے پینے والے پر قضاء نہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی اس صورت میں قضاء ہے۔ روزہ کے تین رکن ہیں۔ (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع سے پرہیز۔ ان میں سے کوئی رکن فوت ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مگر کھانے پینے میں بھول چوک کی صورت میں معاف ہے، جیسے حدیث بالا میں ذکر ہے اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے۔ جماع کی بابت دیدہ دانستہ اور بھول چوک میں فرق کے متعلق صراحۃً کوئی روایت نہیں آئی۔ اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ بھول چوک کی صورت معاف ہے یا نہیں۔ بعض علماء اس کو کھانے پینے پر قیاس کرتے ہیں۔ مگر نیل الاوطار جلد ۴ میں ہے کہ۔ وقوع النسیان فی الجماع فی نہار رمضان فی غایۃ البعد۔ یعنی رمضان شریف میں دن کے وقت جماع میں بھول چوک ہونا بہت بعید ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو جماع دن میں ویسے کم ہوتا ہے، دوسرے جماع کھانے پینے کی عام شئے نہیں ہے، تو ایسی قلیل الوقوع شئے جس میں کئی طرح کا اہتمام ہوتا ہے، اس میں نسیان کا ہونا قرین قیاس نہیں۔ تیسرے جماع کا تعلق ایک اور وجود یعنی بیوی کے ساتھ ہے۔ اور کھانے کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے، اس لئے جماع کو کھانے پر قیاس کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، جماع کے متعلق حدیث میں کفارہ کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم فرماتے وقت یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا۔ یا بھول کر امام احمدؒ اور بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا ہے، کہ اگر عمداً اور بھول چوک میں کفارہ کا فرق ہوتا تو نبی علیہ السلام اس سے دریافت فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں کفارہ ہے ۔۔۔ مگر یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ حدیث میں ھلکت واحترقت کا لفظ آیا ہے، یعنی جس شخص نے رمضان میں جماع کیا تھا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہوگیا جل گیا۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے۔ کہ مجھ سے نافرمانی اور گناہ ہوگیا نافرمانی اور گناہ دیدہ دانستہ میں ہوتا ہے بھول چوک میں نہیں۔ پس معلوم ہوا اس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا۔ اس لئے

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ نیز جماع میں بھول چوک ہونا بعید امر ہے، اس لئے آنحضرتؐ کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بہرصورت امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کا اس حدیث سے جماع کے متعلق عام استدلال کرنا صحیح نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جماع میں بھول چوک کی صورت ہو جائے۔ تو اس پر کفارہ ہے، ہاں یوں استدلال ہو سکتا ہے، کہ کھانے پینے میں بھول چوک اور دیدہ دانستہ دونوں صورتیں ایک ہی حکم میں ہیں۔ پہلی ہر دو صورت میں کفارہ ہے، کیونکہ اس میں بھول چوک بعید اور نادر الوقوع ہے، اس لئے اس کی معافی نہیں دی گئی۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے نماز میں خواہ کلام دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ نماز میں بھول کر کلام کرنا بعید امر ہے فقہا نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نماز کی صورت اور ہیئت اور صورت کلام کے منافی ہے۔ یعنی نماز کی ہیئت اور شکل کلام سے روکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں جماع کرنے پر بہرصورت کفارہ ہے، عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاوی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۶۹ - ۲۹ / رمضان ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ بحالت روزہ نیم کا مسواک کرنا جائز ہے، اگر جائز ہے تو اسی ہی طریقہ سے پان کھا لینا ٹھیک ہے، یا نہیں؟ اور اگر سالن چکھ کر تھوک دیا جائے۔ تو اس میں شرعی لحاظ سے کوئی قباحت ہے؟ نیز روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ روزہ کی حالت میں مسواک بطور مسواک کی جا سکتی ہے، چاہے کسی لکڑی کی ہو۔ پان کھانا جائز نہیں۔ پان بالکل دوسری شئے ہے، ہاں سالن چکھ کر تھوک دیا جائے تو اس میں گنجائش بعض آثار سے مل جاتی ہے۔ صحیح بخاری شریف کا ترجمۃ الباب۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲ شمارہ ۱۰)

توضیح الکلام:۔ روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنے کے جواز پر امام ترمذیؒ نے تبویب کی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت انس بن مالک کی حدیث ذکر کی ہے، اگرچہ اس کی

اسناد قوی نہیں۔ لیکن ابورافع اور حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کی مؤید ہیں۔ اور اہل علم کا اس میں اختلاف بیان کیا۔ بعض نے بحالت روزہ سرمہ ڈالنا جائز فرمایا ہے۔ اور بعض نے ناجائز۔ مبارک پوری مرحوم شارح ترمذی نے مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے قائلین بالجواز کا قول راجح ہے۔ میری تحقیق میں سرمہ رات کو ڈالنا چاہیے۔ تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۴۷)

الراقم علی محمد سعیدی

سوال: جس عورت کا بچہ ابھی ایک ماہ کا ہے۔ وہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ اور پھر اپنے بچے کو دودھ پلا سکتی ہے، یا نہیں۔ اگر وہ روزہ نہیں رکھ سکتی۔ تو وہ قضائی کب دے؟

جواب: مرضعہ۔ بچے کو دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے روزے "وضع" کر دیتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ۔ (الترمذی)

جس کا متبادر معنی یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ روزے نہ رکھیں۔ رہی یہ بات کہ اس کی صورت کیا ہو؟ تو اس بارہ میں متعدد مذاہب امام ترمذی نے ذکر فرمائے ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے، کہ وہ روزہ افطار کریں۔ اور روزانہ ایک شخص کو کھانا دے دیا کرے۔ اس صورت میں قضا کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہ قضائی دینا چاہیں۔ تو پھر کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وقال بعضهم يفطران ويطعمان ولا قضاء عليهما وان شاءتا قضتا ولا اطعام عليهما وبه يقول اسحاق اھ۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس قول کو مناسب قرار دیا ہے، این قول بتطبیق اولی مناسب می نماید (مصفی شرح فارسی موطا ص ۲۵۱ ج ۱)

دراصل یہ عورت کے حالات پر منحصر ہے، بعض عورتوں کو سال کے سر میں بوجہ حمل یا ارضاع روزہ رکھنا مشکل ہوتا ہے، ایسی عورتوں کو رمضان ہی میں فدیہ دے دینا چاہیے۔ بس

کافی ہے۔ لیکن کوئی عورت اگر سمجھے کہ وہ رمضان کے بعد سال کے کسی حصہ میں روزے رکھ سکے گی۔ تو قضا دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فدیہ کی ضرورت نہیں۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۱)

سحری کھائے بغیر روزہ

سوال:۔ اگر سحری نہ کھائی جائے تو روزہ ہو گا یا نہیں ہو گا؟

(عبد اللہ شاہ منڈے پنڈ چک ۴۹ ڈاکخانہ خاص ضلع لائلپور)

جواب:۔ سحری نہ کھانے سے روزہ ہو جاتا ہے۔

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حیس۔

کھجوریں، پنیر، گھی ملا کر تیار کیا ہوا کھانا۔ تحفہ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دکھلائیں تے صبح روزہ کی حالت میں گی۔ پھر آپ نے کھانا کھا لیا۔ مشکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سحری کھائے بغیر روزہ ہو جاتا ہے ورنہ آپ روزہ نہ رکھتے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ سکتے ہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی از بھوپہ اصل ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۵۴۴)

جنبی اور سحری

سوال۔ ایک شخص کی آنکھ دیر سے کھلی۔ ابھی اس نے غسل جنابت کرنا ہے۔ سحری کا وقت تھوڑا ہے، کیا وہ سحری کھا کر غسل جنابت کر سکتا ہے۔

جواب:۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوئے اور بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کیلئے بلاتے تو آپ اٹھتے اور غسل کرتے پھر نماز پڑھاتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے اگر وقت غسل کا قبل سحری نہیں ملتا تو بعد وضو ہو کر سحری کھا لے اور پھر بعد صبح صادق غسل کر کے نماز پڑھے روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۵۴۴)

سوال :۔ رمضان شریف میں سحری کھانے کیلئے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر دیں تو سنت کیخلاف ہوگا یا نہیں؟

جواب :۔ اذان دے سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے پہلے اذان اسلئے دیتے تھے کہ تم نماز تہجد کیلئے اٹھ سکو۔ (دین محمد ساکن جھبو دوٹ) (اہلحدیث شوال ۶۳ھ)

سوال :۔ اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں جماع کیا۔ اس پر کفارہ ہے، یا نہیں؟ اور حدیث میں جو کفارہ کا ذکر ہے، وہ روزہ کے متعلق ہے یا ظہار کے اگر کوئی کہے کہ روزہ کا کچھ کفارہ نہیں، جو کفارہ آیا ہے، حدیث میں وہ کفارہ ظہار ہے، اور اسکا کہنا ٹھیک ہے۔ یا نہیں؟

جواب :۔ رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں جماع کرنے سے کفارہ آتا ہے۔ لحدیث ابی ھریرۃ قال بینما نحن جلوس عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل فقال یارسول اللہ ھلکت قال مالك قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھل تجد رقبۃ تعتقھا قال لا قال فھل تستطیع ان تصوم شھرین متتابعین قال لا قال ھل تجد اطعام ستین مسکینا الحدیث متفق علیہ۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ روزہ کا کچھ کفارہ نہیں اس کا قول حدیث کے مخالف ہے۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

وما ذا بعد الحق الا الضلال	الجواب صحیح وخلافہ قبیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
حررہ السید محمد عبد الحفیظ	خلیل الرحمٰن عفی عنہ	عبد الرحمٰن عفی عنہ	احمد عفی عنہ

الجواب صحیح   ہذا الجواب صحیح

سید محمد عبد السلام	سید محمد ابو الحسن	حررہ سید محمد عبد الحفیظ

متعدد سوالات کے جوابات جو کہ شیخ محمد عمر پھاٹک حبش خان دہلی نے افضل المطابع دہلی میں شائع کئے۔

عبداللہ بن حمید الرئیس

باب الرؤیت

مسئلہ رویت ہلال، ادلّہ شرعیّہ کی روشنی میں

آج کل ''وحدت عید'' کا جو خیال، جدید ذہن کے بہت سے لوگوں میں ابھر رہا ہے، افسوس! بہت سے مسلمان ملک بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے بھی ایک اجلاس میں ایک مضمون کی قرارداد پاس ہوئی تھی، کہ چاند کی رؤیت کی تعیین آلاتِ رصد کے ذریعے کر کے پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن روزے رکھنے اور عید منانے کا فیصلہ کیا جائے، اس قرارداد پر نجد کے ایک عالم نے جو اس اجلاس میں بطور رکن شریک تھے۔ فاضلانہ نقد کیا، اس مسئلے کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی، اور تبیان الادلہ فی اثبات الاہلہ کے نام سے اس کو شائع کر دیا ہے۔

اسی کتابچے کا ترجمہ ہمارے فاضل و محترم دوست مولانا محمد رفیق صاحب نے کیا ہے۔ جس پر ہم ان کے ممنون ہیں۔ (الاعتصام) آج حسب وعدہ ہم جناب شیخ کے نقد کا اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ (محدث)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور فرمایا۔ اور اس کی منازل متعین کیں۔ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان سکو، میں یقین و بصیرت سے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے نہ اس کا کوئی شریک، اور میں شہادت دیتا ہوں محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو انبیاء میں افضل ترین ہیں، اور جن پر بہترین کتاب نازل ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ ومن تابعہم باحسان الی یوم الدین وسلم تسلیما کثیرا (عربی خطبۂ کتاب کا ترجمہ)

شعبان ۱۳۹۱ھ کا واقعہ ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی نے اپنے تیرھویں اجلاس میں جو کہ مکہ مکرمہ میں ہوا چند قرار دادیں پاس کیں۔ ایک قرار داد میں کہا گیا کہ تمام اسلامی ممالک میں رویت ہلال کا ایک ایسا نظام بنایا جائے۔ کہ اگر مغرب یا ایران میں چاند نظر آجائے تو دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہو کہ اسی رویت کی بنا پر روزے رکھیں۔ اور افطار کریں۔ قرار داد میں یہ بھی طے پایا کہ رابطہ کا سیکرٹریٹ تمام سربراہانِ ممالک اسلامیہ سے رابطہ قائم کرے، اور ان سے اس پر عمل درآمد کے لئے کہے کیونکہ یہ ایک شرعی تقاضا ہے، اس کے اختتامی جلسہ میں میں بھی شریک تھا۔ جب یہ قرار داد پیش ہوئی میں نے اس سے اختلاف کیا۔ اور کہا کہ یہ نظریہ نہ تو احادیث صحیحہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے نہ محققین علماء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کے مسالک ہی اس کے موافق ہیں۔ پھر جدید علم ہیئت اور جغرافیہ سے بھی یہ نظریہ متصادم ہے، اگرچہ مجلس کے بعض اراکین کے اس نظریہ کی ہمنوائی میں بعض علماء کے اقوال ملتے ہیں، مگر دلائل عقلی و نقلی ان کی تائید نہیں کرتے۔ اس کی عدم صحت بدیہی ہے جیسا کہ ابھی اس کی وضاحت آپ کے سامنے آجائے گی، انشاء اللہ۔

انہیں وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کروں جس میں حق کا بیان ہو جائے، اور معلوم ہو جائے کہ اہلِ معرفت اس بارے میں متفق ہیں کہ مطالع میں اختلاف ہوتا ہے، اس لئے ہر علاقہ کے لئے اسی علاقہ والوں کی رؤیت معتبر ہوگی ۔ علاوہ ازیں موجودہ اسلامی مملکتوں کی حالت اس وقت یہ ہے کہ وہ دین و مذہب سے دور ہیں، اور ان کا کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان کا کردار و عمل ان کے خلاف ہے۔ جیسے ہر کوئی جانتا ہے، (ایسی حکومتوں کو دینی امور میں مداخلت کی دعوت دینا عجیب بات ہے) رسالے کا نام "بیان الادلہ فی اثبات الاہلہ" رکھا ہے، اب اصل مسئلہ ادلہ شرعیہ کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے،

واللہ الموفق والہادی الی سواء السبیل۔

حدیث اول:۔ حدثنا یحیی، ویحیی بن ایوب وقتیبۃ وابن حجر قال یحیی بن یحیی اخبرنا حدثنا اسمٰعیل وھو ابن جعفر عن محمد وھو ابن ابی حرملۃ عن کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثتہ الی معاویۃ بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتہا

واستہل علی رمضان وانا بالشام فرأیت الھلال لیلۃ الجمعۃ ثم قدمت المدینۃ فی اخر الشھر فسألنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما ثم ذکر الھلال فقال متی رأیتم الھلال فقلت رأیناہ لیلۃ الجمعۃ فقال انت رأیتہ فقلت نعم راہ الناس وصاموا وصام معاویۃ فقال لکنا رأیناہ لیلۃ السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلاثین اونراہ فقلت اولا تکتفی برؤیۃ معاویۃ وصیامہ فقال لا ھکذا امرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

کریبؒ کہتے ہیں مجھے ام الفضل بنت الحارث نے حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھیجا میں وہاں گیا اور کام پورا کیا، اور وہیں رمضان کا چاند نظر آگیا۔ میں نے جمعہ کی رات چاند دیکھا، جب مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے مجھ سے پوچھا تم نے کب چاند دیکھا تھا۔ میں نے کہا جمعہ کی رات کو، انہوں نے کہا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں اور بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ اور اس کے مطابق روزے رکھے، حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباسؓ نے کہا ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے، ہم تیس دن تک روزے رکھتے رہیں گے۔ مگر یہ کہ ہم خود پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رؤیت کا اعتبار نہیں کرتے؟ ابن عباس نے کہا نہیں ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے،

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ ہر شہر کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے، ابن عباسؓ نے کریب کی خبر اس لئے رد نہیں کی کہ وہ خبر واحد ہے، کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو ابن عباسؓ حضرت معاویہ کی طرف لکھ کر اس کی تصدیق کرا سکتے تھے۔ یا معاویہؓ خود اہل مدینہ کو چاند دیکھنے کی اطلاع لکھ کر بھیج دیتے کہ ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا ہے، اور تم اس دن کی قضا کرو۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہر شہر کی رؤیت انہیں کے لئے معتبر ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں اس پر عمل رہا۔ کیونکہ نہ تو انہوں نے مختلف علاقوں سے رؤیت ہلال کی اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور نہ دوسرے ہی علاقے کے لوگوں نے از خود انہیں اطلاع دی ــــ جب کہ اُس دور کے مسلمان کو دین سے شدید لگاؤ تھا۔ اور نیکی کے حریص تھے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ باب ہے اس بیان میں کہ ہر علاقہ کے لئے ان ہی کی رؤیت ہے، اور وہ جب چاند دیکھ لیں تو اس سے دور والوں کے لئے حکم ثابت نہیں ہوجاتا۔

امام ابوداؤدؒ نے "السنن" میں یہ باب دیا ہے۔ "جب ایک شہر میں دوسرے شہروں سے ایک رات پہلے چاند نظر آجائے (تو اس کا حکم) ترمذیؒ نے جامع میں یوں لکھا "باب ہے، اس میں کہ ہر شہر کیلئے ان کی اپنی رویت ہے" پھر حدیث کریب کے درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ "اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ ہر شہر والوں کی رویت صرف انہیں کے لئے ہوگی" امام ترمذی نے اس بارے میں کوئی اختلاف بھی ذکر نہیں کیا (جیسا کہ اختلافی مسئلے میں وہ مختلف آرا نقل کرتے ہیں) امام نسائی باب باندھتے ہیں "رویت میں اہلِ آفاق کے اختلاف کا بیان" مذکورہ ابواب کے تحت ان بزرگوں نے یہی حدیث کریب درج کی ہے جو دلیل ہے، اس بات پر کہ ان کے ہاں ہر شہر کی رؤیت اسی علاقہ کے لوگوں کے لئے ہے، جیسا کہ ان کے قائم کردہ ابواب دلالت کرتے ہیں، اور کریب کے اس سوال کا کہ آپ رؤیتِ ہلال کے ثبوت میں حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے کو کافی کیوں نہیں سمجھتے؟ ابنِ عباسؓ نے جو یہ جواب دیا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے، تو اس سے مطلب حضرت ابن عباسؓ کا یہ تھا کہ اہل مدینہ اہل شام کی رؤیت سے افطار نہ کریں، اس لئے کہ حدیث میں ہے "چاند دیکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو، اور چاند دیکھنے سے پہلے افطار نہ کرو"

دوسری حدیث:۔ صحیح بخاری میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاتصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ وقال الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔

یعنی عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ نہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو۔ مہینہ انتیس رات کا بھی ہوتا ہے، پس دیکھ کر روزہ رکھو۔ اگر کسی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

اس روایت کے مختلف الفاظ یہ وارد ہیں۔

فاقدروا لہ ثلاثین، اذا رأیتم الھلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا فان غم علیکم فاقدروا لہ، فان غم علیکم فاقدروا لہ، فان غم علیکم فصوموا ثلاثین یوما فان غمی علیکم

فاکملوا العدۃ ، فان غمی علیکم الشھر فعدوا الثلاثین ۔ فان اغمی علیکم فعدوا ثلاثین

فان غمی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین ۔

ان تمام الفاظِ احادیث کا ماحصل یہی ہے کہ روزہ تب رکھا جا سکتا ہے، جب کہ شعبان کے پورے تیس دن ہو جائیں، یا پہلے نظر آ جائے ۔ دیکھ کر روزہ رکھو۔ دیکھ کر افطار کرو۔

ایک واضح مثال :۔ اگرچہ اس کی مخاطب تمام امت ہے لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ روزہ اور افطار کا ایک سبب متعین ہے، یعنی چاند کا نظر آ جانا۔ جن لوگوں نے چاند دیکھ لیا، ان کے لیے سبب کے متحقق ہو جانے کی بنا پر روزہ اور افطار لازم ہو گیا۔ اور جن علاقوں میں چاند نہیں دیکھا جا سکا تو ان پر روزہ اور افطار لازم نہ ہو گا۔ کہ ان کے لئے سبب متحقق نہیں ہو سکا۔ نماز کے اوقات اس کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زوالِ سورج کے بعد نمازِ ظہر کی اقامت کا حکم دیا تو جب مدینہ میں زوال ہو جائے گا۔ مدینہ والوں کے لئے نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا، لیکن مدینہ سے مغرب والوں کے لئے ابھی نمازِ ظہر کا وقت نہیں ہوا۔ جب تک کہ ان کے ہاں زوال نہ ہو۔ اسی بنا پر اہلِ مشرق فجر، ظہر، عصر، مغرب یہ تمام نمازیں اہلِ مغرب سے پہلے ادا کرتے ہیں کہ سببِ نماز ان کے ہاں پہلے متحقق ہو جاتا ہے اس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سمجھا جائے "دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مثلاً مکہ اور مدینہ میں چاند نظر آ گیا، مگر اس وقت کسی علاقہ میں دن ہو گا اس وقت ان کو روزہ رکھنے کا حکم کس طرح دے سکو گے؟ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ضروری ہے، جیسا کہ کئی علمائے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی نقل کیا ہے،

تیسری حدیث :۔ المصنف میں امام ابن ابی شیبہ نے یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے "اس بات کا بیان کہ ایک مقام پر لوگ چاند دیکھ لیں۔ لیکن دوسری جگہ نظر نہ آئے" اس کے ذیل میں یہ حدیث دی ہے۔

حدثنا ابن ادریس عن عبداللہ بن سعید قال ذکروا بالمدینۃ رؤیۃ الھلال وقالوا ان

اھل استارۃ قد رأوہ فقال القاسم وسالم ما لنا ولاھل استارۃ ۔

عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں۔ مدینہ میں چاند دیکھنے کی بات چیت لوگوں میں ہوئی۔ اور کہا کہ اہلِ استارہ"

نے چاند دیکھ لیا ہے، تو قاسم اور سالم نے فرمایا ہمارا اہل استارہ " سے کیا تعلق اور واسطہ؟"

ائمہ و محققینِ احناف کے اقوال :- اس بارے میں احناف کے ائمہ کبار اور علمائے محققین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب تجرید لکھتے ہیں :" مطالع کے اختلاف کی وجہ سے چاند کے احکام میں اختلاف ہو جاتا ہے "

مفتی ابو السعود شرح مراقی الفلاح میں کہتے ہیں " صاحب تجرید کا نظریہ زیادہ قرین صحت ہے۔ اس لئے کہ سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطار عالم کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، یہ بات علم افلاک و ہیئات سے بھی ثابت ہے۔ مطلع کے اختلاف کے لئے کم سے کم ایک ماہ کی مسافت سفر ہے جیسا کہ الجواہر میں ہے " (انتہی ملخصاً)

تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو کیا وہ کل بلاد کو لازم ہوگا؟ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ لازم نہیں بلکہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی اپنی ہی رویت معتبر ہے "

زیلعی شرح الکنز میں لکھتے ہیں۔" اکثر مشائخ کا خیال ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار ہے اس لئے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے، جو ان کے ہاں ہے، اور سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطار کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے، اور اختلافِ مطالع کے اعتبار پر وہ حدیث کریب دلیل ہے جو صحیح مسلم میں ہے، (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمائی جائے

" مختاراتِ نوازل " میں ہے۔ ایک شہر والوں نے چاند دیکھ کر انتیس روزے رکھے، اور دوسرے شہر والوں نے چاند دیکھ کر تیس روزے رکھے، اور دونوں کا مطلع ایک ہے تو اول الذکر ایک دن کے روزہ کی قضا دیں، اور اگر مطالع کا اختلاف ہے تو پھر قضا نہیں ہے "

ابن عابدین فرماتے ہیں " معلوم ہونا چاہیئے کہ مطالع کے مختلف ہونے میں باین معنی کوئی نزاع نہیں کہ دو شہروں کے درمیان اتنا بعد ہو کہ ایک بلدہ میں ایک رات چاند طلوع ہوا اور دوسرے میں نہ ہو۔ اس طرح سورج کے مطلع میں بھی اختلاف ہوتا ہے، چاند کا سورج کی شعاعوں سے دور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مشرق میں سورج کے زوال سے یہ لازم

نہیں کہ مغرب میں بھی زوال ہو چکا ہے۔ یہی حساب اس کے طلوع اور غروب کا ہے۔ بلکہ جوں ہی سورج ایک درجہ حرکت میں آئے گا۔ (نظر بظاہر) تو یہ کسی قوم کے لئے صبح صادق کا وقت ہوگا۔ اور کسی کے لئے طلوع شمس کا، کہیں غروب ہوگا۔ اور کہیں آدھی رات۔ جیسا کہ زیلعی میں ہے۔ اور اختلافِ مطالع کے اعتبار کے لئے ایک ماہ یا زیادہ کی مسافت ضروری ہے (القہستانی عن الجواہر) البتہ اعتبار مطالع میں اس لحاظ سے اختلاف کیا کہ مطالع کا اعتبار کیا جائے، اور ہر قوم پر انہیں کے مطلع کے احکام نافذ ہوں، اور کسی کے لئے دوسروں کے مطلع کے مطابق عمل کرنا لازم نہ ہو یا ان دونوں کے اختلافِ مطالع کا اعتبار ہی نہ کیا جائے۔ بلکہ جہاں پہلے رویت ہو جائے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو، حتیٰ کہ مغرب میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آجائے، اور مشرق میں ہفتہ کی رات کو تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا واجب ہو۔ بعض لوگ پہلے نظریے کے قائل ہیں، اور اسی پر امام زیلعیؒ اور صاحب الفیض نے اعتماد کیا ہے۔ شوافع کے ہاں بھی یہی صحیح ہے، اس لئے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے، جو ان کے ہاں ہے، جس طرح کہ اوقاتِ نماز کا معاملہ ہے۔ "لادرر" میں اسی کی تاکید ہے، اور اسی اعتبار سے وہ کہتے ہیں کہ عشاء اور وتر اس پر واجب نہیں جس سے ان کے اوقات مفقود ہو جائیں۔ زیلعی شارح الکنز نے کہا اختلافِ مطالع کا عدم اعتبار قریب کے شہروں میں ہے، دور والوں میں نہیں۔ تجرید القدوری میں اسی طرح ہے، اور جرمانی نے بھی یہی کہا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے مؤلف رقمطراز ہیں۔ میرے خیال میں زیلعی کا قول تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ورنہ کہیں عید ستائیسویں دن ہوگی کہیں اٹھائیسویں۔ اور کہیں اکتیس اور بتیس کو۔ بلاد قسطنطنیہ کا چاند کبھی کبھی ہمارے چاند سے دو دن پہلے ہو جاتا ہے، ہم نے اپنے چاند کے اعتبار سے روزہ رکھا۔ اور بعد میں بلاد قسطنطنیہ کی اطلاع آجائے تو عید پہلے کرنی پڑے گی، یا ادھر کا کوئی آدمی عید سے پہلے ہمارے پاس آجائے تو اس کی عید متاخر ہو جائے گی۔

نیز مرعاۃ المفاتیح میں ہے محققین حنفیہ، مالکیہ اور عام شافعیہ کا خیال ہے کہ اگر دو شہروں میں اتنی مسافت ہے کہ ان کا مطلع مختلف نہیں ہے، جیسا کہ بغداد اور بصرہ تو ایک شہر میں رویت کی وجہ سے

دوسرے شہر والوں پر روزے لازم ہو جائیں گے، اور اگر ان کے مابین اتنی دوری ہے جیسا کہ عراق اور حجاز میں ہے تو ہر شہر والوں کی رؤیت ان کے اپنے لئے ہے۔

علامہ عبدالرحمان مبارک پوریؒ شارح جامع ترمذی لکھتے ہیں۔ جن بلاد میں اختلاف مطالع نہیں ہے وہاں ایک کی رؤیت دوسرے شہر والوں کے لئے لازم ہے، امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہی ہے۔ صاحب بدائع "لکھتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ مسافت اتنی ہو کہ مطلع مختلف نہ ہو اور اگر زیادہ بُعد ہو تو ایک بلدہ والوں کے احکام دوسرے بلدہ والوں پر لاگو نہیں ہونگے۔ اسلئے کہ بہت دوری کیوجہ سے مطالع مختلف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورج کا مغرب مختلف ہوتا ہے۔ تو ہر ایک پر اسکے اپنے مغرب کا اعتبار کیا جاتا ہے" انتہی۔

شیخ مرتضیٰ (زبیدی) شرح الاحیاء میں کہتے ہیں "مطالع کا اختلاف ثابت ہے۔ شرقی بلاد میں رات پہلے آتی ہے، اور غربی میں بعد کو، اگر دونوں کا مطلع ایک ہے تو ہر ایک کی رؤیت دوسرے کی رؤیت کو مستلزم ہے، اور اگر مطلع مختلف ہے تو مشرق کی رؤیت سے مغرب کی رؤیت لازم ہے، مگر مغرب کی رؤیت سے مشرق کی رؤیت لازم نہیں۔ حدیث کریب کا مطلب بھی یہی ہے"

ابن عابدین نے اپنے رسالہ "تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان" میں یہ تصریح فرمائی ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ چاند کے مطالع میں مختلف اقطار و بلاد کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے۔ پس کہیں چاند نظر آجاتا ہے کہیں نہیں، جس طرح سورج کے مطالع مختلف ہیں۔ کسی شہر میں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی صبح ہوتی ہے) تو دوسرے کسی شہر میں ابھی رات ہی ہوتی ہے۔ یہ باتیں کتب ہیئت میں محقق اور روزمرہ کا مشاہدہ ہیں۔

محقق ابن حجر (مکی) کے فتاویٰ میں ہے "سبکی اور اسنوی نے تصریح کی ہے کہ مطالع جب مختلف ہوں تو مشرقی بلد میں رؤیت ہلال سے مغربی بلد کی رؤیت لازم ہے، اس کا برعکس نہیں کہ مغرب کی رؤیت سے مشرق میں رؤیت لازم ہو۔ کیونکہ مشرق میں رات پہلے آتی ہے۔ اور اگر مطلع ایک ہی ہے تو ہر ایک کی رؤیت سے دوسروں کی رؤیت لازم ہے، اسی لئے علماء کی ایک جماعت کا فتویٰ ہے۔ کہ اگر دو بھائی زوال کیوقت فوت ہو جائیں۔ ایک مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، مغربی مشرقی کا وارث ہوگا

اس لئے مشرقی کی موت پہلے واقع ہوئی ہے عام اوقات میں جب یہ بات محقق ہے تو چاند کے بارے میں بھی ایسا ہی سمجھ لیجئے۔ نیز ایسا ہو سکتا ہے کہ مشرق میں چاند سورج کے نہایت قریب ہو اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے نظر نہ آ سکے۔ مغرب میں سورج دیر سے غروب ہوگا۔ تو اس اثنا میں چاند بھی سورج سے دُور ہو چکا ہوگا۔ اس لئے وہاں نظر آئے گا (آگے لکھتے ہیں) چاند کا سورج کی شعاعوں سے دُور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مشرق میں سورج کا زوال ہو تو مغرب میں لازم نہیں ہے۔ اسی طرح صوع اور غروب کا معاملہ ہے، سورج جوں ہی ایک درجہ حرکت کرے گا۔ (نظر بظاہر) تو یہ کسی قوم کیلئے صبح صادق بنا لے گا۔ اور کئی دوسروں کیلئے دن ہو چکا ہوگا۔ اور کہیں غروب ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات کا وقت۔"

مروی ہے کہ ابوموسیٰ ضریر الفقیہ مؤلف المختصر اسکندریہ آئے تو ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر ایک شخص منارۂ اسکندریہ پر چڑھ جائے، اور وہ شہر والوں سے بعد تک سورج کو دیکھتا رہے تو کیا وہ افطار کر سکتا ہے؟ ابوموسیٰ نے جواب دیا: "نہیں البتہ شہر والے افطار کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں غروب ہو چکا ہے۔"

شیخ نجیب المطیعی اپنے رسالہ "ارشاد اہل الملۃ الی اثبات الاہلۃ" میں لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ مطالع کے مختلف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ مشاہد اور ثابت شدہ بات ہے دیگر امور کی طرح اس بارے میں بھی شرع عقل کے مطابق ہے، دیکھئے شریعت نے کئی احکام کی بنا اختلافِ مطالع پر رکھی ہے، نماز اور حج کے اوقات کو ہی لے لیجئے۔ حج میں اہل مکہ کے مطلع کا اعتبار کیا گیا ہے، مواریث میں تقدیم و تاخر کا اعتبار بھی اسی طور پہ کیا گیا ہے کہ پہلے موت کس کو آئی ہے، یہ تمام مسائل متفق علیہ ہیں اختلافِ مطالع کے تسلیم کے بعد البتہ اس میں اختلاف ہوا کہ رمضان و شوال کے چاند میں اس کا اعتبار کیا جائے یا نہ؟ واقع اور نفس الامر کو دیکھا جائے تو تم پاؤ گے۔ اختلافِ مطالع اور ضروری اور بدیہی ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے اوقات کا اختلاف متحقق ہوتا ہے بعض ایسے علاقے ہیں۔ جہاں سورج دو ماہ یا تین ماہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور قطبی جہت میں ایسے بھی ہیں جہاں چھ ماہ سورج ظاہر ہوتا ہے چھ ماہ نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ جب اہل مصر نے ان کے غروب کے وقت رمضان کا چاند دیکھ لیا تو انہیں اہلِ مصر کی رؤیت کی وجہ سے روزہ رکھنے کا مکلف قرار دیا جائے۔ اسی طرح ہمارے اور امریکہ کے اوقات میں بھی بہت اختلاف ہے۔ کیا ہم انہیں اہلِ مصر کی رؤیت کی وجہ سے غروب کے

فوراً بعد روزہ رکھنے کا مکلف قرار دے سکتے ہیں؟ نہیں اس لئے نہیں کہ یہ وقت انکے ہاں صبح کے طلوع کا ہوگا یا سورج نکلنے کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

یہ تمام تصریحات محققین ائمۂ حنفیہ کی ہیں جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان سب کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے۔ یعنی ایک علاقے کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے کافی نہیں مگر یہ کہ یہ دونوں کا مطلع ایک ہو۔ اگر چاند مغرب میں نظر آجائے جیسے "اندلس" والے دیکھ لیں توان کی رویت سے مشرق میں رؤیت لازم نہیں جیسے مکہ وغیرہ ہیں اس لیے کہ سورج ان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تو چاند اس کی شعاعوں میں چھپا ہوا تھا۔ ان کے ہاں رُؤیت ممکن ہی نہیں تھی۔ لیکن مغرب میں کچھ اور آگے بڑھنے سے چاند اس کی شعاعوں سے منفصل ہوجائیگا۔ اور رؤیت ممکن ہوجائے گی۔ اور پھر اس سے بھی آگے کے لئے چاند اور بھی نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ اس کا الٹ نہیں ہوتا۔ پس مکہ مکرمہ میں چاند دیکھ لیا جائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا اگر کوئی مانع حائل نہ ہو۔

ہلال کا لغوی مفہوم:۔ ہلال ظاہر ہونے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور چاند کے دیکھنے کے وقت اونچی آواز میں اٹھنا بھی اس کا معنی ہے۔ استھل الصبی کا مطلب ہے، بچّہ نے اونچی آواز کی۔ اھلال بالحج اونچی آواز سے تلبیہ کہنا۔ چاند دیکھ کر اونچی آواز سے لا الہ الا اللہ کہنا۔ کبھی کبھی ہلال شہر (ماہ) کے معنی میں اور شہر (ماہ) ہلال کے معنی میں بھی عربی میں مستعمل ہے، اھل الھلال۔ استھل۔ اھللناہ۔ استھللناہ اس کے استعمالات ہیں۔ یہ اکثر اہلِ لغت کا بیان کردہ مفہوم ہے۔

شمر کہتا ہے، استھل الھلال مبنی للفاعل چاند کے معنی ہیں اور مبنی للمفعول ماہ کے معنی میں جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شھر مستھل بعد شھر وحول بعدہ حول جدید

استھل تبین کے معنی میں بھی آتا ہے، اس کا استعمال اصل میں اھللنا عن لیلۃ کذا درست ہے۔ انتہی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔ "ہلال، ظہور اور رفع الصوت کے معنی میں ہے اس لئے جب تک اہل زمین کے لئے اس کا ظہور نہ ہو تب تک اس کے آسمان پر طلوع ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ باطناً نہ ظاہراً۔ انسانوں کے فعل (اسے دیکھنا اور عادۃً کہنا کہ یہ چاند ہے) سے اس کو ہلال نام دیا گیا ہے۔ جب تک انسان نہ دیکھ لیں ہلال نہیں بنے گا۔ ایک یا دو آدمی دیکھتے ہیں مگر یہ کسی کو بتاتے نہیں تو بھی ہلال نہیں ہوا۔ اس لئے کوئی حکم شرعی نافذ نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اس کی خبر نہ دیں۔ تو ان کا خبر دینا ہی ہلال ہے، جس سے رفع صوت کا مفہوم پایا گیا۔" اس سے واضح ہو گیا کہ ہلال میں ظہور اور نمایاں ہونے کا معنی ہے، ظاہر اور نمایاں ہونے سے قبل ہلال نہیں۔ پس اہل مشرق اہل مغرب کی رؤیت سے نہ روزے رکھیں نہ افطار کریں۔ اس لئے کہ مشرق میں ہلال ہے ہی نہیں کہ ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔

محققین مالکیہ کے اقوال:۔ ابن عبدالبرؒ التمہید میں لکھتے ہیں:۔ "علماء کا اجماع ہے کہ بہت دور کے شہروں میں ایک دوسرے کی رؤیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ خراسان اور اندلس میں دوری ہے، اس لئے کہ ہر علاقہ کا ایک مخصوص حکم ہے جو اسی سے مخصوص ہے، ہاں جو شہر قریب قریب ہیں ان کے لئے ایک ہی رؤیت کافی ہوگی۔"

نیز انہوں نے کہا:۔ "چاند کی خبر بطور حکم ہو یا دو عادل گواہوں کے دیکھنے کی ہو یا کسی بھاری جماعت کے دیکھنے کی بہر صورت قریبی بلاد ہی کے لئے معتبر ہے۔ بہت دور کے لئے نہیں۔ ابن عرفہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔

- ابن الشماعؒ کہتے ہیں:۔ "میرے والد نے ابو محمد بن بکر الفاسیؒ سے متعلق بتلایا کہ ان سے یہ سوال کیا گیا۔ اسکندریہ کی رؤیت سے ہم روزے رکھیں انہوں نے جواب دیا:۔ "نہیں لاقریب کی رؤیت کی وجہ سے تو روزے ہو سکتے ہیں دور کی رؤیت سے نہیں۔ محمد بن سابق کا قول ہے، اہلِ قیروان مکہ اور مدینہ اور ان جیسے دیگر دور کے شہروں کی رؤیت سے روزے نہ رکھیں یہ مسئلہ اجماعی ہے، نیز ابن الشماع کہتے ہیں "غسانی اور حربی ابن عباسؓ کی مذکور حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ذکر کرتے ہیں کہ اہلِ نجد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ان کی رؤیت اہلِ مدینہ سے ایک دن پہلے ہے، آپ نے فرمایا ہر شہر والوں

کے لئے انہیں کی رؤیت ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب بن عبد الرزاق "خلاصۃ العذب الزلال فی مباحث رؤیۃ الہلال" میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ ابن رشد نے "ہدایہ" میں کہا، علماء کا اجماع ہے کہ ایک دوسرے سے بہت دوری پر واقع علاقوں میں اس کی رعایت نہ کی جائے۔

• ابن جزی "القوانین" میں لکھتے ہیں، "امام شافعی کے نزدیک ایک شہر والوں کی رؤیت سے دوسرے شہروں میں حکم نافذ ہو جائے گا، ابن ماجشون اس کے خلاف ہیں، البتہ دور دراز مسافت پر واقع اطراف میں اس کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اندلس اور حجاز میں۔"

ابن البناء کہتے ہیں: "محمد بن نسیم نے کتاب المواقیت میں کہا ہے کہ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ بُعدِ مسافت کا اعتبار کیا جائے۔ جو شخص علی الاطلاق رویت کا حکم سب کیلئے ثابت کر دیتا ہے، مسافت قریب اور مسافت بعید کا فرق کئے بغیر وہ بُری تعلیم دے رہا ہے، اور اس کا یہ فیصلہ چاند کے وجود سے متعلق حکمتِ الٰہی سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی ہے، اور انسانوں کے لئے اللہ کے احکام کے مخالف بھی۔

• ہدایۃ المجتہد میں ابن رشد کہتے ہیں کیا کسی شہر والوں پر واجب ہے کہ دوسرے شہر والوں کی رؤیت کو اپنا لیں۔ یا ہر شہر میں الگ الگ رویت کا حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے، ابن القاسم اور مصری امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شہر والوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا تھا۔ تو یہ ایک دن کا روزہ قضا کریں، امام شافعی اور امام احمد نے بھی یہی کہا ہے، مدینہ والے امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ چاند دیکھنے کی خبر سے دوسروں پر رؤیت کا حکم لازم نہیں ہوتا مگر یہ کہ "امام" لوگوں کو اس پر آمادہ کر رہا ہو، ابن ماجشون اور مغیرہ اصحاب مالک میں یہی مذہب رکھتے ہیں، اور مالکیوں کا اس پر اجماع ہے، کہ بہت دوری پر واقع علاقوں میں ایک دوسرے کی رؤیت کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ اندلس اور حجاز میں انتہی۔

• امام قرطبیؒ تفسیر میں لکھتے ہیں ..... کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں شہر میں چاند نظر آگیا یا تو وہ شہر قریب ہوگا یا دور، اگر قریب ہے تو حکم ایک ہی ہے، اور اگر دور ہے تو ہر شہر کے لئے ان کی اپنی رویت کا اعتبار ہے۔"

• عکرمہؒ۔ سالمؒ۔ قاسمؒ سے بھی یوں ہی مروی ہے۔ ابن عباسؓ نے بھی ایسا ہی کہا ہے، اسحٰق کا مسلک بھی

یہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح کے باب لاهل کل بلد رؤیتهم میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ابن عباسؓ کے مقولہ ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کرتے ہوئے قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"ہمارے علماء نے کہا ہے۔ کہ ابن عباسؓ نے یہ کہہ کر تصریح کر دی ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے، اور یہ دلیل ہے۔ اس بات پر کہ شام اور حجاز جتنے دور کے علاقوں میں ہر شہر والے اپنی اپنی رؤیت پر عمل کریں۔ مگر یہ کہ مسلمانوں کا امام اعظم لوگوں کو دوسرے علاقہ کی رؤیت ماننے پر آمادہ کرے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے"

- ابن العربی نے کہا ابن عباسؓ کے اس قول کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس نے رد کیا کہ یہ خبر واحد تھی۔ بعض کہتے ہیں اس لئے رد کیا کہ دونوں علاقوں میں اختلاف مطالع کا تھا۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ کریبؒ نے گواہی روایت نہیں کی۔ بلکہ شہادت پر مبنی ایک فیصلے کی خبر دی ہے۔ اور بلا اختلاف ایک فرد کی خبر بھی مقبول ہے۔ اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ "اغمات" میں جمعہ کی رات چاند نظر آجائے، اور اشبیلیہ میں ہفتہ کی رات تو ہر ایک کی رؤیت ان کے اپنے لئے ہوگی۔ اس لئے کہ سہیل ستارہ اغمات پر منکشف ہوتا ہے اشبیلیہ میں نہیں۔ معلوم ہوتا ہے، کہ دونوں کا مطلع مختلف ہے۔
- خلاصۃ العذب الزلال میں ہے۔ قرانی نے "الفروق" میں کہا چاند کی رؤیت میں اختلاف اس لئے مجاز ہے کہ مشرقی بلاد میں چاند شعاعوں میں ہوتا ہے۔ جوں جوں سورج مغرب میں جائے گا۔ چاند شعاعوں سے نکل جائے گا۔ اور اہل مغرب اسے دیکھ لیں گے۔ اہل مشرق اسے پھر دوسری رات دیکھ سکیں گے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے، رؤیت چاند میں اختلاف کا یہ ایک سبب ہے، اور بھی اسباب ہوتے ہیں جیسا کہ علم ہیئت میں مذکور ہے (انتہی)

نیز کہا صحیح یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے جو لوگ اعتبار نہیں کرتے۔ وہ بُرا کرتے ہیں۔

- قرانی "الفروق" میں مزید لکھتے ہیں "یہ بات متفق علیہ ہے کہ آفاق کے اختلاف سے نماز کے اوقات میں اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے، ہر قوم کے لئے ان کی اپنی فجر اور ان کے زوال کا اعتبار رہے، اسی طرح چاند کے بارہ میں بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ مشرقی بلاد میں جب چاند شعاعوں میں ہوتا ہے اور سورج چاند کے ساتھ مغربی جہت میں حرکت پذیر ہوتا ہے، تو اس وقت سورج کے افق مغرب تک

پہنچتے ہی چاند شعاع سے نکل آتا ہے۔ پس اسے اہل مغرب دیکھ لیتے ہیں، اور اہلِ مشرق نہیں دیکھ پاتے۔ یہ بھی اعتبارِ اختلاف مطالع کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں۔ جو علم ہیئت میں مذکور ہیں جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، یہاں میں نے وہی سبب بیان کیا ہے۔ جو قریب الفہم ہے۔ جب یہ بات ہے کہ چاند آفاق کے مختلف ہونے کے ساتھ طلوع و غروب میں مختلف ہو جاتا ہے، تو ہر علاقہ کے لئے اس کی اپنی ہی رؤیت معتبر ہوگی، جس طرح ہر قوم کی اپنی فجر اور دیگر اوقاتِ نماز ہیں۔ یہی بات صحیح اور صواب ہے، اور ایک جگہ کی رویت سے تمام اقالیم میں روزوں کو ضروری قرار دینا قواعد اور دلائل کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔

ابن الماجشون نے کہا یہ شہادت کی بنا پر حکم اس شہر والوں کے لئے ہوگا۔ جس میں شہادت ہوئی مگر یہ کہ سلطانِ اسلام کے ہاں شہادت متحقق ہو اور وہ تمام لوگوں پر حکم لازم کر دے۔ تو سب پر حکم ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں تمام بلاد ایک بلاد کے حکم میں ہیں۔ کہ اس کا حکم کل بلاد میں نافذ ہے (بحوالہ عون المعبود شرح السنن لابی داؤد) یہ مالکی ائمہ محققین کے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شہر کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے۔ جب کہ دونوں میں دوری ہو۔ جیسا کہ کُرَیب مولی ابن عباس کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور ابن عباسؓ کا یہ فرمان بھی کہ "ہم روزے چاند کو دیکھ کر ہی رکھیں گے، یا پھر تیس دن کی گنتی پوری کریں گے۔ اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ اہلِ مدینہ اہل شام کی رؤیت پر عمل نہیں کرتے کہ ان کے درمیان دوری مسافت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے "چاند دیکھ کر روزہ رکھو، دیکھ کر افطار کرو" اسی طرح آپؐ نے فرمایا۔ "نہ روزہ رکھو حتیٰ کہ دیکھ لو، اور نہ افطار کرو۔ یہاں تک کہ دیکھ لو" یہ بھی صریح ہے کہ روزہ اور افطار تب واجب ہوں گے۔ جب کہ ان کا سبب چاند کو دیکھنا ثابت ہو جائے۔ نماز کے اوقات اس کی نظیر ہیں۔ صبح کی نماز صبح صادق کے وقت ہوگی۔ ظہر، زوالِ سورج کے بعد، عصر جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے، مغرب جب سورج غروب ہو جائے۔ عشاء جب سرخ شفق غائب ہو جائے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب مدینہ یا مکہ میں نماز کا وقت ہو جائے تو تمام بلاد میں یہ حکم ثابت ہو جائے گا؟ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہتا۔ چاند کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ ہر شہر والوں کے لئے ان کی

رؤیت ہے، بالخصوص جب کہ دو شہروں میں اتنی دوری ہو کہ ایک میں رؤیت ہو جائے تو دوسرے شہر والوں کے لئے چاند دیکھنا ممکن ہی نہ ہو۔ یہ ایک واضح بات ہے، جسے ائمہ و علماء نے ثابت کیا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

شوافع علماء و محققین کے اقوال:۔ امام نوویؒ شرح المہذب میں لکھتے ہیں، جب ایک شہر میں رمضان کا چاند دیکھ لیا جائے، اور دوسرے کسی شہر میں نظر نہ آئے تو دونوں اگر قریب ہیں تو ایک شہر کے حکم میں ہوں گے۔ بلا اختلاف دوسرے شہر والوں پر روزہ واجب نہیں ہوگا۔ مصنف مہذب ابواسحٰق شیرازی، بھی شیخ ابوحامد البندنیجی اور دوسرے علماء کا یہی فیصلہ ہے، العبدری، الرافعی اور اکثریت نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، ہے بھی یہی نظریہ درست۔ اس لئے کہ اگر شہر دور دور ہیں تو ہر ایک کی رؤیت ان کے اپنے لئے ہی ہے، کیونکہ مختلف بلاد میں طوالع اور غوارب مختلف ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مطلع اور مغرب کے احکام کی مخاطب ہے، دیکھئے فجر کا طلوع ایک بلد میں پہلے ہوتا ہے اور کسی جگہ بعد میں تو وہاں کے ساکنین کے لئے ہر بلد کا طلوع و غروب ہی معتبر ہوتا ہے، اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ انتہیٰ۔

ابن المنذر نے یہ نظریہ (عدم العمل برؤیۃ بلد آخر) عکرمہؒ، قاسم، سالم، اسحٰق بن راہویہ سے بیان کیا ہے، اور امام ترمذی نے اہل العلم کا یہی فیصلہ بتایا ہے، اور دوسرا کوئی مسلک بیان نہیں کیا۔

قرب۔ بُعد شہر کیا ہے جس سے رؤیت کے احکام مختلف ہوتے ہیں:۔ اہل عراق، امام صیدلانی اور شوافع کہتے ہیں دوری یہ ہے کہ مطالع مختلف ہوں جس طرح حجاز، عراق اور خراسان میں ہے اور قریب ہونا یہ ہے کہ مطلع مختلف نہ ہو جس طرح بغداد، کوفہ، رے اور قزوین ہیں۔ امام نوویؒ نے الروضۃ، المنہاج اور شرح المہذب میں اسے صحیح کہا ہے، اور (ملی نہایۃ المحتاج شرح المنہاج میں کہتے ہیں، جب ایک شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس کے قریبی شہر میں حکم نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح بغداد کوفہ ہیں، کہ یہ دونوں ایک بلد کے حکم میں ہیں، اور دور کے شہروں میں حکم نافذ نہ ہوگا۔ جیسا کہ حجاز اور عراق کے علاقوں میں دوری ہے صحیح تر بات یہی ہے، اور دوسرا خیال یہ ہے کہ بعید میں بھی حکم نافذ ہوگا۔ اور بعید کا معیار ان کے نزدیک مسافت قصر ہے مصنف (نوویؒ) نے شرح مسلم میں اسی کو صحیح کہا ہے اس

لئے کہ شرع کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ بعید کا معیار مطالع کا مختلف ہونا ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ چاند کے مسائل کا مسافتِ قصر سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز اس لئے بھی کہ کُریب کی روایت میں ہے کہ میں نے شام میں چاند دیکھا۔ پھر میں مدینہ آیا، تو ابنِ عباسؓ نے کہا تم نے چاند کب دیکھا ہے؟ میں نے کہا جمعہ کی رات کو انہوں نے کہا ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے، ہم اس کے مطابق روزے رکھ کر گنتی پوری کریں گے۔ میں نے کہا کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزہ رکھنے پر اکتفا نہ کریں گے، فرمایا، نہیں، کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

نیز طلوعِ فجر و شمس اور غروب پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

نیز اختلافِ مطالع کی وجہ سے مناظرِ کائنات میں اختلاف رونما ہوتا ہے، اس لئے بھی اس کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب: سوال پیدا ہوتا ہے کہ مطالع کے اعتبار میں منجمین کے فیصلہ جات اور علم الحساب پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ان کے اقوال کا شرعیات میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصول اور امورِ عامہ میں ان کے علم کا اعتبار سے یہ لازم نہیں کہ توابع اور امورِ خاصہ میں بھی ان کا اعتبار کیا جائے۔ اگر ان کے فیصلہ میں اتفاق مشکوک ہے، تو ان کے اختلاف کی صورت میں جو حکم ہے، وہی ہوگا۔ اس لئے کہ اصل عدمِ وجوب ہے، اور اس لئے کہ حکم کا وجوب رؤیت کی وجہ سے تھا۔ اور بلد رؤیت کے ساتھ دوسرے شہر کا قرب ثابت نہ ہو سکا۔ ہاں اگر اتفاق ہو جائے کہ فلاں اور فلاں شہر ایک مطلع میں ہیں تو ایک میں رؤیت سے دوسرے میں رؤیت کا فیصلہ کرنا لازمی ہوگا تاج تبریزی نے کہا ہے کہ اختلافِ مطلع چوبیس فرسخ (۷۲ میل) سے کم میں ممکن نہیں ہے، والدؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

سُبکیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا کہ اختلافِ مطلع کی صورت میں مشرقی شہر میں چاند نظر آجائے تو مغربی شہر میں چاند ضرور نظر آئے گا۔ اس کا الٹ ضروری نہیں ہے، سُبکیؒ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے،

اسنوی اور دیگر علماء بھی اس کے مؤید ہیں۔ مگر یہ اصول وہاں ہے۔ جہاں بلاد کی جہت اور عرض میں اتحاد ہو، اسی وجہ سے دو شخص جو ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ ایک مشرق میں رہتا ہے دوسرا مغرب میں، اور اپنی اپنی جگہ وہ زوال کے وقت مر جاتے ہیں۔ تو مغربی مشرقی کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے شہر کا زوال بعد میں ہوا ہے۔ انتہی۔

شیخ علی بن عبدالکافی السبکی اپنی کتاب "العلم المنشور فی اثبات الشهور" میں یہ تصریح کرتے ہیں "ایک شہر میں چاند دیکھ کر تمام بلاد دنیا میں لازم قرار دینا بہت کمزور بات ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے خلفائے راشدین سے یہ منقول نہیں کہ وہ چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں چاند کی اطلاع دیتے تھے۔ اگر یہ حکم لازم ہوتا تو وہ ضرور ایسا کرتے کہ وہ دین سے خوب اعتنا رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں، کہ بعض بلاد میں چاند ایسے وقت میں نظر آتا ہے کہ دوسرے بلاد میں دیکھنا ممکن ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ہمیں یہ قطعی علم ہے کہ سورج بعض جگہ پہلے غروب ہو جاتا ہے، یہی حال طلوع، زوال، فجر اور غیاب شفق کا ہے، جب سورج (بظاہر) حرکت میں آتا ہے، تو ہر جگہ کے لوگوں کے لئے فجر بنتی ہے، کہیں زوال ہوتا ہے اور کہیں غروب تو ہر قوم کے لئے احکام نماز میں ان کا اپنا غروب، طلوع اور زوال معتبر ہے۔ اس پر چاند کو قیاس کر لیجئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ نے ہر قوم کو ان کے اپنے حالات کے مطابق مکلف بنایا ہے۔

حضرت عکرمہؒ، قاسمؒ، سالمؒ، اسحاقؒ اور ابن المبارکؒ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں ہر شہر والوں کیلئے ان کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا۔ شیخ نے مزید کہا امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے۔ "باب لکل بلد رؤیتهم" لیکن میں نے صحیح بخاری کے مختلف طبع کے نسخے اور مخطوطے ملاحظہ کئے ہیں، مگر مجھے یہ باب نہیں مل سکا۔ قرطبی نے بھی اس تبویب بخاری کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ ہم مالکیوں کے اقوال کے ذیل میں بیان کرائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ سبکیؒ اور قرطبیؒ کے پاس صحیح بخاری کے نسخوں میں یہ باب موجود ہو یا پھر شیخ سبکی نے قرطبی کی تقلید کی ہو۔ ہاں! تو ایک جگہ چاند دیکھ کر تمام بلاد میں حکم لگانا اس بات کو لازم بناتا ہے، کہ زمین مسطح ہے، جیسا کہ رافعی نے شرح الوجیز میں کہا (ص ۲۷۱ جز سادس) اور یہ نظریہ ہیئت کے ماہرین کے متفقہ فیصلے کے مطابق باطل ہے، وہ کہتے ہیں کہ زمین کروی ہے، اور جس چیز کی بنا

باطل ہو، وہ خود بھی باطل ہے،

شوافع میں ہمارے پیش کردہ موقف کے قائلین میں امام الحرمین، غزالی اور امام بغوی کا نام بھی آتا ہے، رافعی نے اپنی شرح صغیر اور المحرر میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے، رافعی نے حاشیہ انقناع میں بھی لکھا ہے، (جو شافعی مسائل فرعیہ میں ہے) چاند کی رؤیت نہ دیکھنے والوں کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گی۔ جب کہ مطلع ایک ہو، یعنی غروب سورج وکواکب اور ان کا طلوع دونوں شہروں میں ایک وقت میں ہو۔ لیکن اگر کسی شہر میں طلوع اور غروب پہلے ہوتا ہے، دوسرے میں بعد کو چاند نہ دیکھنے والوں پر حکم واجب نہیں۔ اس امر کا مرجع طول بلد اور عرض بلد ہے، مسافت قریب ہو یا بعید۔

ہاں بلد شرقی میں اگر رویت حاصل ہوئی ہے، تو بلاد غربیہ میں ضرور ہونی چاہیئے، اس کا برعکس نہیں مثلاً مکہ مشرقہ اور مصر کو لیجئے اگر مکہ میں چاند نظر آ گیا۔ تو مصر میں لازماً نظر آئے گا۔ مگر مصر میں نظر آنے سے لازم نہیں کہ مکہ میں بھی نظر آجائے۔ انتہیٰ۔ امام نووی قصہ کریب والی حدیث ابن عباس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک شہر میں چاند دیکھ لیں، تو اس کا حکم دور والوں کے لئے ثابت نہیں ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں ایک جگہ کی رؤیت کا حکم تمام زمین والوں کو حاوی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کریب کی خبر پر عمل اس لیے نہیں کیا تھا کہ شہادت ایک آدمی کے قول سے ثابت نہیں ہوتی لیکن ظاہر حدیث سے یہ واضح ہے کہ ابن عباس نے اس بات کو اس لئے رد نہیں کیا۔ بلکہ اس بنا پر کہ دور والوں کے لئے رؤیت کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

شوافع کے اقوال اس بارے میں بکثرت ملتے ہیں۔ جن کا استقصار کر کے ہم طوالت نہیں کرنا چاہتے بہر حال اختلاف مطالع کی صورت میں اقوال ائمہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ سے ثابت ہو گیا کہ ایک شہر کی رؤیت سے دوسرے شہر کے لئے رؤیت کا حکم لازم نہیں ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مطالع کے مختلف ہونے پر اتفاق نقل کر چکے ہیں۔ ان حالات میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ایک بلد میں رؤیت ہونے سے دنیا کے تمام مسلمانوں پر روزہ اور افطار لازم کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات بھی اسی امر پر دال ہیں کہ ایک شہر

کی رؤیت وہیں کے باشندوں کے لئے ہے، صحابہ کرامؓ، تابعین کا عمل بھی اسی پر ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں لکھا ہو کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے لہٰذا تم ایک دن کی قضا کر دو۔ اگر کبھی ایسا ہوتا تو اس مسئلہ کی عمومیت اور اہمیت کا تقاضا تھا کہ ضرور یہ نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دوسرے مسائل او قات کی طرح اس میں بھی ہر علاقہ کے لوگ اپنی ہی رؤیت کا اعتبار کرتے تھے۔

فقہائے حنابلہ کے اقوال:۔ اب علمائے حنابلہ کے اقوال بھی ملاحظہ فرمالیں۔

الانصاف میں ہے، "ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو تمام لوگوں پر روزہ لازم ہو جائے گا۔ مطلع ایک ہو یا مختلف"

یہ اصل مذہب ہے، لیکن یہ مسلک مفردات سے ہے، (شیخ الاسلام) ابن تیمیہؒ کا مختار یہ ہے کہ "جس شہر میں چاند نظر آئے وہاں کے باشندوں پر جس طرح روزہ لازم ہو گا، ان پر بھی ہو گا..... جو اس مطلع کے قرب میں رہتے ہیں" نیز وہ کہتے ہیں، مطالع کے اعتبارِ اختلاف میں اہل معرفت کا اتفاق ہے، اگر مطلع ایک ہو، پھر تو روزہ لازم ہے، بصورت دیگر نہیں"

(کتاب الرعایۃ الکبریٰ میں ہے، جس نے نہیں دیکھا اس پر بھی وہ حکم لازم ہو جائے گا۔ جو دیکھنے والے پر ہے، تاہم یہ اسی کے لئے ہے، جو قریبی مطلع میں ہے، یا دونوں کا مطلع ایک ہی ہو مگر مسافتِ قصر سے کم مسافت میں۔ مطلع مختلف ہے، اور اگر مسافتِ قصر سے زیادہ ہے تو یہ حکم نہیں انتہی۔ ملخصاً۔

صاحب "الانصاف" نے صراحت کی ہے کہ یہ مذہب کہ "رؤیت کا اعتبار ہر ایک کے لئے ہو چاہے مطلع ایک ہو یا مختلف" مفردات سے ہے، یعنی جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، ناظم "المفردات" نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ؎

اذا رأی الھلال اھل بلد صام جمیع الناس فی الجود

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ایک شہر میں رؤیت ہو جانے سے تمام مسلمانوں پر روزہ اور افطار لازم کہنا صرف امام احمد کا ہی مذہب ہے، لیکن در حقیقت بات ایسے نہیں کیونکہ امام احمدؒ کے ساتھ فقہائے مالکیہ حنفیہ کی ایک

جماعت اور بعض شوافع کا بھی یہی نظریہ ہے، مگر حق وہی مسلک ہے، جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ہر علاقے کیلئے اسی علاقے والوں کی رؤیت کا اعتبار ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ اختلافِ مطالع میں اہل معرفت کا اتفاق ہے، اگر مطلع ایک ہو تو روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ شافعیہ کا صحیح ترین قول یہی ہے، اور ایک قول میں امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

نیز فرمایا۔ مشرق و مغرب کے اختلاف سے چاند کی رؤیت مختلف ہو جاتی ہے، مشرق میں اگر چاند نظر آجائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا۔ لیکن مغرب میں دیکھنے سے مشرق میں دیکھا جانا ضروری نہیں کیونکہ مغرب میں سورج کا غروب دیر سے ہوتا ہے، اس اثنا میں چاند سورج سے کچھ اور دور ہو کر مزید روشن ہو چکا ہوگا۔ تو مغرب میں رؤیت اور بھی واضح ہوگی، مغرب میں چاند کے نظر آنے سے مشرق کے لئے ایسا نہیں ہو سکتا الٹا چاند اور بھی مشرقی علاقہ سے دور چلا جائے گا۔ یوں سمجھئے کہ مشرق میں سورج کے غروب کے وقت چاند سورج کے قریب تھا۔ جب مغرب میں چاند نظر آئے تو مشرق والوں سے چاند بھی غروب کر چکا ہے۔ رؤیت کیسے ممکن ہوگی۔ چاند سورج اور دوسرے سیارگانِ فلکی کے بارہ میں یہ بات مشاہدہ کی ہے۔ دیکھئے مغرب میں مغرب کا وقت ہو تو مشرق میں بھی ضرور ہوگا۔ اس کے برعکس نہیں ایسے ہی مغرب میں طلوع ہو جائے تو مشرق میں ضرور چاند ہوگا، اس کے الٹ نہیں ہو سکتا۔ پس چاند کا طلوع اور رؤیت مغرب میں پہلے ہوتے ہیں۔ چاند کے سوا فضائے سماوی میں دوسرا کوئی سیارہ نہیں جس کا طلوع مغرب سے ہوتا ہوا ور اس بنا پر کہ اس کا سبب ظہور، سورج سے دوری ہوتی ہے تو جتنا اس کا غروب متاخر ہوگا، یہ اتنا ہی سورج سے دور ہوتا چلا جائے گا۔"

نیز فرمایا ۔۔ اس کی دلیل ہمارا یہ یقینی علم ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ بعض شہروں میں پہلے چاند دیکھ لیتے کچھ دوسرے شہروں میں بعد کو دیکھتے یہ ایک عام قدرتی معمول ہے، جس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہلے ماہ کے دوران ان کے پاس ایک دوسرے کی خبریں بھی پہنچ جاتی ہوں گی۔ اگر بعد میں دیکھنے والوں پر قضا روزہ واجب ہوتا تو تمام بلدانِ اسلام میں رؤیت ہلال کے بارہ میں اسلاف معلومات حاصل کرنے کے لئے پوری قوت اور وسائل استعمال کرتے جیسا کہ ایک شہر

بس چاند کے بارہ میں کیا جاتا ہے۔ اور پھر اکثر مہینہ ہائے رمضان میں قضا کسی نہ کسی جگہ ضرور ثابت ہوتی۔ اگر ایسا ہوچکا ہوتا تو نقل در نقل کے ذریعہ یہ باتیں ہم تک ضرور پہنچ جاتیں۔ مگر ایسی کوئی چیز ہم تک نہیں پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن عباس ؓ کی مذکورۃ الصدر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

یہ ہیں تمام مذاہب کے اہلِ علم اکابر کے اقوال جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہر والوں کے چاند دیکھ لینے سے دور دراز کے بلاد میں عمل کرنا لازم نہیں ہوتا۔ جبکہ مطالع میں اختلاف ہو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں ایک دوسرے کی طرف خط وکتابت نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی دوسرے شہروں میں چاند دیکھنے کے پیچھے پڑتے تھے۔ علماء مذکورہ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث اور حدیث صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته سے ہے کہ ہر ایک علاقہ والوں کے لئے ان کا اپنا دیکھنا معتبر ہے۔ اس بارہ میں ہم نے علماء کے اقوال جو نقل کئے انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ طالبین حق کے لئے یہ بس ہے اور اس میں کفایت ہے، واللہ الموفق الہادی الی سواء السبیل۔

رویت ہلال کا مسئلہ علم ہیئت اور جدید جغرافیہ کی روشنی میں: یہ ہے کہ سورج کے غروب کے وقت چاند اگر کسی بلد میں آٹھ درجے اونچا ہے، یعنی اتنا اونچا ہے کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد بتیس منٹ تک رہے گا۔ تو ایسا چاند مشرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک ضرور موجود ہے، اگر کوئی رکاوٹ بادل، غبار یا اسی قسم کی کوئی اور کثیف چیزیں درمیان میں حائل نہ ہوں تو اس بلد سے مشرق میں مذکورہ مسافت تک یہ چاند ضرور افق پر دیکھا جاسکے گا۔ بعض علم ہیئت والوں کا کہنا ہے کہ چاند ہر ستر میل پر ایک درجہ بڑھتا ہے، اور کم ہوتا ہے، یعنی جس شہر کی رُؤیت میں چاند آٹھ درجہ پر تھا، اس بلد سے ستر میل مشرق میں جو شہر ہے، وہ سات درجے پر واقع ہوگا۔ اور اس بلد سے جو بلد ستر میل مغرب میں ہے، وہاں چاند نو درجے پر ہوگا۔

جب ایک شہر میں چاند نظر آجائے تو اس شہر سے مغرب میں جو شہر موجود ہیں، سب میں چاند ضرور ہوگا۔ یہ علم ہیئت کے مسلمات سے ہے، اور اگر کسی غربی شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس شہر سے مشرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک چاند کا اعتبار کیا جائے لیکن مغربی بلاد میں مطلقاً اعتبار ہوگا

کسی مسافتِ معینہ کی قید لگائے بغیر۔ واللہ اعلم۔ انتہیٰ۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح)

شیخ محمد بن عبدالوہاب بن عبدالرزاق اپنی کتاب خلاصۃ العذب الزلال میں لکھتے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ سورج اور چاند کا اجتماع آنِ واحد میں واقع ہوتا ہے۔ اطرافِ عالم اور بلادِ مختلفہ کے اختلاف سے اس میں تعدد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اجتماع فلک پر ہے، اور یہ کوئی امورِ نسبیہ سے نہیں کہ جن کا تعلق اطوال بلاد کے اختلاف سے ہو۔

مثلاً فرض کیجئے مراکش کی نسبت سے سورج اور چاند کا اجتماع بارہ بجے دن ہے، تو یہی لحظہ دنیا کے دوسرے شہروں میں ان کے اجتماع کا وقت ہوگا۔ حالانکہ اس وقت الجزائر میں بارہ بج کر چوالیس منٹ کا وقت ہے اتیونس میں ایک بج کر تیرہ منٹ قاہرہ میں دو بج کر بیتیس منٹ۔ مکہ اور مدینہ میں تین بج کر بارہ منٹ۔ بمبئی (انڈیا) میں پانچ بج کر تیئیس منٹ۔ ٹوکیو (جاپان) میں رات کے نو بج کر اکیاون منٹ۔ ہاوای میں دو بج کر بارہ منٹ رات۔ نیویارک میں سات بج کر پینتیس منٹ صبح کا وقت ہوگا۔

سو وقت اجتماع ایک ہے، لیکن ہماری نسبت سے زوال ہے، مکہ اور مدینہ میں عصر کا وقت بمبئی میں مغرب کا وقت، ٹوکیو میں آدھی رات کے قریب، ہاوای میں فجر کا وقت اور نیویارک میں سورج کے طلوع کا وقت ہے ۔ بعینہٖ یہی بات خسوفِ قمر کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے، اس لئے کہ چاند کی بدء، توسط اور مکمل روشن ہونا یہ طول بلد کے اختلاف سے رونما ہوتا ہے انتہیٰ۔

اس قسم کی تفصیل سے مطالع ہلال کا مختلف ہونا واضح ہو جاتا ہے، مثلاً مغرب میں جب چاند دیکھ لیا گیا۔ تو مشرق میں دوسری رات ممکن ہوگا۔ اس لئے کہ چاند مغرب میں شعاعوں سے معمولی پیچھے ہٹتا ہے، اور نظر آگیا ہے، مگر مشرق میں جب تھا شعاعوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کا دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کہ ان بلاد میں طویل مسافت ہے، اور طول البلد و عرض البلد میں بھی اختلاف ہے، علامہ احمد بن محمد السلاوی التطوانی کہتے ہیں سورج اور چاند فلک بروج کے ایک درجہ میں اجتماع واحد شئی ہے، نواحی اور شہروں کے اعتبار سے اس میں تعدد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ امور نسبیہ سے ہے، کہ طول کے اختلاف سے اس میں اختلاف ہو جائے، جیسا کہ طلوع غروب اور زوال کا معاملہ ہے، بنا بریں اگر ہم فرض کرتے ہیں

کہ ان کا اجتماع "برج حمل" کے پہلے درجے میں تھا۔ جب کہ قوس لیل اور قوس نہار مساوی ہوتے ہیں، یعنی ہر ایک بارہ گھنٹے کے ہوتے ہیں، اور یہ اجتماع "فاس کے نصف میل کے خط میں واقع ہو، اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اجتماع کے وقت سے اقل مدت جس کے بعد رؤیت چاند ممکن ہو جاتی ہے اٹھارہ گھنٹے ہے تو فاس میں رؤیت کا وقت جب آئے گا، یعنی غروب سورج کے وقت۔ تو اہل فاس کی نسبت سے اٹھارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اس لئے انہیں چاند نظر آجائے گا۔ مگر اسی دن مکہ والوں پر جب غروب سورج ہوا تھا۔ اجتماع کے وقت سے اس وقت تک چونکہ اٹھارہ گھنٹے نہیں گزرے ہیں، اس لئے ان کی نسبت سے چاند کی رؤیت ممکن نہیں ہے، ان کو چاند اگلے دن نظر آئے گا۔ کیوں کہ اجتماع کے وقت سے پندرہ گھنٹے ہی پورے ہوئے ہیں، اس لئے کہ مکہ والوں کا سورج تین گھنٹے پہلے غروب ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ مکہ اور فاس میں تین گھنٹے کا فرق ہے، کیونکہ دونوں میں ۴۵ درجہ کی مسافت طول ہے جو کہ تین گھنٹہ کی بنتی ہے۔ ا۔ھ۔

شیخ طنطاوی جوہری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں: "جتنا بلاد مغربی جہت میں دور ہوتے جائیں گے اسی قدر چاند اور نمایاں ہوتا جائے گا۔ اور رؤیت ہلال کی ابتداء جس خط طول پر واقع ہوئی اس سے مشرق میں واقع شہروں میں اگلی رات چاند نظر آئے گا۔ کریب کی حدیث کو دیکھیں کہ شام میں انہوں نے چاند جمعہ کی رات کو دیکھا مگر اہل مدینہ نے ہفتہ کی رات کو۔ دمشق کو دیکھیں خط طول مشرقی جرینش (۳۵) پر واقع ہے، اور مدینہ خط طول مشرقی (۴۰) پر ہے"۔ اس کے بعد شیخ نے مرصد حلوان کے مدیر عام کا یہ قول نقل کیا ہے، جب مکہ مکرمہ میں چاند دیکھنا ممکن ہو تو دمشق (شام) میں اور مصر میں دیکھنا ممکن ہوتا ہے، جب مطلع صاف ہو۔ لیکن ان تمام بلاد میں دیکھنا یقینی نہیں ہوگا۔ جو خط طول پر واقع ہیں۔ مگر اس صورت میں کہ خط عرض میں اختلاف ہو۔

شیخ طنطاوی جوہری مزید لکھتے ہیں: "ہر وہ شہر جس میں پہلے چاند کی رؤیت ہو جائے تو اس کے مغرب میں واقع تمام شہروں میں قطعاً چاند دیکھا جائے گا۔ اور وہ چاند زیادہ واضح اور زیادہ روشن ہوگا۔ نظر آجائے یا کسی مانع کی وجہ سے نہ دیکھا جا سکے۔ لیکن بلد غربی میں چاند کی رؤیت سے بلد مشرقی میں رؤیت لازمی نہیں۔ غربی بلد سے مراد کم طول والا اور مشرقی بلد سے مراد زیادہ طول والا ہے۔ مثلاً

اہل کویت اگر چاند دیکھ لیتے ہیں جن کا طول بلد ۷۰ ہے تو ضروری نہیں کہ اہل مسقط بھی دیکھ سکیں کیونکہ ان کا طول ۵۸ ہے اور یہ کویت سے مشرق میں ہے، اسی طرح اہل "شارقہ" جس کا طول ۵۴ درجہ ہے اور "قطیف" والے جس کا طول پچاس درجہ ہے بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

مگر اہل "بغداد" جس کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور "نجف" والے جس کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور "کربلا" جس کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور "سماوہ" والے جس کا طول ۴۵ درجہ ہے، دیکھ لیں گے۔ اسی اصول پر قیاس کرتے جائیے۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر دو بلد طول و عرض میں برابر ہیں جس طرح "برو سیا" والے ایشیائے کوچک میں اور "سکدار اور رابزان" یہ تمام طول (۲۹) درجہ پر ہیں، اور ان کا عرض چالیس کے قریب ہے، ہم فیصلہ کریں گے ان تمام میں ایک ہی وقت چاند ظہور کرے گا۔ اور اگر طول میں مساوی ہیں، مگر عرض میں اختلاف ہے جیسا کہ عجم میں "تبریز" شہر ہے، جس کا طول ۴۶½ ہے اور بصرہ جس کا طول ۴۷ ہے، مگر پہلے کا عرض ۳۸ ہے، اور دوسرے کا ۳۰۔ تو اس میں یہ غور و فکر کرنا ہوگا۔ احتمال ہے کہ چاند نظر آجائے کیونکہ دونوں ایک طول پر ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ نہ دیکھا جا سکے، کیونکہ عرض میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اختلاف عرض کا اثر بہت کم ہوتا ہے، مگر کچھ نہ کچھ ہونا ضرور ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں تمام ملکوں میں رویت کے احکام کی وحدت کے خوفناک نتائج!

جو لوگ ہمارے اس دور میں عالم اسلامی کے سیاسی رجحانات پر نظر رکھتے ہیں کہ مسلمان متفرق حکومتوں کی شکل میں بٹ چکے ہیں، اور تعلیمات اسلام سے کوسوں دور ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ دینی جذبہ کم ہو گیا ہے۔ نظریات اور اہداف (نصب العینوں) میں دنیاوی اور سیاسی اغراض کی حکمرانی ہے، اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرف میلانات ہیں۔ وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بلد کی رؤیت دوسرے بلاد اسلامیہ کے لئے نافذ کرنا اگر درست بھی ہو پھر بھی یہ عملاً ممکن نہ ہو سکے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک ملک میں چاند نظر آجائے تو اگر دوسرا ملک پہلے کے ساتھ اچھے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے تو وہاں کے مفتی سے (سیاسی یک جہتی کی بنا پر) اول الذکر کی رؤیت پر عمل کرنے کا فتویٰ حاصل کر لیا جائے گا۔ اور اگر دونوں حکومتوں کے تعلقات درست نہیں، اور ایک میں چاند نظر آجائے تو ہو سکتا

ہے حکومتی مفتی بڑی آسانی کے ساتھ فتویٰ صادر فرما دیں کہ ہر ملک کے لئے ان کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا۔

ان حالات میں اسلام کیا ہوا؟ اس کے احکام کیا ہوئے؟ (معاذ اللہ) سیاست اور سیاسی کارندوں کے ہاتھ کا کھلونا، حق کا اعتبار کئے بغیر جس طرح چاہیں گے مروڑتے رہیں گے۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عالم اسلام اس وقت مختلف ریاستوں اور مختلف قومیتوں میں جن کے اہداف مختلف ہیں تقسیم ہو چکا ہے، کوئی اہلِ مغرب (اینگلو امریکن بلاک) کی طرف میلان رکھتا ہے، اور کوئی مشرق (روسی بلاک) کی طرف جھکا ہوا ہے۔ اور دوستی اور صداقت بھی اسی اصول سے ہے، پھر اس حد پر بھی نہیں ٹھہرے بلکہ شرعی احکام کو اپنے سیاسی اتجاہات اور دنیادی اغراض کے ماتحت منانے پر تلے ہوئے ہیں، وہ روزہ رکھیں گے۔ اگر کسی دوست ملک میں چاند نظر آ گیا۔ اور افطار بھی کریں گے، اور اگر مخالف میلانات والے ملک میں چاند نظر آیا تو نہ روزہ نہ افطار۔

خلاصہ المرام ایں کہ:۔ بالفرض اگر مسئلہ حق اسی کو مان لیا جائے کہ ایک بلد میں رؤیت تمام بلادِ اسلامیہ کے لئے رویت کا حکم رکھتی ہے، تو بھی اس کا عملی نفاذ کسی صورت ممکن نہیں ہے، رابطہ عالم اسلامی اور دوسری اسلامی تنظیمیں کتنی ہی قرار دادیں کیوں نہ پاس کرتی رہیں، فاللہ المستعان۔

تاہم بحمد اللہ تعالیٰ حق نہایت واضح اور درخشاں ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ کے لئے اسی علاقہ میں چاند دیکھنے کا اعتبار کیا جانا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی پوری پوری توضیح کی ہے۔ اس بارہ میں ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسالک علمائے اجلہ پر اعتماد کیا ہے۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا الی یوم الدین۔

سوال:۔ اگر رمضان شریف ۲۹ دن کا ہو اور ایک پہلا روزہ ہم نے بوجہ چاند نہ دکھائی دینے کے کھالیا۔ اور ہمارے ۲۸ ہی ہوئے تو کیا ہم ۲۸ روزے کرکے عید کرلیں؟

جواب:۔ اس صورت میں عید کرکے ایک روزہ قضا کرنا ہوگا۔ کیونکہ مہینہ ۲۸ روز کا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (۲۸ شوال ۴۳ھ)

تشریح:۔ بابت رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع۔ از مولانا محمد یحییٰ الاعظمی عالم فاضل پروفیسر عربی کالج رائے درگ۔

علم ہیئت کے اصول پر زیر نظر مسئلے کو مختصر ذکر کروں گا۔ ضمناً اختلاف رؤیت، رویت ہلال قبل الزوال و بعد زوال، تشکلات قمریہ، کسوف و خسوف وغیرہ بھی مذکور ہوں گے۔ بطور مقدمہ اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ سورج ایک آگ کا گولہ ہے۔ اور اس کی روشنی ذاتی ہے، کسی دوسرے ستارہ سے مستفاد نہیں۔ اور ہر حال میں پورا پورا روشن رہتا ہے، اور اپنے ارد گرد ضیا پاشی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج کا طلوع و غروب ہمارے اعتبار سے ہے ورنہ ذاتی طور پر اُسے طلوع و غروب لاحق نہیں بخلاف چاند کے کہ اس کی روشنی ذاتی نہیں ہے، بلکہ یہ تو محض ایک صاف شفاف جسم اور نیلگوں رنگ کا گولہ ہے، اور سورج کی روشنی اس پر پڑنے کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے، سورج اوپر اور چاند نیچے ہے۔ سورج کی روشنی سے ہمیشہ چاند کا وہ نصف حصہ جو سورج کی طرف ہوتا ہے، روشن رہتا ہے، اور پچھلا نصف حصہ ہمیشہ تاریک اور بے نور رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ چاند سورج کی نزدیکی اور اس سے دوری کی بنا پر گھٹتا بڑھتا دکھائی دیتا ہے ثانیاً یہ کہ سورج فلک الافلاک کی حرکت سے ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اپنی ذاتی حرکت سے تقریباً ۳۶۵ ¼ روز میں ایک دور پورا کرتا ہے، (اسی کو ہم شمسی سال کہتے ہیں) بنا بریں علیہ اوسطاً ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ روزانہ مغرب سے مغرب کی جانب علی توالی البروج حرکت کرتا ہے، اور چاند اپنی ذاتی حرکت سے بعد منتہائی مائل وغیرہ ۲۷ ½ یوم میں ۲۷ (عند اہل ہند) یا ۲۸ (عند اہل مغرب و فارس) منزلیں طے کرکے اپنا ایک دور پورا کرلیتا ہے۔ اور اوسطاً (۱۳) درجہ (۱۰) دقیقہ

(۳۵) ثانیہ (۲) ثالثہ روزانہ مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے۔ اب اگر سورج کی روزانہ حرکت چاند کی روزانہ حرکت سے تفریق کر دی جائے۔

	درجہ	دقیقہ	ثانیہ	ثالثہ
حرکت چاند روزانہ	۱۳	۱۰	۳۵	۲
حرکت سورج روزانہ	۰	۵۹	۸	۲۰
باقی	۱۲	۱۱	۲۶	۴۲

تو باقی ماندہ مقدار حرکت چاند روزانہ سورج سے چاند کے فصل اور دوری کی مقدار ہوگی بنا بریں اجتماع حقیقی سے ۱۴ یوم ۱۸ گھنٹے ۲۲ منٹ بعد (۱۸۰) درجہ سورج سے دور اور ۲۹ یوم ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ بعد پھر اجتماع حقیقی ہو جائے گا۔ اور زمانہ محاق کی مدت اوسطاً ۷۴ گھنٹے ۱۶ منٹ ہے۔ ثالثاً یہ کہ رؤیت ہلال کا حساب نہایت ہی دقیق ہے کیونکہ اس کا دار و مدار قوس المرئیہ کی تحدید پر ہے اور یہ سخت دشوار ہے اس لئے کہ جرم قمر کا اوج و حضیض کی وجہ سے مرکز عالم سے قریب ہوتے رہنا اور پھر دور ہوتے رہنا۔ اس کی حرکت کا بطوء اور سرعت میں مختلف ہوتے رہنا، اور اس کا خطِ استوا سے عرض میں کم و بیش ہوتے رہنا۔ خود شہروں کے عرض کا کم و بیش ہونا سورج سے مختلف دوری پر بھی بے موقع ہلال بنتے رہنا وغیرہ وغیرہ امور قوس المرئیہ کی تحدید میں دشواری پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ مختلف حالات میں ایک ایک شہر کے لئے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں قوس المرئیہ کا امکان ہے۔ بنا بریں متقدمین علماء فن نے قوس الرؤیۃ القمر کی بحث ہی کو حذف کر دیا ہے۔ ہاں متاخرین نے اس پر بحث کی ہے۔ والمتأخرون ذکروا فیه کلاما مختلفا اکثرہ لاطائل تحته لعدم انضباط واما الامر الاوسط الذی یعمل باصحاب وھو انه اذا کان البعدین النیرین فی الاقلیم الرابع اثنی عشرۃ درجۃ من دور الفلك فانه یری (نھایۃ الادراك ص۲۳۴) اور متاخرین علمائے فن نے قوس الرؤیۃ کے بارہ میں مختلف باتیں لکھی ہیں۔ جن میں اکثر ضابطہ کے تحت نہ آ سکنے

کی وجہ سے بے فائدہ ہیں۔ البتہ اوسط قوس الرؤیۃ جس پر زائچہ بنانے والوں کا عمل ہے یہ ہے کہ جب اقلیم رابع میں چاند اور سورج میں ۱۲ درجہ کی دوری ہو جائے تو ہلال نظر آ جائے گا۔ بنا بریں ہم نے بھی اوسط قوس الرؤیۃ ۱۲ درجے کو اختیار کیا ہے ورنہ مختلف صورتوں میں اس سے بھی کم و بیش قوس الرؤیۃ ہوا کرتی ہے، اور یہی قوس اختلاف مطالع کی مقدار ہے۔

رابعاً یہ کہ بوقت طلوع الشمس ونصف النہار وغروب شمس ونصف اللیل اور ان کے مابین غرض ۲۴ گھنٹے یومیہ کا ہر منٹ ہر سکنڈ اس کا متحمل ہے کہ اس وقت چاند قوس الرؤیۃ پر پہنچ کر ہلال بن جائے، اور یہ صرف احتمال ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا ہی نفس الامر میں واقع ہوا کرتا ہے۔ اور چاند کے سورج سے ہٹ کر قوس الرؤیۃ پہ پہنچ کر ہلال بن جانے کے لمحات مختلف مہینے۔ سال، صدی میں مختلف ہوا کرتے ہیں جس کو اہل تقویم چاند اور سورج کی رفتار منضبط کے ماتحت حساب لگا کر ہر ماہ ایک متعین شہر کے لئے اس لمحہ کی تعیین کر دیتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے عمدہ تقویم وہ ہے جو نائیکل المنک کے نام سے سال بسال رصدگاہ لندن سے شائع ہوا کرتی ہے، نیز یہ تقویم سیاروں کی حرکات یومیہ اور دیگر معلومات کا خزانہ ہے۔

اچھا اب آپ رؤیت ہلال کے وقت سے چاند کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کس قدر باریک اور سورج کے قریب ہوتا ہے۔ پھر دوسرے دن شام کو دیکھئے تو آپ کو قدرے بڑا اور مشرق کی جانب دور نظر آئے گا۔ پھر تیسرے دن اور بڑا اور زیادہ جانب مشرق دوری پر معلوم ہو گا۔ بات یہ ہے کہ چاند سورج سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کا روشن حصہ ہماری طرف رُخ کرتا جاتا ہے، اسی طرح دیکھتے رہیئے یہاں تک کہ چودھویں شب اور کبھی تیرھویں شب اور پندرھویں شب کو چاند سورج کے مقابل جانب مشرق ۱۸۰ درجہ یعنی نصف دور فلک کی دوری پر ہوتا ہے، اگر سورج مغربی افق میں اپنا سر چھپا رہا ہے تو چاند افق شرقی سے اپنی نورانی شعاعیں ہم پر پھینک رہا ہے۔ گویا آمنے سامنے برابر کی جوڑ ہے۔ اسی استقبال کی حالت

ہیں ہم چاند کو بدر یا ماہِ کامل اور اس تاریخ کو پور نماشی کہتے ہیں۔ اس وقت چاند کا نصف روشن حصہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اسی استقبال کے زمانہ میں اگر چاند، زمین اور سورج ایک خطِ مستقیم پر واقع ہو جائیں تو چاند گرہن ہو جائے گا، اس کے بعد پھر وہ یوماً فیوماً سورج کے قریب ہونے لگتا ہے، اور ہم کو گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس میں بھی وہی بات ہے، مگر برعکس کیونکہ چاند کے سورج سے قریب ہوتے رہنے سے اس کا روشن حصہ ہمارے سامنے سے رُخ پھیرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اٹھائیسویں یا انتیسویں شب کو سورج سے ۱۲ درجہ قریب پہنچ کر دو شب، اور کبھی ایک شب یا تین شب کے لئے ہماری نظروں سے یکسر غائب ہو جاتا ہے، اس اجتماع کو ہم محاق یا اوس کہتے ہیں۔ اس حالت میں چاند کا نصف روشن حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے، اور نصف پچھلا تاریک حصہ ہمارے سامنے واضح ہو کہ اسی اجتماع میں اگر چاند اور سورج میں عرضاً بھی اتنا قریب ہو جائے کہ ہماری نگاہ بخطِ مستقیم چاند سے گذرتی ہوئی سورج پر پڑ جائے تو سورج گرہن ہو جائے گا، یاد رکھئے اسی زمانہ محاق میں جس کی مدت اوسطاً ۴۸ گھنٹے ۱۲ منٹ ہے۔ ایک خاص لمحہ ایسا گزرتا ہے، جس میں چاند اور سورج کا ایک خط طولی پر دوسرے لفظوں میں ایک خطِ نصف النہار پر واقع ہو جانا ضروری ہے، اور وہ ساعت ہے جب کہ ابتدائے محاق سے ۲۲ گھنٹے ۴۸ منٹ گزر جائیں۔ بس اب یہیں سے رؤیت ہلال کا حساب شروع کیجئے۔

فرض کیجئے کہ جب افق شہر اعظم گڑھ سے جو ۸۳ درجہ ۱۲ دقیقہ طول البلد پر واقع ہے، ۶ بجے آفتاب غروب ہوا اور ۶ بج کر ۱۲ منٹ سے چند سیکنڈ پہلے چاند و سورج میں اجتماع حقیقی ہو گیا۔ اور ایک خط طولی پر دونوں واقع ہو گئے پھر رات بھر اور دن بھر حرکت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۲۲ گھنٹے ۴۸ منٹ بعد یعنی ۶ بجے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجے دوری پر مشرق میں پہونچ کر قوس الرویہ کے لباس سے آراستہ ہو گیا۔ بس یہی وہ اوّلین ساعت ہے کہ چاند ہلال بن کر فلک اوّل پر تاباں ہو جاتا ہے، اور دنیا بھر کے انسانوں کی نگاہیں اس کے دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں۔ اگر ابر گرد و غبار، کہر اور دیگر اسباب رؤیت سے

مانع نہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کو یہ ننھا منا سا ہلال چمکتا ہوا نہ دکھائی دے۔

خیال فرمایئے یہ تو اعظم گڑھ کا مطلع قمر ہے اب اعظم گڑھ کے مغرب کراچی، مکہ معظمہ، قاہرہ، ٹیونس اور جزائر کناریا (جزائر خالدات) میں بسنے والے انسان سب کے سب بشرط رفع موانع اپنے اپنے مطلع سے بلا شبہ ہلال دیکھیں گے۔ فرق یہ ہے کہ ہم اعظم گڑھ میں غروب کے وقت اگر ۶ بجے ہلال دیکھتے ہیں تو کراچی میں ۷ بج کر ۵ منٹ مکہ میں ۸ بج کر ۵۲ منٹ، قاہرہ میں ۹ بج کر ۲۷ منٹ، ٹیونس (افریقہ) میں ۱۰ بج کر ۵۲ منٹ اور جزائر کناریا (مغربی افریقہ) میں ۱۲ بج کر ۵۴ منٹ پر (اعظم گڑھ میں نصف شب گذر چکی ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ لیکن نسبتہً مغربی شہر والے اپنے مشرق والوں سے ہلال بڑا اور سورج سے دور دیکھیں گے۔ اب چونکہ ہلال فلک پر موجود ہے، اس لئے مذکورہ بالا شہروں کے باشندے اگر اپنی نگاہ کی تیزی سے دن ہی دن میں چاند دیکھ لیں تو کچھ عجیب نہیں، مگر یہ ان کے لئے سخت دشوار ہے۔

۱ اچھا اب ذرا اور آگے بڑھو تو آپ کو نیویارک (امریکہ) میں چار بج کر ۲۹ منٹ اور واشنگٹن (امریکہ) میں ۷ بج کر ۴۳ منٹ پر (اعظم گڑھ میں طلوع شمس ہو چکا ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ مگر ان کا ہلال جزائر کناریا والوں سے بڑا اور سورج سے اور بھی دوری پر ہوگا۔ یہ لوگ اگر دن کو ہلال دیکھ لیں تو بعید نہیں مگر پھر بھی دشوار ہے۔

اب یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل کر لیجئے کہ رویت ہلال قبل نصف النہار اور بعد نصف النہار بھی ممکن ہے، کیونکہ ان اوقات میں ہلال فلک پر موجود ہے، اور اس کا آنے والی شب کا ہلال ہونا بھی ظاہر ہے۔

اچھا امریکہ سے گزرتے ہوئے اب ذرا اور آگے بڑھئے تو ٹوکیو (جاپان) میں ۲ بج کر ۱۴ منٹ (اعظم گڑھ میں دوپہر بعد کا وقت ہے) اور آگے بڑھئے تو ہانگ کانگ (چین) میں ۳ بج کر ۷ ۵ منٹ اور آگے بڑھئے تو شہر برما میں ۵ بج کر ۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں غروب کو ۵۵ منٹ باقی ہیں) غروب آفتاب ہوگا۔ اس وقت وہاں ہلال نظر آئے گا۔ اور ان لوگوں کا ہلال

علی الترتیب کافی بڑا اور سورج سے کافی فاصلہ پر ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دن میں بہت آسانی سے ہلال دیکھ سکتے ہیں۔ خصوصاً برما کے باشندے کیونکہ ان کا ہلال سب سے بڑا اور سورج سے کافی (تقریباً ۲۲ پچھ درجہ) دوری پر ہوگا۔ لیکن اس ہلال کا بھی آنے والی شب کا ہلال ہونا ظاہر ہے۔ مگر غروب کے وقت جب اہل برما ہلال دیکھتے ہیں تو کوئی کہتا ہے، یہ تو کل کا ہے اور کوئی خیال کرتا ہے، یہ تو پرسوں کا ہے۔ قربان جائیے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ فرماتے ہیں، نہیں نہیں تم کو دھوکہ ہو رہا ہے یہ تو آج ہی کا ہلال ہے۔ عن ابی البختری قال خرجنا للعمرۃ فلما نزلنا ببطن نخلۃ قال فرأینا الھلال فقال بعض القوم ھو ابن ثلث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین قال فلقینا ابن عباس فقلنا انا راینا الھلال فقال بعض القوم ھو ابن ثلث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین فقال ای لیلۃ رأیتموہ قال قلنا لیلۃ کذا وکذا فقال انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدہ للرویۃ فھو للیلۃ رأیتموہ (مسلم صفحہ ۳۴۸ ج ۱) ابو البختریؒ (تابعی) سے مروی ہے کہا ہم لوگ عمرہ کے لئے چلے۔ جب مقام بطن نخلہ میں پہنچے تو ہلال دیکھا۔ بعض لوگوں نے کہا یہ تو پرسوں کا ہلال ہے، اور بعض نے کہا کل کا ہے، پھر ہم ابن عباسؓ سے ملے، اور واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا اچھا یہ تو بتاؤ تم لوگوں نے کس رات ہلال دیکھا ہے، ہم لوگوں نے عرض کیا۔ فلاں رات (یعنی ۳۰ کو) ہم نے ہلال دیکھا۔ پھر ابن عباسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال کی مدت مقرر فرمائی۔ (ہلال کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار نہیں فرمایا) لہٰذا یہ ہلال جس رات تم لوگوں نے دیکھا اسی کا مانا جائے گا۔

حاصل کلام یہ کہ جب افق اعظم گڑھ پر وقت مقررہ میں ہلال کا وجود ہو چکا تو اب اس کے آگے مغرب میں جہاں تک بھی چلے جائیے کوئی ملک شہر اور بستی ایسی نہ ہو گی جس کے افق پر ہلال کا وجود نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ عارضی موانع سے وہاں کے باشندے نہ دیکھ سکیں۔ اسی کو اختلاف رویت کہتے ہیں۔ اب اگر ہلال کا صحیح ثبوت مل جائے تو حکم شرع نافذ کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اہل مشرق کی رویت اہل

کے سارے مغرب والوں کے حق میں ہلال کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے، اس لئے اگر مشرق سے ثبوت ہلال کی صحیح سند مل جائے تو بلاشبہ شرعی احکام نافذ ہوں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہلال کا چھوٹا بڑا ہونا کوئی چیز نہیں ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔

اب ہم اختلاف مطالع کی بحث سمجھانا چاہتے ہیں۔ بس پھر وہیں سے حساب شروع کیجئے جبکہ افق اعظم گڑھ پر ۶ بجنے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجے دور قوس الرویۃ پر پہنچ کر ہلالی شکل میں نمودار ہوا۔ اب ذرا اعظم گڑھ سے مشرق کو چلئے۔ مگر ۱۲ درجے سے زیادہ نہیں جیسے پٹنہ، بھاگلپور، ڈھاکہ، سلہٹ منی پور (آسام) جب اعظم گڑھ میں ظہور ہلال ہوا تو وہ ہلال ان سب شہروں کے باشندوں کے افق کے اوپر ہے، علی الترتیب ان لوگوں کا ہلال ان کے افق سے قریب اور قریب تر ہونے کی وجہ سے ان کو نہ دکھائی دے گا۔ منی پور ان سب شہروں میں سب سے دور اور اعظم گڑھ سے۔ ادرجہ ۴۵ دقیقے فاصلہ پر ہے۔ ان کا ہلال تو بس افق سے اتنا قریب ہو گا کہ صرف ۵ منٹ باقی رہ کر افق سے غروب ہو جائے گا۔ اب ان شہروں کے باشندوں کو اگر ہلال کا صحیح ثبوت بہم پہنچ جائے تو احکام شرعی عائد ہوں گے۔ اور یہ حکم ہماری تقریر یہی ۱۲ درجہ قوس الرویہ کی بنا پر اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق تک عائد ہو گا۔ اور بس۔

اچھا اب ۱۲ درجہ مشرق سے بڑھ کر تیرھویں درجہ پر کھڑے رہ جائیے۔ اب چونکہ اعظم گڑھ میں ہلال افق سے ۱۲ درجہ بلند ہے، اور آپ اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق کو ہٹ کر تیرھویں درجہ پر قدم رکھ چکے ہیں، اس لئے چاند قوس الرویہ پر پہنچنے کے ساتھ ہی آپ کے افق سے نیچے ہو گا۔ مثال میں شہر برما جو ۹۷ درجہ طول البلد پر اور اعظم گڑھ سے ۱۴ درجہ ۷ ۴ دقیقہ مشرق کو ہے لے لیجئے جب افق اعظم گڑھ سے ظہور ہلال ہوا تو برما کے افق سے ایک درجہ ۴۷ دقیقے نیچے پہونچ چکا ہے، اب باشندگان برما کے لئے رویت ہلال کسی بھی آنے اور رصد سے ممکن نہیں بس یہی اختلاف مطالع ہے، اعظم گڑھ کے مطلع پر ہلال ہے اور اہل برما کا مطلع ہلال سے خالی ہے اب

جتنا بھی مشرق (ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) میں چلے جائیے، رویت ہلال کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے مطالع ہلال سے خالی ہیں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل مغرب کی رویت کا تمام مشرق والوں کے حق میں ہلال ثابت کر دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف ۱۲ درجہ مشرق (ہماری تقریبی قوس الرویتہ) تک یہ حکم قطعی طور سے لگایا جا سکتا ہے، اور اس کے بعد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کی تحقیق کے لئے اوسطاً ۱۲ درجہ (ہماری تقریبی قوس الرویتہ) کا فصل ضروری ہے جس کا ۸۳۲ میل ہوتا ہے۔

حکم۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرعی احکام میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس مقام پر سب سے اول ہلال دیکھا گیا ہے، (جیسے اعظم گڑھ ہماری مثال میں) وہاں سے تمام مشرق کے باشندوں کے حق میں چاہیئے۔ وہ کتنی ہی دور کیوں نہیں ہلال کا حکم ثابت ہو گا (جیسے ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) البتہ یہ ضروری ہے کہ ان مشرق والوں کو مغرب والوں کی رویت کا ثبوت یقینی اور شرعی طور پر مل جائے۔

درمختار میں ہے۔ فیلزم اهل المشرق برویۃ اهل المغرب اذا ثبت عندهم رویۃ اولئك بطریق موجب (مغرب والوں کی رویت سے مشرق والوں پر احکام شروع لازم ہو جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ مغرب والوں کی رویت کا ثبوت مشرق والوں کو باقاعدہ مل جائے۔

اب یہاں سے ایک غلطی صحیح کر لیجئے۔ صاحب درالمختار نے اختلاف مطالع کی ایک مثال اس طرح بیان کی ہے۔ حتی لو رؤی فی المشرق لیلۃ الجمعۃ وفی المغرب لیلۃ السبت وجب اهل المغرب العمل بما رآه اهل المشرق اگر مشرق میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا، اور مغرب میں شنبہ کی رات کو تو مغرب والوں پر مشرق والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہو گا۔ ہم یہ تو کہنے کی جرأت نہ کریں گے کہ یہ شارح کی غلطی ہے، خصوصاً جب کہ متن سامنے موجود ہے، مگر یہ تو کہنے میں باک نہیں کہ ناسخ کا سہو

قلم ہے عبارت یوں ہونی چاہیئے۔

حتی لو رؤی فی المغرب لیلۃ الجمعۃ و فی المشارق لیلۃ السبت وجب علی اھل المشارق العمل بما راہ اھل المغارب۔ اگر مغرب میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا۔ اور مشرق میں شنبہ کی رات کو تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔

فقہائے شافعیہ کے نزدیک راجح اور معتمد قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ جن کے مطالع پر ہلال ہے خود ان کی رویت یا شرعی ثبوت کے بعد ان پر احکام شرع کا نفاذ ہوگا۔ اور جن کے مطالع ہلال سے خالی ہیں ان کے حق میں ہلال کا وجود معتبر نہ ہوگا۔ چاہے صحیح ثبوت ہی کیوں نہ مل جائے، بلکہ مطلع کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور مطلع ہلال سے خالی ہے، علمائے اہلحدیث کا عمل بھی اسی پر ہے۔ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۲ء)

سوال : (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رویت ہلال کے لئے شرع شریف میں کوئی مسافت متعین نہیں ہے ؟ ۔ اگر ہے تو کتنے میل کی ؟ ۔

(۲) کیا مدارس کے مسلمان دہلی کی رویت کا اعتبار کر سکتے ہیں، جب کہ دہلی ایک ہزار سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے ۔ نیز دہلی اور مدارس کے غروب کے وقت میں نصف گھنٹہ کا فرق ہے !

(۳) کیا ریڈیو، تار، ٹیلیفون کی خبریں اور شہادتیں شریعت اسلامیہ میں قابل تسلیم ہیں ۔

(۴) ریڈیو پر ایسا آدمی جو شہادت شرعی کے معیار پر صحیح اترتا ہو ہندوستان کے کسی حصہ سے اعلان کرے کہ میں نے بچشم خود چاند دیکھا تو کیا تمام ہندوستان کو عید کرنی جائز ہے ؟ اسی پر ٹیلیفون، اور تار کو قیاس فرمائیں ۔

(۵) کیا بارہ بجے دن کو چاند کی شرعی تحقیق ہو جائے اور شرعی شہادت کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ ۲۹ کو چاند ہوا تو ۱۲ بجے کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے ۔ بینوا توجروا ۔

(سید عزیز اللہ از مدارس)

الجواب : (۱) دوسرے شہر کی رویت ہلال کے اعتبار میں مسافت یعنی میلوں کی تعین کی کتاب و سنت میں کوئی نص صریح نہیں اسی لئے علمائے کرام کے اجتہادی اقوال اور مذاہب اس امر میں مختلف ہیں، اور سوائے قول اختلاف مطلع کے جس کی تحقیق آگے آتی ہے ۔ کوئی قول قابل وثوق نہیں ۔ کریب کی روایت سے ابن عباس کے مجمل قول ہکذا امرنا سے بعض نے لکل اھل بلد رویتھم کے باب کو حدیث سمجھ لیا ہے، جو بالکل غلط ہے، یہ تو اجتہادی قول ہے، اصل دلیل حدیث نبوی صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ (صحیح بخاری) ہے یہ خطاب عام ہے ۔ کوئی مسلم کہیں چاند دیکھے چاند ہو گیا ۔ عید الفطر وغیرہ کے لئے دو شخص کی رویت لازمی ہے، اور روزہ رمضان رکھنے کے لئے ایک شخص کی شہادت بھی کافی ہے، جس کی تفصیل سنن وغیرہ میں، یہ بھی ہے کہ آخر رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ اونٹوں پر سوار دور دراز سے ایسے وقت میں آئے کہ عید کی نماز کا وقت نہیں رہا

تھا یعنی بعد دو پہر وہ لوگ حاضر ہوئے تھے، انہوں نے یہ شہادت دی کہ کل ہم لوگوں نے اپنے موضع یا شہر میں چاند دیکھا تھا تو آنحضرت ؐ نے اسی وقت لوگوں کے روزے افطار کرا دیئے اور دوسرے روز عید کی نماز پڑھائی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے شہر کے لوگوں کی رویت ہلال کی شہادت کا اعتبار ہے، بشرطیکہ دوسرے شہر کا مطلع اس شہر سے مختلف نہ ہو۔ مختلف مطلع یہ کہ مثلاً ایک شہر یا موضع میں دن ہے، تو دوسرے میں رات ہے، یا ایک جگہ ظہر کی نماز کا وقت ہے۔ تو دوسرے میں عصر یا مغرب کا۔ اگر ایسا ہو تو پھر وہاں کی رؤیت دوسروں کے لئے کافی نہ ہوگی۔ تاوقتیکہ وہ یا اس کے متفق مطلع والے چاند نہ دیکھ لیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً جس شہر یا موضع میں دوسرے شہر سے چند گھنٹے پہلے زوال ہوگا۔ ان کو حکم ہے کہ ظہر کی نماز ادا کریں۔ اور اس وقت دوسرے شہر والوں کو جن کا مطلع ان سے مختلف ہے، اور ابھی وہاں زوال میں کئی گھنٹے باقی ہیں نماز ظہر پڑھنا منع ہوگا۔ اس لئے کہ ابھی یہاں زوال نہیں ہوا۔ اور پہلوں کو نماز ظہر پڑھنا فرض ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ مختلف المطالع کا حکم الگ الگ ہے، اگر دوسرے شہر والے پڑھنا بھی چاہیں تو اول تو ہر جگہ اس کا علم مشکل ہے، اگر کسی طرح معلوم کر کے پڑھ بھی لیں تو پھر جب ان کے ہاں زوال ہو تو اگر وہ دوبارہ ظہر نہ پڑھیں تو اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (الاٰیۃ) اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگا۔ اور اگر دوبارہ پڑھیں تو اس میں یہ اشکال ہے کہ ایک دن رات میں جو پانچ نمازیں فرض ہیں کم وبیش نہیں۔ اس صورت میں پانچ سے زائد کیا بے شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت کہیں نہ کہیں ظہر، عصر وغیرہ کا وقت ہوتا ہے تو ہر وقت نماز فرض ہوگی، تو اول تو ہر وقت کا علم محال دوم پڑھنا بھی محال نیز اس صورت میں تکلیف بالمحال لازم آتی ہے، اور یہ سب امور باطل ہیں۔ لہٰذا یہ صورت بھی باطل ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن جن شہروں کے آپس میں مطالع مختلف ہوں، ان کی رویتِ ہلال دوسروں کے لئے معتبر نہ ہوگی۔ ہاں جن کا مطلع ایک ہے، ان کی رویت دوسروں کے لئے معتبر نہ ہوگی۔ بعض فقہائے کرام نے اختلاف مطالع کی تعین مسافت ایک مہینے کے راستے سے کی ہے مگر یہ بھی

اُسی کریب والی اوپر کی روایت سے استنباط کی ہے، سو اول تو روایتہ کریب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ چاند دیکھ کر فوراً وہاں سے چلے یا ٹھہر کر، نیز وہ کس تاریخ کو مدینہ منورہ پہنچے، کتنے دن چلتے رہے، پھر ایک ماہ کے راستہ میں اجمال ہے کہ رفتار پیدل کی یا سواری کی؛ اس میں بہت بڑا فرق ہے، پھر راستہ میدان صاف کا یا پہاڑی ٹیڑھا ترچھا یا دریائی ایسہ پھیر کا کبھی ان امور میں زمین آسمان کا فرق ہوجاتا ہے، تحقیق جدید سے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ منورہ اور شام کے مطالع میں پندرہ بیس منٹ کا فرق ہے، اور یہ اختلاف رویتہ ہلال کے حکم میں معتبر نہیں جس کی تحقیق آگے آتی ہے، مسافت کمرمیں بھی مدار شمس کے اختلاف مطالع کی نمازوں میں گھنٹوں کے اعتبار سے ان دیار میں بہت کمی بیشی ہے، متوسط اختلاف کا لحاظ کیا گیا یعنی ظہر عصر یا مغرب کے وقت کا اختلاف جو عموماً تین گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہاں دو شہروں کے طلوع و غروب میں تین گھنٹے کا اختلاف ہو وہ مختلف مطالع میں شمار ہوں گے اور جن کا اس سے کم ہو وہ اس سے خارج ہوں گے۔ جواب لکھا ہوا بوجہ علالت طبع رکھا ہوا تھا کہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۶۱ھ میں مولانا کا جواب بھی نظر سے گذرا کہ مسافت متعینہ کی روایت میرے علم میں نہیں۔ ہاں علم ہئیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً تیس میل کے فاصلہ پر اختلاف مطالع ہوجاتا ہے، امرتسر سے لاہور کا فاصلہ تیئیس ۲۳ میل کا ہے اتنے فاصلہ پر تین منٹ کا اختلاف ہے۔ اگر امرتسر میں چھ بجے سورج غروب ہوتا ہے تو لاہور میں ۶ بج کر ۳ منٹ پر ہوتا ہے، اس لئے اختلاف مطالع کی وجہ سے رویت قبول نہیں کی جائے گی۔ (انتہا) میں کہتا ہوں کہ ادیرکی سنن کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو دُور دراز کے اونٹوں کے سوار آخر رمضان میں حاضر ہوئے تھے، اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے کل اپنے شہر یا موضع میں چاند دیکھا تھا تو ان کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دوپہر روزہ افطار کرا کر دوسرے دن نماز عید پڑھنے کو فرمایا تھا۔ وہ غالباً تیس میل یا اس سے بھی زائد ہی سے آئے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ اس قدر اختلاف مطالع کا شرع میں اعتبار نہیں، نیز اختلاف مطالع مدار شمس کے اختلاف سے بھی ہوتا ہے، خواہ مسافت کم ہی ہو، اور مطلقاً تیئیس

میل مستلزم اختلاف مطالع نہیں تاوقتیکہ مدار شمس کا فرق نہ ہو۔ نیز مکہ معظمہ اور جدہ کے درمیان کا فاصلہ پچاس میل کا ہے، اور ایسا کبھی معلوم نہیں ہوا کہ مکہ والوں نے جدہ والوں کی رؤیت ہلال کا اعتبار نہ کیا ہو یا لنکس۔ نیز اگر ۲۴ میل کے اختلاف کا اعتبار ہوتا تو پھر اختلاف مطالع میں امت کا اختلاف ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو عموماً ہوا ہی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر یا مشہور ہو جاتا۔ اور اختلاف نہ رہتا واذالیس فلیس۔

نیز جب ۲۴ میل پر تین منٹ کا اختلاف مطلع ہے تو گیارہ میل پر ایک منٹ کا ہوگا۔ پھر اگر مطلقاً اختلاف مطلع کا اعتبار ہوگا تو گیارہ پر بھی ہوگا تو اول تو یہ اوپر کی سنن وغیرہ کی حدیث سے باطل ہے، کہ اس سے زائد فاصلہ کی رؤیت ہلال کا رسول اللہ صلے اللہ وسلم نے اعتبار کیا دوم اس سے مکہ والوں کو عرفات کے پرلے سرے جو گیارہ میل پر ہو، رؤیت ہلال کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور یہ بالکل غلط ہے، اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں اس سے تو لازم آتا ہے کہ دہلی والے غازی آباد (۱۲) میل اور قطب (۱۱) میل وغیرہ کی رؤیت ہلال کا بھی اعتبار نہ کریں، یہ بھی بالکل غلط ہے کوئی اس کا بھی قائل نہیں تو جب تک اختلاف مطالع کی حد شرع سے نہ ثابت ہو قابل قبول نہیں۔ کتاب و سنت سے صراحتاً ثابت ہو یا استنباطاً اور اوپر جو میں نے لکھا ہے، وہ کتاب و سنت سے مستنبط ہے کہ اگر بالکل اختلاف مطالع کو نہ تسلیم کیا جائے، مگر شرع سے اس کی کوئی حد نہ مقرر کی جائے۔ تو ہر دو صورت میں تکلیف مالایطاق اور محال لازم آتا ہے، جو باطل ہے، جس سے شریعت محمدیہ پاک ہے، لہٰذا جو کچھ اوپر کتاب و سنت کی روشنی میں لکھا گیا ہے، وہی قابل قبول ہے، اور بس۔

جواب ۲:۔ کا جواب نمبر (۱) میں آگیا کہ دہلی اور مدارس کے طلوع و غروب میں چونکہ نصف گھنٹے کا فرق ہے جو تین گھنٹے سے کم ہے لہٰذا ان کو ایک دوسرے کی رؤیت ہلال کا اعتبار نہ ہوگا۔

جواب ۳:۔ تار کی خبر کو عموماً علمائے کرام و اساتذۂ عظام تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ تار کے کارکن

اکثر بالکل کافر غیر مسلم ہوتے ہیں، اور کافر کی خبر دیانات میں مقبول نہیں (در مختار وغیرہ) نیز یہ کہ رویت ہلال محض خبر نہیں اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور مجلس قضا بھی ہے، اور یہ خبر غائب ہے۔ اس میں معرفت مخبر کی لازم ہے۔ اور یہ امور تار کی خبر میں مفقود۔ لہٰذا مردود ہے تو جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کا یہ کلیہ کہ ہر امر دینی میں ہر کافر کی خبر کسی حالت میں بھی مقبول نہیں۔ بچند وجوہ منقوض ہے،

وجہ اول یہ کہ کافر فاسق کی خبر کے عدم اعتبار کو آیت اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا الاٰیۃ پ ۲۶ ع ۱۳ سے استنباط کیا گیا ہے، حالانکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے کافر کی خبر مطلقاً تردید نہیں ہوتی، بلکہ تحقیق پر موقوف ہے، لہٰذا بعد تحقیق وثبوت مقبول ہوگی تو گویا من وجہ یہ آیت بھی دلیل قبول کی ہے،

وجہ دوم قول باری تعالیٰ جل مجدہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ۔ الاٰیۃ پ ۷ ع ۴۔ اس آیۃ سے کافر کی خبر شہادت بحالت سفر شرعاً ثابت ہے اس کی شہادت وخبر پر میت کی وصیت داد اد دیون اس کے اور ترکہ کی تقسیم، اس کی عورت کی عدت ونکاح ثانی ونماز جنازہ غائب، اس کے بچوں پر حکم یتیم کا ثبوت، اس کی ضمانت کا استقاط وغیرہ موقوف ہیں، اور یہ امور دینی ہیں خصوصاً نماز جنازہ غائب ووصیت تعمیر مسجد وغیرہ۔

وجہ سوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ہجرت مدینہ منورہ ایک کافر کو اپنی سواری کی اونٹنیاں دے کر کہا کہ فلاں وقت لاکر ہم کو مخفی راستہ سے مدینہ پہنچا دو، اس نے ایسا ہی کیا ہجرۃ امر دینی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کے قول وعمل کا اعتبار کیا۔ اور حضور کا یہ امر دینی ہے۔ (صحیح بخاری)

وجہ چہارم واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کافر کو جاسوس بنا کر کفار کا

حال معلوم کرنے کو بھیجا اس نے آکر خبر دی، اس پر اعتبار کر کے حضورؐ نے صحابہ سے مقابلہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ (بخاری) اس سے بھی کافر کی خبر کا اعتبار ثابت ہوا کہ یہ سفر حضورؐ کا عمرہ کے لئے تھا۔ پھر جنگ کے بارے میں مشورہ کیا، مگر جنگ کو ملتوی کیا گیا۔ بہرحال عمرہ ہو یا جنگ کفار دونوں امر دینی ہیں، خلاصہ یہ کہ کافر کی خبر دیانات میں بھی مطلقاً مردود نہیں بعد تحقیق وثبوت قرائن مصدقہ بعض امور میں بعض اوقات مقبول بھی ہے، مثلاً اگر کسی اعلیٰ افسر نے دہلی سے کانپور شب کو تار دے کر وہاں کے نائب کو بلایا کہ تم یہاں آجاؤ۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ یہاں آج چاند ہو گیا ہے، صبح مسلمانوں کی عید ہے، مجھے یہاں کا انتظام کرنا ہے، تو بتایئے اس کے صدق میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ایسے ہی اگر کو نابینا یا ضعیف البصر کسی ایسے مقام میں قید ہو جہاں کفار کے سوا کوئی مسلم رویت ہلال کی خبر دینے والا نہ ہو تو وہ اگر کفار کی رویت ہلال پر روزہ رمضان و عید نہ کرے تو کیا کرے، ایسے ہی اگر اس کے مرنے کی خبر کفار دیں، اگر اس کے مرنے کا اعتبار نہ کیا جائے، تو اس کی زوجہ اور اس کے بچے کیا کریں۔ کیا زوجہ ساری عمر اس کے آنے کی منتظر رہے، ایسے ہی اس کے ترکہ کی تقسیم اس کی زوجہ کی عدت و نماز جنازہ غائب کا کیا حکم ہو گا۔ ایسے امور میں اعتبار کیا جائے گا۔ جب قرآن و حدیث سے بعض امور دینی میں کفار کی خبر کا اعتبار ہے، تار کی خبر بھی انہی بعض قسموں میں سے ہے، کہ بعد تحقیق مکرر سہ کرر تار دینے اور نیز مختلف مقامات سے دریافت کرتے ہیں اگر بیقین یا ظنِ غالب اس کے صدق کا ہو تو قبول ورنہ مردود۔ لاکھوں روپے کے کاروبار مرنے وجینے کے حالات تار کی خبر پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کوئی بھی ان میں تردد نہیں کرتا۔ اور نہ کبھی اس میں یہ سنا گیا کہ فلاں مقام میں رویت ہلال کی خبر میں تار والوں نے اہل اسلام کو جھوٹی خبر دے کر روزہ رکھایا ہو یا عید کرائی ہو، اور ان کو اس جھوٹی خبر دینے سے فائدہ ہی کیا ہے، ان کو تو ٹکوں سے کام ہے کیسے باشد۔

حاجی لوگ سفر حج سے کسی حاجی کے مرنے کی خبر تار کے ذریعے ہیں۔ اس پر عمل

ہوتا ہے، جنازہ غائب بھی پڑھا جاتا ہے، کوئی اعتراض نہیں کرتا، یہ جنازہ امر دینی نہیں تو کیا ہے، نیز اول تو تار کے کارکن سارے کافر ہی نہیں ہوتے، بلکہ مسلم بھی ہوتے ہیں۔ نیز روپیہ زیادہ خرچ کر کے خالص مسلموں ہی کو ذریعہ خبر رسانی تار کا بنایا جا سکتا ہے، فافہم وتدبر۔

مولانا عبد الحی لکھنوی کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ کے ص۲۸۱ میں ہے۔ شہادت خطوط یا تار برقی پس چند فقہاء ایسے مقامات میں الخط یشبہ الخط لکھتے ہیں لیکن ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے، اور خبر تار تا خط بدرجہ پہنچ جائے، اس پر عمل ہو سکتا ہے، اور بحسب اقتضاء انتظام زمانہ حال اس پر حکم عام بھی دے سکتے ہیں۔ انتہی ۱ھ

منع کے دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ رؤیت ہلال کو اگرچہ فقہا نے من وجہ شہادت لکھا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امر دینی ہے، لہٰذا روایتہً اخبار کے مشابہ ہے، اس لئے اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور خصوصیت حریت و ذکوریت وغیرہ بھی شرط یا ضروری نہیں۔ حتیٰ کہ غیر عادل یعنی مستور واحد کی رویتہ بھی کافی ہے تفصیل ہدایہ اور اس کے شروح وحواشی وغیرہ میں ہے، تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے، کہ اول تو قضا قاضی کی شرط کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ دوم جب فقہا نے اس کو امر دینی اور مشابہ روایت اخبار لکھا ہے۔ تو پھر قضاء قاضی کی شرط بھی نہ رہی۔ سوم ہندوستان میں قضا کا محکمہ ہی نہیں اگر مفتی عالم کو قائم مقام قاضی ہی بنایا جائے۔ تو دیہات میں یہ بھی اکثر نہیں ہوتے اور حکم شرع کا عام ہے۔ لہٰذا شرط باطل۔ شبہ ہم کا جواب بھی ع۲ میں آگیا کہ نصاب شرط نہیں۔ اگر ہو بھی تو یہ بھی تار کے ذریعہ ہو سکتا ہے، شبہ د کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تحقیق سے خبر کی معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ مکرر تار کر کے دریافت کرنے سے اور ٹیلیفون کا معاملہ تو بالکل واضح ہے۔ کہ جس میں ایک مسلم دوسرے مسلم سے باقاعدہ گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کی آواز کو پہچان سکتا ہے، شہادت وغیرہ سب امور طے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ٹیلیفون کے ذریعہ ثقہ کی روایت ہلال کی خبر معتبر ہے۔

جواب ۴: ریڈیو بھی اسی قسم سے ہے، اگر اس کا حال معلوم ہے کہ ثقہ خبر دیا کرتا ہے، اور آواز بھی اس کی پہچانتے ہیں۔ تو معتبر ہے، ورنہ نہیں اور تمام ہندوستان کو ریڈیو کی خبر پر عید کرنے کا جواب ۱ اور ۲ میں آچکا ہے کہ صرف متفق المطالع شہر اس پر عمل کریں گے۔ مختلف المطالع اس پر عمل نہ کریں گے۔ مولانا نے اخبار میں لکھا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک دور دراز کی رؤیت ہلال حجت نہیں۔ یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہو چکا ہے، انتہیٰ میں کہتا ہوں کہ مولانا نے کچھ تفصیل نہیں کی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کونسا فیصلہ ہے، اور کس کس محدث کے نزدیک دور کی رؤیت حجت نہیں غالباً مولانا کی مراد اس سے روایت کریب میں عبداللہ بن عباس کا قول مراد ہے، کہ کریب نے ملک شام سے آکر ابن عباس کو وہاں کی رویت ہلال کی خبر دی تو ابن عباس نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اس پر کریب نے کہا کہ آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت ہلال اور روزہ پر بھی اکتفا نہیں کرتے ابن عباس نے کہا نہیں کرتے ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کل یا اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ نہیں صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مجمل قول ہے۔ جس کی تفسیر و تشریح مشکل ہے۔ ہکذا کے مشار الیہ کو بتایا جائے کہ کیا ہے، اور اس کے ما قبل کیا کیا ہے، جب تک اس کا مشار الیہ قطعی طور پر معین نہ ہو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، اور اس کا مشار الیہ قطعاً معین ہو ہی نہیں سکتا۔ شائد کسی کو جامع ترمذی کے قول والعمل علی ہذا الحدیث عند اہل العلم سے دھوکہ ہو کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ ہے۔ تو جواب صرف یہ ہے کہ یہ صرف ایک صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، پھر یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ ابن عباس کے اس قول پر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی عمل کیا یا نہیں۔ ہاں تین تابعی عکرمہؒ، قاسمؒ اور سالمؒ کا یہ مسلک ہے، اور ایک محدث اسحاق کا اور ایک وجہ شافعیہ کی بھی ہے، جس کی تفصیل حافظ صاحب نے فتح الباری میں تحریر کی ہے، اس امر میں علمائے کرام کے چھ اقوال یا مذاہب ہیں، پھر فیصلہ صحابہ چہ معنی۔ یوں لیجئے کہ ایک صحابی کا قول ہے، وہ بھی مجمل جس کی تشریح مشکل۔ نیل الاوطار میں صاف لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا۔ پس قصہ ختم صحیح وہ ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

جواب ۵:۔ اس سوال سے اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے دوسرے شہر سے خبر آئی کہ وہاں کل گذشتہ مغرب کو چاند دیکھا گیا تو اس کا جواب نمبر ۱ میں آچکا ہے کہ بعد تحقیق و ثبوت متفق المطالع شہر سے خبر آنے پر بعد دوپہر بھی روزہ افطار کیا جائے۔ اور اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے کسی نے اپنے شہر میں چاند دیکھا تو اس میں سلف کے دو قول ہیں کہ آیا وہ چاند شب آئندہ کا ہے، یا گذشتہ کا راجح قول اول [1] ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجیب ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ پل بنگش دہلی۔

"نور توحید" لکھنو، ۱۰ و ۲۵ جولائی ۱۹۵۱ء

---

[1] حضرت الاستاذ کے اس فاضلانہ فتویٰ پر بعض حضرات نے تعاقب فرمایا تھا۔ جس کا جواب اور مزید علمی تحقیقات خود حضرت استاذ موصوف کی قلم سے اخبار "نور توحید" لکھنو، ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء میں ملاحظہ فرمایئے۔ فقط۔

سوال ۱ :۔ فقہاء کے نزدیک اختلاف مطالع جس کی وجہ سے نمایاں فرق رؤیت ہلال میں واقع ہوتا ہے، اس کے لئے کتنی مسافت معتبر ہے۔ بعض نے ۴۸ میل۔ بعض نے ۷۲ میل، بعض نے ۴۰۰ میل کہا ہے۔ معتبر ترین کیا ہے؟۔ (عبدہ محمد ہاشم عابدی کراچی)

جواب ۱ :۔ رویت ہلال کا حلقہ دائرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس سے بعض مقامات پہ ۴۸ میل میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اور بعض میں ۷۲ یا ۴۰۰ میل پر بھی فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ سب قول اپنے اپنے مقامات پر معتبر ہوگا۔ یہ فقہاء کرام کا اندازہ ہے۔ اس لئے اختلافِ مطالع میں اول ترین فاصلہ ہی کو معتبر ترین سمجھا جائے گا۔ ہم فنی نقطۂ نظر سے کسی قول پہ دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتے روایات حدیث میں نظر آتا ہے کہ عام طور پر اتنے فاصلہ کو جو ایک شتر سوار رات بھر طے کر لیتا تھا۔ ایک مطلع سمجھا جاتا تھا اس لئے اقل ترین مسافت یعنی ۴۸ میل معتبر معلوم ہوتی ہے

سوال ۲ :۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ظاہر الروایات میں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اعتبار ہے دونوں اقوال فقہ کی بڑی کتابوں مثلاً تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمرقندی ج ۱ ص ۵۲۹ وما بعد طبع دمشق ۱۳۷۷ھ و مجمع الانہر جلد ۱ ص ۲۳۶ طبع استنبول ۱۳۲۷ھ میں مل جاتے ہیں۔

جواب ۲ :۔ دونوں اقوال صحیح ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شہر کے مختلف حصوں یا بلندی و پستی یا شہر سے باہر میدان کے مابین اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ دوسرے قول کا مطلب دور طویل مسافت کے شہروں میں اختلاف مطالع ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی معتبر ہے یہ ایک امر واقع ہے۔ اس سے انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ امام ابوحنیفہؒ جیسا ذہین اور عالم امام بھلا یہ بات ان سے پوشیدہ ہو سکتی تھی کہ قرطبہ واندلس اور کوفہ عراق کے مابین مطلع کا فرق ہے، اور حقیقتہً ایسا ہے کسی کی رائے یا قیاس کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال ۳:۔ کیا عہد رسالت میں دو عیدیں ہوئیں؟

جواب ۳:۔ ہوئیں اور اس پر وہ تمام روایتیں شاہد ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کھولنے اور دوسرے دن دوگانہ عید ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۴۷ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۵۲ھ مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۵۳ بیروت ۱۳۹۲ھ کنزل العمال ج ۴ ص ۳۲۵ حیدرآباد دکن ۱۳۱۳ھ)

سوال ۴:۔ پاکستان میں اختلاف مطالع کی وجہ سے کن حدود میں دو یا تین عیدیں ہوسکتی ہیں؟

جواب ۴:۔ پاکستان میں شمالاً جنوباً دو یا تین حلقے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی نظر میں رہے کہ رؤیت ہلال میں خط استواء سے بعد سمندر سے مقام کی بلندی و پستی اور افق کی مقامی کیفیت بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ف (۱۰):۔ یہ نظام شمسی اس طرح ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں نہ ایک وقت رؤیت ہلال ممکن ہے۔ اور نہ پیدائش قمر یعنی برتھ آف دی مون۔ اس پر زمین کی محوری حرکت ہی نہیں بلکہ سورج کے گرد بیضوی دائرہ میں زمین کا اس دن محل وقوع اتنا فرق کردیتا ہے۔ کہ ۲۴ گھنٹوں بلکہ کبھی اس سے بھی زیادہ فرق پڑ سکتا ہے۔ کسی ملک کے سیاسی حدود نظام شمسی کے حدود نہیں ہوتے۔ اسلئے کسی ملک سیاسی حدود کو ایک حلقہ قرار دے کر اس کے اندر ذیلی حلقے اگر بنائے گئے تو یہ تقسیم پیدائش قمر یا رؤیت ہلال کے لئے قطعاً غلط ہوگی۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی شام کو چاند کراچی میں لنکا میں۔ سومالیہ میں اور حبشہ میں نظر آجائے۔ اور حیدرآباد سندھ۔ قاہرہ اور رفیق پورٹ میں نظر نہ آسکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پیدائش قمر۔ سمرقند۔ سیارقند اور بخارا کے لئے اذوئے حساب ہوجائے۔ مگر ڈرمن کیپ ٹاؤن اور انگولا کے لئے نہ ہو۔ بلکہ سپیرالیون اور مجریطے کے لئے وہ پچھلے مہینہ کی ۲۸ تاریخ ہی ہو۔ ایک ہی ملک سیاسی وحدت۔ ہندوستان میں دارجنگ سیلی گوری۔ اور مدارس میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے۔ ہندوستان ایک ہی ملک ہے۔ لیکن سطح کی بلند و پستی کا فرق واضح ہے۔ شملہ اور آبو کا افق اور کلکتہ و چیرالو کی

کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور طول البلاد کا اتنا فرق کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہو سکتا۔

ف ۲:۔ رمضان یا عید الفطر کسی ملک یا نسل کے تہوار نہیں ہیں۔ یہ سارے عالم کے مسلمانوں کے لئے یکساں اہم ہیں۔ کوئی ملک یا چند ممالک اس کے لئے تقویم کیسے بنا سکتے ہیں۔ اور سب مل کر بھی اگر بنائیں تو وہ تقویم ساری دنیا کے لئے قابل قبول کس طرح ہوگی۔ یہ سب باتیں سوچ کر ہی کوئی تجویز پیش کی جا سکتی ہے۔ حج ایک جگہ ہوتا ہے۔ لیکن رمضان و عید تو ہر جگہ ہوتی ہیں۔ ایک کو دوسرے پر قیاس کیسے کیا جا سکتا ہے۔ حج کے لئے اگر مقامی مطلع کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ تو وہاں کے سب لوگ ایسے قبول بھی کر لیں گے۔ اور وہاں کے لئے یہ صحیح بھی ہوگا لیکن وہی تاریخ و وقت انڈونیشیا اور فیجی کے لئے بھی صحیح ہوگا۔ نہ صرف ضروری نہیں، بلکہ از روئے حساب اکثر ناممکن ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام ؒ نے منجم کے حساب کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں فقہ کی تمام بڑی بڑی کتابوں میں یہ تصریح مذکور ہے۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہورم)

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۳۲)

سوال :۔ مشکوک دن کا روزہ رکھنے کے بعد چاند دیکھنے کی یقینی شہادت مل جائے تو پھر رکھے ہوئے روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے :۔ عن جندب قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فاخطأ رواہ الترمذی وابوداؤد۔
یعنی جو شخص قرآن میں رائے سے کہتا ہے پس وہ صواب کو پہنچا تو یقیناً اس نے خطا کی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا جب ابتداء چیز کی جرم ہو تو صحیح ہونے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کے پاس گیا۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ غیر ہے، اس سے صحبت کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی بیوی ہے، تو وہ قصور سے بری نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اس کے برعکس اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ یہ میری بیوی ہے، اگر صحبت کر لے، اور وہ غیر عورت نکل آئے تو اسے وہ مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا ایک واقعہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ہوا دو بہنوں کی شادی دو بھائیوں سے ہوئی، رخصتی کے وقت غلطی سے ہر ایک کی منکوحہ دوسرے کے گھر میں بھیج دی گئی۔ تو اس سے وہ مجرم نہیں قرار دیئے گئے۔ کیونکہ اُن کی نیت بخیر تھی بہنت سے مسائل ایسے ہیں اُن میں نیت کا اثر بھی عمل پر پڑتا ہے، یعنی نیکی گناہ ہو جاتی ہے اور گناہ نیکی بن جاتا ہے، صورت مسئولہ میں روزہ صحیح ہو جائے گا۔ جیسے حدیث مذکورہ میں تفسیر غلط نہیں ہوگی۔ تفسیر کرنے والا گناہ گار ہوگا ایسے ہی یہ روزہ صحیح ہو جائے گا۔ لیکن ایسا روزہ رکھنے والا گناہ گار ہوگا۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی، یکم رمضان ۱۳۴۰ھ)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۴۹)

رویت ہلال کے متعلق دو متضاد فتوے اور ان پر محاکمہ

سوال :۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند دیکھنے کی ہر چند کوشش کی گئی، مگر ملک کے کسی گوشہ میں چاند نہیں دیکھا گیا۔ اور حکومت کی طرف سے بھی اعلان ہو گیا۔ کہ چاند نظر نہیں آیا۔ لاہور کے دو مذہبی اداروں کی طرف سے روزنامہ کوہستان لاہور میں دو متضاد قسم کے فتاویٰ

شائع ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

بریلوی مرکز کا فتویٰ

جمعیت حزب الاحناف کے صدر مولٰنا ابوالبرکات نے رؤیت ہلال کا اعلان کر دیا۔ اور بتایا کہ چار افراد نے جن میں دو مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ رؤیتِ ہلال کی شہادت دی۔ جس بنا پر مولٰنا ابو البرکات کے فیصلہ کا اعلان شہر کے بیشتر محلوں میں منادی کے ذریعہ کرایا گیا۔ اس پر بہت سے لوگوں نے نماز تراویح پڑھی۔

دیوبندی فتویٰ

جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرف سے اس سلسلہ میں بتایا گیا کہ آج مطلع بالکل صاف تھا۔ اس لئے دو تین آدمیوں کی گواہی پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں رؤیت ہلال کے مسئلہ پر مولانا اشرف علی تھانوی کا حسب ذیل فتویٰ پیش کیا گیا جو بہشتی زیور جلد ۳ ص ۷ پر درج ہے۔ اگر آسمان بالکل صاف ہو تو دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے چاند ثابت نہ ہو گا۔ چاند رمضان المبارک کا ہو، چاہے عید کا البتہ اتنی کثرت سے لوگ اپنا چاند دیکھنا بیان کریں کہ دل گواہی دینے لگے کہ سب کے سب بات بنا کر نہیں آئے، اور اتنے لوگوں کا چاند دیکھنا غلط نہیں ہو سکتا۔ تب چاند دیکھنا ثابت ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ ان ہر دو فتاویٰ پر تبصرہ فرمائیں کہ ان میں سے کون سا فتویٰ صحیح ہے۔

محاکمہ

جواب۔ یہ مسئلہ ایک مشہور حدیث سے حل ہو جاتا ہے، جو صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ ۔ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اور چاند دیکھ کر ہی روزے رکھنے بند کر دو۔

اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین (مشکوٰۃ) اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے۔ یعنی بادل یا غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے، تو پھر ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ تمام مسلمان چاند دیکھیں تو روزہ رکھنا

ضروری ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض کا چاند دیکھنا بھی روزہ کے لئے کافی ہوگا
چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے، یعنی ایک اعرابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ اس پر نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رمضان
کے چاند کے لئے ایک شخص کی رویت بھی کافی ہے، اور یہ بھی شرط نہیں کہ مقامی لوگوں سے
کوئی شخص چاند دیکھے بلکہ باہر کی رؤیت کافی ہے، اس حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ اس دن
مطلع صاف تھا یا نہیں۔ لیکن ظاہر یہ امر بہت بعید ہے، کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود
اہل مدینہ سے کوئی چاند نہ دیکھ سکے، اور باہر کا اعرابی دیکھ لے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ جب اعرابی نے چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ مطلع صاف نہیں تھا۔ اس بنا پر بعض شارحین
صاحب تحفۃ الاحوذی وغیرہ نے وکان غیماً بھی لکھا ہے، یعنی بادل کی وجہ سے اہل مدینہ
چاند نہ دیکھ سکے، اور اس کی تائید ابو داؤد کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ
یہ ہیں۔ عن الحسن فی رجل کان بمصر من الامصار فصام یوم الاثنین
وشهد رجلان انهما رأیا الهلال لیلة الاحد فقال لا یقضی ذلك یوم الرجل ولا
اهل مصر الا ان یعلموا۔ ان اهل مصر من الامصار المسلمین قد صاموا یوم الاحد
فیقضون حسن بصری سے ایک ایسے شخص کی بابت روایت ہے جو کسی شہر میں رہتا تھا اس نے
سوموار کو روزہ رکھا، اور دو آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب
کو چاند دیکھا ہے، حسن بصری نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس شخص پر یا شہر کے کسی دوسرے آدمی
پر اتوار کے روزہ کی قضا نہیں ہے، یا وہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کسی دوسرے شہر کے باشندوں
نے بھی اتوار کے دن ہی روزہ رکھا تو اس صورت میں قضا دینی پڑے گی۔ حسن بصریؒ کا یہ فرمان
اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے کہ مطلع صاف ہو ورنہ اعرابی والی مذکورہ حدیث کی مخالفت
لازم آئے گی۔ کیونکہ اس میں صاف ذکر ہے کہ رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی رؤیت
کافی ہے، لیکن یہاں دو آدمیوں نے رؤیت چاند کی شہادت دی، باوجود اس کے حسن بصریؒ

نے اس کو معتبر نہیں سمجھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک یا دو کی رؤیت کافی نہیں، بلکہ اتنی تعداد ضروری ہے، جس سے دل مطمئن ہو جائے کہ اتنے آدمی غلطی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جامعہ اشرفیہ والوں کا پیش کردہ فتویٰ صحیح اور درست ہے، اور صدر انجمن حزب الاحناف کا فتویٰ حدیث اور فقہ کے خلاف ہے، جب رؤیت چاند کی صحیح شہادت نہ ملے تو ایسے مشکوک دن کا روزہ رکھنا حدیث میں منع آیا ہے۔

شکی روزہ

اس قسم کا روزہ رکھنے والے بجائے ثواب حاصل کرتے کے اُلٹے اور گنہگار ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے۔ عن عمار بن یاسر قال من صام الیوم الذی یشك فیه فقد عصیٰ ابا القاسم صلے اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوٰۃ)

یعنی عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں، جس شخص نے مشکوک دن کا روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

دوسری حدیث میں ہے، عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لایتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین۔ (مشکوٰۃ)

یعنی تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۳۰/ رمضان ۱۳۶۱ھ

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵)

دن میں چاند نظر آ جائے تو روزہ کا کیا حکم ہے

سوال:۔ اگر چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے، اور کسی کو ۳۰ رمضان کو آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نظر آ جائے تو کیا اُسی وقت روزہ افطار کر سکتا ہے؟ (ابو محمد اسمٰعیل لدھیانہ)

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔
یعنی ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا۔ اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا۔ رات کی نشانی

سے مراد چاند ہے، اور دن کی نشانی سے مراد آفتاب ہے، اللہ تعالے نے چاند کی روشنی گم کردی ہے، اور اس میں سیاہی ڈال دی ہے، اس لئے فرمایا کہ ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا ہے، پس جب چاند رات کی نشانی ہے۔ تو اس کا دن میں دیکھنا معتبر نہیں۔ بلکہ رات میں غروب آفتاب کے بعد دیکھنا معتبر ہے، اس وقت سے ماہ اول کا ختم ہونا۔ اور ماہ ثانی کی ابتدا ہوتی ہے، تو مہینہ ختم ہونے کے بغیر افطار کس طرح جائز ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے، فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ جو ماہ رمضان میں حاضر ہو۔ یعنی سفر میں نہ ہو وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سارے رمضان کے روزے رکھے۔ کیونکہ رمضان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے پہلے ہی افطار کر دیا، یہی وجہ ہے کہ اگر تیس شعبان کو دن میں رمضان کا چاند نظر آجائے تو دیکھنے کے وقت سے روزہ شروع نہیں ہو جاتا۔ اگر دن میں دیکھنے کا اعتبار ہوتا تو چاہیئے تھا کہ جب سے دیکھا ہے اس وقت سے مغرب تک روزہ ہوتا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلے مہینہ کا ختم ہونا اور دوسرے کی ابتدا رات کے وقت چاند دیکھنے سے ہے نہ دن کے وقت۔ اس لئے حدیث میں ہے۔ الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ۔ متفق علیہ مشکوٰۃ باب رؤیۃ الہلال۔ مہینہ ۲۹ کا بھی ہوتا ہے، چاند دیکھے بغیر نہ روزہ رکھو۔ اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے، تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ ابو البختری کہتے ہیں کہ ہم عمرہ کے لئے نکلے جب موضع نخلہ میں پہنچے تو چاند دیکھا۔ بعض نے کہا تیسری تاریخ کا ہے۔ اور بعض نے کہا دوسری تاریخ کا ہے۔ ہم ابن عباسؓ کو ملے تو فرمایا کہ تم نے کس رات کو دیکھا ہے، ہم نے جواب دیا کہ فلاں رات کو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت اس کی رویت ہے، اور ایک روایت میں ہے، ابو البختری کہتے ہیں۔ ہم نے موضع ذات عرق میں۔ جو بطن نخلہ کے قریب ہے، رمضان کا چاند دیکھا۔ ہم نے پوچھنے کے لئے ابن عباس کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے اس کی مدت اس کی رویت

مقرر کی ہے۔

اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے، جو مسلم وغیرہ میں ہے، کریب کہتے ہیں۔ اُم الفضل نے مجھے معاویہؓ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے ام الفضل کا کام کیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا۔ پھر اخیر رمضان میں مدینہ آیا۔ ابن عباس نے مجھے وہاں کا حال پوچھا پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا ہم نے جمعرات کو دیکھا ہے فرمایا تو نے خود دیکھا۔ کہا ہاں۔ میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے، اور سب لوگوں نے روزہ رکھا۔ اور معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے، ہم اسی طرح روزے رکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے۔ یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے کے ساتھ کفایت نہیں کرتے فرمایا نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح حکم دیا ہے کہ ایک ملک کے لئے دوسرے ملک کی شہادت معتبر نہیں اس سے ثابت ہوا کہ چاند کا اعتبار رات سے ہے۔ اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرنی پڑتی ہے، دن کے دیکھنے کا اعتبار نہیں۔

(عبد اللہ امرتسری از روپڑ ۲۰ رصفر ۱۳۵۲ھ ۱۵ر جون ۱۹۳۳ء)

(فتاوی اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۲)

سوال ہم لوگوں کو انتیسویں کا چاند نظر نہیں آیا۔ اس سے شعبان کی تیس گنتی پوری کر کے روزہ رکھا۔ اور قرب و جوار سے مثلاً دو میل سے لے کر چالیس میل تک کی خبریں چاند دیکھنے کی موصول ہوئیں۔ آپ فرمائیں ہم لوگ کس حساب پر طاق راتوں میں عبادت کریں۔ اور کیا روزہ بھی قضا رکھنا ہوگا۔؟ (عبد اللہ وزیا نگرم)

جواب:۔ اگر قرب وجوار سے معتبر شہادتیں مل جائیں کہ چاند دیکھا گیا ہے، تو آپ اسی حساب سے شمار رکھیں، اور بعد میں ایک روزہ قضا کریں بہت دور کی شہادت آپ

کے لئے حجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۴۱۵)

سوال:۔ کیا دوربین کے ذریعہ سے ۲۹ر رمضان المبارک کو چاند دیکھ کر صبح کو روزہ رکھنا اور عید الفطر کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے؟

جواب:۔ دوربین سے چاند دیکھنا جائز ہے۔ دوربین موجود چیز دکھاتی ہے۔ غیر موجود کو موجود نہیں کر سکتی۔ (۳۱ر جون ۱۹۳۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۴۲۱ طبع دہلی)

سوال:۔ ماہ شعبان کی تیس تاریخ کو اگر دن کا کچھ حصہ گزر کر مفتی کے فتوے سے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ مقرر ہوئی تو اسی وقت کھانا پینا ناقص چھوڑ دینا واجب ہے؟ اگر کوئی شخص یہ خبر سن کر بھی کھانا وغیرہ عملاً نہ چھوڑے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (یکے از سرینگر)

جواب:۔ صورت موقومہ میں کھانا پینا چھوڑ دینا احترام صیام ہے، روزہ نہیں ہے، کیونکہ دن کا کچھ حصہ گذرنے پر شرعی روزہ نہیں ہوتا۔ ماہ صیام کا احترام ہوتا ہے، اگر کسی کا دل اس شہادت پر مطمئن نہ ہو تو اسے کچھ نہ کہا جائے مگر وہ بعد رمضان روزہ قضا کرے۔ (۵ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۴۲۲)

خبر اور شہادت کی بحث

اس سال شعبان اور رمضان کی آخری تاریخوں میں آسمان ابر آلودہ تھا۔

مغربی پاکستان کے وسطی علاقوں میں چاند نظر نہ آسکا۔ رمضان کا چاند کراچی سے سکھر تک بڑی کثرت سے دیکھا گیا۔

آزاد کشمیر کے قریبی علاقوں میں مطلع صاف تھا۔ اور چاند نظر آگیا تھا۔ چنانچہ تمام مکاتب فکر کے دانشمند لوگوں نے ریڈیو یا ٹیلیفون کی اطلاع پر روزہ رکھا۔ بعض حضرات کو صحیح اطلاع نہ پہونچ سکی۔ انہوں نے روزہ نہ رکھا۔ بعض وہم پرست حضرات نے رکھے ہوئے روزے بھرے مجمع میں تڑوا دیئے اور اسے دین کی بہت بڑی خدمت تصور کیا۔ رمضان کی آخری تاریخ کو عید کا چاند حسب بیان اخبارات لاہور اور کراچی میں چند آدمیوں نے دیکھا مقامی طور پر شہادت ہوئی۔ اس کی اطلاع دوسرے شہروں کو دی گئی اطلاع کے ذرائع وہی مشینی تھے کہیں کسی نے اصالۃً دریافت کر لیا۔ اطمینان کے بعد مغربی پاکستان کے اکثر حصوں میں عید ہو گئی، لیکن کراچی میں عید سرکاری حلقوں نے منائی عوام سرکاری اطلاعات پر مطمئن نہیں ہو سکے۔ لیکن باقی اکثر شہروں میں اس شہادت کی اطلاع دیدی گئی۔ اور عام طور پر عید ہفتہ کے دن منائی گئی۔ لیکن بعض مقامات پر عید کے دن بدستور روزہ رکھا گیا۔ غرض عید کے موقعہ پر بعض حلقوں میں خاصی بے اطمینانی رہی۔ بعض ملّا قسم کے بزرگوں نے اشتہار بازی سے اپنی شہرت کے لئے اچھا موقعہ تلاش کیا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بے اطمینانی ضرور ہوئی۔ اس بے اطمینانی کے اسباب میں سرکاری حلقوں کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہ تھی۔ لیکن عموماً اس کا احساس نہیں فرمایا۔ جہاں خبر رسانی کے ذرائع موجود تھے، وہاں احساس ناپید تھا۔ اور جہاں احساس کی فراوانی ہے، وہاں ذرائع موجود نہ تھے، قدرتی طور پر اس وقت کئی سوال پیدا ہوں گئے۔ مثلاً

سوال: (۱) کیا تار، خط، ریڈیو، ٹیلیفون اور ٹیلی ویژن وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع شرعاً قابل اعتماد اور درست ہیں۔ جو واقعات ان ذرائع سے معلوم ہوں انہیں قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں!۔

۲۔ رویت ہلال کے لئے شرعاً شہادت ضروری ہے، یا خبر اور اطلاع پر بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے؟

۳۔ عوام اگر مطمئن ہو کر عید منا لیں، اور حکومت کے ادارے فیصلہ کر دیں تو کیا کسی شخص کے لئے انفراداً ان کی مخالفت درست ہے؟

جواب:۔ ان سوالات پر غور کرنے سے پہلے ایک حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ وہ یہ کہ اس قسم کے عوامی مسائل کی دراصل ذمہ داری حکومت پر ہے، ارباب حکومت کا مذہب اگر اسلام نہ بھی ہو تو بھی عوام کی ضرورت کے پیش نظر اس کا صحیح اہتمام ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح ہونا چاہیئے جس سے عوام مطمئن ہوں، اور ان الفاظ سے ہونا چاہئے۔ جو اسلام نے اس کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان لوگوں کی شمولیت سے ہونا چاہیئے جن پر لوگوں کو مذہبی معاملات میں اعتماد ہو، اور وہ اس کی شرعی اہمیت کو سمجھتے ہوں ڈائریکٹر محکمہ موسمیات کراچی نے اپنے بیان میں فرمایا ہے۔

گو میرا فرض نہیں تھا۔ لیکن میں دونوں گواہ لے کر مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس گیا۔ یہ انداز گفتگو کیا ہے، جب آپ ایک ایسا اعلان فرماتے ہیں۔ جس سے بحیثیت مسلمان مولانا احتشام الحق وغیرہم کا براہ راست تعلق ہے، پھر مولانا احتشام الحق کی شخصیت ایسی ہے، جس پر عامۃ المسلمین کو اعتماد ہے، تو آپ ان کو اعتماد میں لئے بغیر کیوں اعلان فرماتے ہیں۔ اخلاقاً شرعاً اور بحیثیت ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آپ کا فرض ہے کہ۔ اعلان سے قبل ان حضرات سے رابطہ قائم کریں، اور ان کو مطمئن کریں۔ ہم نے ڈائریکٹر محکمہ موسمیات اور مولانا احتشام الحق صاحب کے اخباری بیانات پڑھے ہیں۔ ہمارا تاثر یہ ہے کہ۔ چاند یقیناً دیکھا گیا۔ لیکن ان بیانات اور ان میں اختلاف سے اقتدار اور خود داری کی جنگ نمایا ہے۔

علمائے چاند نہیں دیکھا۔ عوام کے پاس وہ ذرائع نہیں جو محکمہ موسمیات کے پاس ہیں، تو اس صورت میں صحیح طریق کار یہ تھا کہ۔ جہاں دو افسر دوربین سے چاند دیکھ رہے تھے، وہاں مولانا احتشام الحق یا مفتی محمد شفیع صاحب بھی دوربین استعمال فرمالیتے۔ اس سے دوربین کا کون سا پرزہ گھس جاتا علماء کا اطمینان بہرحال محکمہ والوں کو کرالینا چاہئے تھا۔ پھر یہ کیا الفاظ ہیں۔ کراچی میں چاند ہو گیا ڈھاکہ میں چاند نہیں ہوا۔ یہ الفاظ شرعی شہادت کے لحاظ سے قطعی مبہم ہیں۔ محکمہ موسمیات

کے ڈائریکٹر مسلمان ہیں۔

انہیں معلوم نہیں شہادت میں مبہم الفاظ کا استعمال نہ شرعاً درست ہے۔ نہ قانوناً اس کے لئے الفاظ واضح ہونے چاہئے۔ مثلاً چاند فلاں مقام پر دیکھا۔ فلاں فلاں صاحب نے خود دیکھا۔ وہ فلاں بزرگ ہیں۔

ان کا مختصر سا تعارف ہو جانا چاہیئے، اس دفعہ جو بھی تھوڑا بہت انتشار ہوا ہے، اس میں محکمہ موسمیات کی بے اعتنائی کو زیادہ دخل ہے، نہ اگر بروقت ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم فرما لیتے تو نہ ان کو تکلیف ہوتی۔ نہ عید مناتے کے سلسلہ میں ملک میں بے اطمینانی پیدا ہوتی۔ آپ غور فرمائیں۔ اگر سائنسدان چاند کو عبور کر کے اس سے کہیں آگے نکل جائیں تو رؤیت ہلال کی شرعی یا عرفی حیثیت میں کیا فرق پیدا ہو سکتا ہے، وہ تو بہر حال نظر آئے گا۔

اب پیش آمدہ سوالات کے متعلق شرعی مقاصد کے لحاظ سے عرض ہے۔ اصل چیز کسی اطلاع پر یقین اور اطمینان ہے۔ یہ اطمینان کسی طرح حاصل ہو جائے۔ شارع حکیم کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر حالات شہادت کے مقتضی ہوں تو شہادت کی شرائط پوری ہونی چاہئیں۔ اور اگر یہ مقصد کسی دوسرے طریق سے پورا ہو جائے، تو ذرائع کی بحث عبث ہے۔ اس میں بظاہر مکاتب فکر میں کوئی اختلاف نہیں۔ جن لوگوں نے رمضان یا عید کے چاند کی اطلاع کو صرف اس لئے رد کیا ہے، کہ ریڈیو۔ تار یا ٹیلیفون کے ذریعے سے یہ اطلاع آئی۔ ان حضرات نے عقل و دانش سے جنگ لڑی ہے، اب یہ ذرائع ہماری زندگی کا جزو بن چکے ہیں۔ اور آئندہ روز بروز ان کا اعتبار بڑھ رہا ہے۔ جب ٹیلیفون پر ایک آدمی کی آواز کو پہچانتے ہیں، تو ٹیلیفون کی خبر پر بے اعتمادی کیوں کی جائے، کبھی کبھی چونکہ آوازیں مل جاتی ہیں۔ اس لئے حقیقت کو اوھام کی نذر کر دیا جائے۔ یہ فکر و نظر کے استعمال کا معقول طریقہ نہیں، یہ کس قدر غیر معقول بات ہوگی کہ ہم لوگ دنیا کے تمام معاملات میں ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ موت زندگی کے حوادث میں خطوط لکھتے ہیں تار دیتے ہیں ٹیلیفون سے استفادہ کرتے ہیں، اور ان ذرائع سے آئی ہوئی خبر کو صحیح سمجھتے ہیں، جلسوں کی تواریخ کی اطلاع ڈاک سے ہوتی ہے، دوسرے ذرائع سے پیغام بھیجے جاتے ہیں، ہمیں ان کے

قبول کرنے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا، اور اکثر یہ اطلاعات صحیح ہوتی ہیں۔ پورا رمضان سائرن بجتا رہا۔ سب لوگ اس پر روزہ افطار کرتے رہے، حالانکہ سائرن کی آواز میں اشتباہ اور ابہام کی زیادہ گنجائش ہے، لیکن ریڈیو اور ٹیلی فون کے مخالف سائرن پر یقین کرتے ہوئے سحری بند بھی کرتے رہے، اور روزہ کھولتے بھی رہے، لیکن اگر چاند کے لئے یہ ذریعہ جھوٹا سمجھا جانے تو کس قدر غیر معقول بات ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس میں مغالطہ کی کوئی گنجائش نہیں مطلب یہ ہے ان تمام ذرائع میں قرائن اور احوال کی وجہ سے اگر ظن غالب ان خبروں کی صحت کے متعلق ہو جائے تو اسے قبول کرنا چاہئے۔ صرف اس لئے رد کر دینا کہ یہ خبر فلاں ذریعہ سے آئی ہے۔ قطعاً غیر معقول ہے،

فقہائے اسلام کی نظر میں یہ شہادت علی الشہادت کی صورت ہو سکتی ہے، کسی مقام پر اگر ہلال رمضان دیکھا گیا تو ریڈیو نے اس شہادت کو نقل کر دیا۔ علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی م ۵۸۷ھ محدود بالقذف کے متعلق فرماتے ہیں۔

روی ابو یوسف عن ابی حنیفۃ ان شہادتہ برؤیۃ الھلال لاتقبل والصحیح انہا تقبل وہو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ لما ذکرنا ان ہذا خبر ولیس بشہادۃ وخبرہ مقبول وتقبل شہادۃ واحد عدل علی واحد عدل فی ھلال رمضان اھ البدائع والصنائع جلد ۲ صـ۸۱ مقذوف کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دو روایات ہیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں، یہ شہادت مقبول نہیں۔ حسن بن زیاد فرماتے ہیں، مقبول ہے، کاسانی فرماتے ہیں، یہ صحیح ہے، فرماتے ہیں یہ خبر ہے، شہادت نہیں۔ ایسی خبر سے گویا رؤیت ہلال ثابت ہو سکتی ہے، نیز یہ ایک عادل گواہ پر دوسرے عادل کی شہادت ہلال رمضان کے متعلق قبول کرلی جائے گی۔ اھ

اس عبارت سے ظاہر ہے، جس طرح شہادت سے ہلال رمضان کی رؤیت ثابت ہو سکتی ہے، بعض حضرات کا شہادت کے لئے اصرار فقہاء کے موقف سے بے خبری پر مبنی ہے، عفا اللہ عنا وعنہم۔

اصل چیز قرائن ہیں۔ اگر ایک یا دو شہادتیں مل جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ایسے قرائن بھی مل جائیں جن سے یہ ثابت ہو کہ یہ گواہ غلط کہتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ شہادت بھی مسترد ہو جائے گی۔ اصل چیز صحیح اطلاع ہے، ذرائع اصل بحث نہیں۔ اگر قرائن موجود ہوں، تو غیر عادل اور غیر ثقہ کی روایت بھی مقبول ہوگی۔ ضعیف اخبار کو کلیۃً مسترد نہیں کیا گیا۔

اصطلاحی شہادت پر اصرار اور خبر سے انکار کرنا منکرین حدیث کے ہاتھوں کو مضبوط کرے گا کیونکہ احادیث کا سارا سلسلہ ہی اخبار پر مبنی ہے، اگر خبر کو ساقط الاعتبار یا مشکوک سمجھا جائے تو پورا فنِ حدیث غیر معتبر اور غیر مستند ہو جائیگا، احادیث کی صحت اور ضعف کا انحصار ثقہ یا کمزور راویوں کی اخبار اور اطلاعات پر ہے، رؤیت ہلال کے متعلق خبر کی حجیت اور استشہاد پر تمام فقہاء اور محدثین متفق ہیں، اس لئے ریڈیو اور ٹیلی فون وغیرہ کی خبروں کو کلی طور پر مسترد کرنا بے خبری کی دلیل ہے۔

البتہ جب شہادت کا موقعہ ہو تو شہادت ہی پر اعتماد ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ واقعہ کی تصدیق ہو جائے۔ تصدیق کا ذریعہ کوئی بھی ہو، شہادت یا خبر یا اطلاع ریڈیو سے ہو یا فون سے یا کوئی اور معتمد طریق اطلاع۔ سب صحیح ہے، اس میں شک نہیں ریڈیو اور دوسری سرکاری محکموں میں کام کرنے والے عام طور پر متدین نہیں ہوتے۔ لیکن اس میں ان آلات کا کیا قصور ہے، یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہاں متدین آدمی رکھے یا کم از کم وہ اس قسم کے اعلانات متدین اور اہل علم حضرات سے کرائے۔

اس دفعہ بعض دیوبندی اور اکثر بریلوی دوستوں نے بے چارے ٹیلیفون اور ریڈیو کی جو گت بنائی ہے، یہ معقول اور پسندیدہ طریق نہیں۔

۲: خبر اور شہادت میں واقعی فرق ہے، لیکن جہاں تک کسی معاملہ کی تصدیق و توثیق کا تعلق ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فرق اس میں ہے کہ بعض لوگ اگر خبر دیں مقبول ہوگی۔ لیکن ان کی شہادت مقبول نہیں، اکیلی عورت شہادت نہیں دے سکتی۔ خبر دے سکتی ہے، اس لئے جہاں تک رؤیت ہلال کی توثیق اور تصدیق کا تعلق ہے، اس میں دونوں مفید اور مؤثر ہیں، لہٰذا شرعاً بعض مواقع میں رؤیت ہلال میں خبر سے استفادہ کیا

گیا ہے۔ اور بعض وقت شہادت شرعی کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، آپؐ نے بلالؓ کو فرمایا روزہ کا اعلان کر دو، فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں، یہ شہادت نہیں خبر ہے۔

کاسانی فرماتے ہیں:۔ لان هذا ليس بشهادة بل هو اخبار بدليل ان حكمه يلزم الشاهد البدائع والصنائع جلد ۲ صد۸۱۔ یہ شہادت نہیں بلکہ خبر ہے، کیونکہ اس کا اثر خبر دینے والے پر ہی پڑتا ہے، اسی طرح مقذوف اگر چاند کی شہادت دے تو قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ یہ خبر ہے، شہادت نہیں اس سے ظاہر ہے کہ فقہاء عراق کے نزدیک بھی خبر سے چاند کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

ایک بہت بڑے بزرگ کے ارشادات بھی سنئے وہ محلی میں فرماتے ہیں۔ مسئلہ ۷۵۷،
من صح عنده بخبر من يصدقه من رجل واحد او امرأة واحدة عبدا وحر او امة او حرة فصاعدا ان الهلال قد رأى البارحة فى اخر شعبان ففرض عليه الصوم صام الناس او لم يصوموا محلى ابن حزم جلد ۲ صہ۲۳۵

اگر مصدقہ خبر مل جائے کہ ایک مرد یا ایک عورت۔ غلام یا آزاد نے گذشتہ رات چاند دیکھ لیا ہے، اس پر روزہ فرض ہے، لوگ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ رمضان کے چاند میں تو ہمارے ساتھ اتفاق فرماتے ہیں۔ مگر شوال کے متعلق ان کا خیال ہے کہ۔

دو آدمی کی شہادت ضروری ہے، ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا تناقض ہے، اور مسئلہ بے دلیل ہے، پھر صہ۲۳۶ جلد ۲ میں فرماتے ہیں:۔ فاما نحن فخبر الكافة مقبول فى ذلك وان كانوا كفارا او فساقا لانه يوجب العلم ضرورة اھ۔ ہمارے ہاں تو چاند کے معاملہ میں فاسق اور کافر کی اطلاع بھی درست ہے، کیونکہ اسی سے بقدر ضرورت علم حاصل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ اطلاع عامۃ الناس دیں۔

اہل علم کی وسعت ظرف اور رفعت خیال ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کہاں ہیں۔ اور ارباب علم

کی پرواہ نہ تحقیق کیا ہے۔

ابن حزمؒ کی پوری بحث آثار کے لحاظ سے قابل غور ہے۔ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ صحیح خبر کو قبول کیا جائے، خواہ کہیں سے بھی آئے۔ مغنی ابن قدامہ کے شارح فرماتے ہیں:۔

وان اخبرہ برؤیۃ الھلال من یثق بقولہ لزمہ الصوم وان لم یثبت ذلک عند الحاکم لانہ خبر بوقت العبادۃ یشترک فیہ المخبِر والمخبَر اشبہ الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخبر عن دخول وقت الصلوۃ جلد ۳ ص۹۔

اگر کوئی ثقہ آدمی چاند کی اطلاع دے تو روزہ واجب ہو گا۔ حاکم اس اطلاع کو مسترد کر دے، کیونکہ یہ عبادت کے وقت کی اطلاع ہے، اس میں خبر دینے والا اور جسے خبر دی گئی ہے، برابر ہیں، یہ احادیث کی روایت یا نماز کے وقت کی اطلاع کے مشابہ ہے۔ جس میں صرف مؤذن کی اطلاع کافی ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر یہ اطلاع کسی عورت کی زبانی ہے تو قیاس یہ ہے کہ یہ بھی مقبول ہو گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام شافعیؒ سے ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے، کیونکہ یہ ایک دینی اطلاع ہے، یہ حدیث کی روایت یا سمت قبلہ کی اطلاع یا نماز کے وقت کی خبر کے مشابہ ہے جیسے وہاں صرف خبر کافی ہے، چاند کے متعلق بھی خبر ہی کافی ہے۔ اھ۔

آج کل بڑے شہروں میں سائرن کی آواز اور قصبات میں مؤذن کی آواز یا نوبت کی آواز پر روزہ رکھا۔ اور کھولا جاتا ہے، یہ خبر ہے شہادت نہیں۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک ہلال کا معاملہ بھی بعض وقت اسی نوعیت کا ہوتا ہے، بعض ائمہ نے بڑی صراحت سے خبر کے اثر اور حجیت کا اعتراف فرمایا ہے۔ وہ ہلال کے متعلق ایک شہادت کے متعلق جس قدر احادیث آئی ہیں، انہیں خبر پر محمول فرماتے ہیں، وہ اسے شہادت سمجھتے ہی نہیں، اور فقہاء عراق اس توجیہ میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ سابقہ منقولات سے ظاہر۔ فقہاء اہلحدیث بھی اس سلسلہ میں فقہاء عراق رحمہم اللہ کے ہمنوا ہیں۔ خطابی فرماتے ہیں:۔ وقد روی عن عمر بن الخطاب من طریق عبد الرحمٰن بن ابی لیلی

انہ اجاز شہادۃ رجل فی اضحی اوفطر ومال الی ھذا القول بعض اھل الحدیث وزعم ان باب رؤیۃ الھلال باب الاخبار فلا یجری مجری الشہادات الا تری ان شہادۃ الواحد مقبولۃ فی رویۃ ھلال شہر رمضان فکذالک یجب ان تکون مقبولۃ فی ھلال شہر شوال اھ معالم السنن ج ۲ ص ۱۰۱

عبداللہ بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے، حضرت عمرؓ نے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے چاند میں ایک آدمی کی شہادت کو قبول فرمایا۔ بعض اہل حدیث کا بھی یہی خیال کہ رؤیت ہلال کا مسئلہ از قبیل اخبار ہے، از باب شہادت نہیں۔ اس لیے اس میں شہادت کی پابندیاں محفوظ نہیں رکھی جاسکتیں جس طرح رمضان میں ایک آدمی کی شہادت مقبول ہے۔ شوال کے چاند میں بھی اسے مقبول ہونا چاہیئے۔ اھ گویا احناف۔ اہلحدیث۔ حنابلہ۔ ہلال رمضان کے متعلق خبر ہی کو کافی سمجھتے ہیں، عام حالات میں اس کے لئے شہادت کو ضرورت نہیں ہوتی۔ خطابی کا خود رجحان چونکہ موالک کی طرف ہے، اس لیے وہ اپنا اختلاف ظاہر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ لکن بعض الفقہاء ذھب ان رؤیۃ ھلال رمضان خصوصاً من باب الاخبار وذلک لان الواحد العدل کافی عند جماعۃ من العلماء اھ معالم السنن جلد ۲ ص ۱۰۱۔ لیکن بعض فقہاء ہلال رمضان کا مسئلہ اخبار ہی کی قسم سے سمجھتے ہیں، اسی لئے ایک شہادت پر کفایت فرماتے ہیں۔ گویا اطلاع خبر کی قسم سے ہے۔ ص ۱۰۳ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ہلال رمضان کے متعلق ایک ہی آدمی کی شہادت کافی ہے، اگرچہ وہ غلام ہو یا لونڈی اسی طرح ایک عورت کی شہادت بھی کافی سمجھتے ہیں۔ امام ماوراد ظاہر روایت کے خلاف مرد۔ عورت۔ غلام لونڈی عادل غیر عادل میں اطلاع کو کافی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ دراصل شہادت ہے ہی نہیں بلکہ خبر اور اطلاع ہے، ان نقول سے واضح ہوتا ہے، ہلال رمضان کے لئے شہادت ضروری نہیں۔ البتہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق مخبر کا ثقہ ہونا ضروری ہے، لیکن امام طحاوی اسے بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

ایک لطیفہ اس قسم کے مضامین میں شاید مقامی تذکرہ بھلا نہ لگتا ہو، لیکن بطور لطیفہ اور واقعہ کے یہ غالباً نامناسب بھی نہ ہوگا۔ کہ بعض اچھے بھلے اہل علم اور سمجھدار حضرات پر بھی ٹیلیفون

وغیرہ کی خبر سے کسی قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

معلوم ہے اس سال ۲۹ رمضان کو مطلع ابر آلودہ تھا۔ چاند کے متعلق تشویش تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ریڈیوں نے اطلاع دی کہ کراچی میں چاند ہو گیا ہے۔ تقریباً بارہ تیرہ آدمی ہمارے ہاں مسجد میں اعتکاف کر رہے تھے۔ وہ اعتکاف ختم کرنے کے لئے دریافت کر رہے تھے۔ میں اس قدر ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے کوشش کی کہ لاہور یا کراچی سے رابطہ قائم کیا جائے، اور صورت حال دریافت کی جائے۔ پوری کوشش کے باوجود کراچی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ دفتر مرکزی جمعیت اہلحدیث میں صدر محترم مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث رات کو تقریباً گیارہ بجے مل سکے۔

مولانا نے فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا مفتی محمد جمیل کے پاس قابل اعتماد شہادت آگئی ہے، اس لئے مولانا ابوالبرکات صاحب کے سوا پورے لاہور میں ہفتہ کے دن عید کا فیصلہ ہو گیا ہے، اس ساری گفتگو میں مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ بھی موجود تھے۔ میں نے انہیں پیغام بھیج کر بلالیا تھا۔ کہ جو فیصلہ ہو اتفاق سے ہو میں نے رسیور مولانا عبدالواحد صاحب کو دے دیا۔ تاکہ مولانا خود مولانا غزنوی صاحب سے براہ راست گفتگو فرمالیں۔ میں نے اس کے بعد مولانا عبدالواحد صاحب سے عرض کیا کہ اب تو شرعاً عید کا فیصلہ ہفتہ کے دن ہو جانا چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا، ہاں مجھے تو یقین ہو گیا۔ لیکن ذرا معاملہ شریعت کے مطابق ہو جائے۔ میں مولانا کی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ۔ اب شریعت کے ساتھ مطابقت کا کیا مطلب ہے۔ میں خاموش ہو گیا۔ ایک بڑا ہجوم یہ گفتگو سن رہا تھا۔ ان سب نے کہنا شروع کر دیا کہ عید کل ہوگی۔

صبح مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ مولانا عبدالواحد صاحب دو تین حضرات کے ہمراہ رات لاہور گئے۔ اور مولانا مفتی محمد جمیل صاحب سے مل کر۔۔ ان کی زبانی چاند دیکھنے کی اطلاع لائے، پھر ان کو اطمینان ہوا۔ میں اسے لطیفہ سمجھتا ہوں۔ مولانا عبدالواحد صاحب پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو مولانا کو مولانا سید داؤد غزنوی پر اعتماد نہیں تھا۔

یا پھر فون کی بجائے مولانا محمد جمیل صاحب سے بالمشافہ حقیقت سننا چاہتے تھے۔ میری رائے میں اس توثیق کی حیثیت وہم سے زیادہ نہیں۔ فون پر آواز پہچان کر پھر لاہور جانا۔ پھر اسے شریعت کی مطابقت سے تعبیر کرنا ایک پڑھے لکھے سنجیدہ آدمی کے لئے نامناسب ہے، اور اگر یہ فون سے گھبراہٹ ہے۔ تو اور بھی معیوب اور مضحکہ خیز ہے، پھر بھال کے بریلوی بزرگ جنہوں نے یکم رمضان المبارک کو جمعہ کے دن روزے تڑوائے تھے۔ وہ اپنے ایک مرید کی جیپ لیکر لاہور گئے۔ وہ اپنے کسی بریلوی بزرگ سے مل کر عید لائے، اور تقریباً سات بجے تک ان کے مقتدی روزہ سے رہے۔ ان کی اپنی بریلوی عید بریلوی جیپ میں سوار ہو کر آئی۔ تو ان بے چاروں کی جان میں جان آئی۔ علماء دین یہ تعصب باہم بے اعتمادی اور بغض یا پھر وہم پرستی اور ریڈیو یا فون کے نام سے دشمنی نہ کوئی علمی کارنامہ ہے۔ نہ عقل و شعور کا تقاضا حضرات علماء ہی وسعت ظرف کے داعی ہیں۔ یہی توہمات میں مبتلا ہو جائیں تو عوام کا خدا حافظ۔ ان حالات میں پڑھے لکھے۔ اور باشعور حضرات ان توہم پرستوں کا اگر مذاق اڑائیں تو وہ حق بجانب ہیں۔ بریلوی حضرات سے تعجب نہیں۔ لیکن حضرات دیوبند کی یہ ریڈیو یا فون دشمنی میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

۳:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الاضحیٰ یوم تضحون و الفطر یوم تفطرون ترمذی۔ یعنی بادشاہ یا عامۃ المسلمین جب افطار کا فیصلہ کر لیں۔ یا عید منائیں۔ تو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے۔

حافظ مقدسی مغنی کی شرح میں فرماتے ہیں۔ وعنہ روایۃ ثالثۃ ان الناس تبع للامام فان صام صاموا وان افطر افطروا وھو قول الحسن و ابن سیرین لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون۔ قیل معناہ ان الصوم والفطر مع الجماعۃ ومعظم الناس قال الترمذی حدیث حسن غریب ص ۳ ج ۱

لوگ اس معاملہ میں امام کے تابع ہیں۔ مذکورہ صدر حدیث کا یہی مطلب ہے۔ کہ عوام اور امیر المسلمین کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے، اختلاف اور تفریق پیدا کرنے سے بچنا چاہیے۔

مقصد شارع حکیم کا یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسئلہ میں تفریق پسند ذہن اسلام کے مقاصد کے خلاف ہے۔ اگر عامۃ المسلمین روزہ رکھ لیں۔ تو تڑوانا درست نہیں۔ اگر عید سمجھ کر افطار کر لیں تو ان کو روزہ پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں گوجرانوالہ کے ایک بریلوی مولوی صاحب نے کراچی کی صحیح اطلاع کے باوجود روزے تڑوا دیئے تھے۔ وہ اپنے ضمیر کی چوری اور اپنی غلط روش کو چھپانے کے لیئے اشتہاروں کی بھرمار کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں کہ ایک صحیح اطلاع چونکہ ریڈیو یا فون کے ذریعہ سے آئی ہے، اس لئے چاند ہوا ہی نہیں۔ گویا ایک صحیح واقعہ اگر ان آلات کی معرفت معلوم ہو جائے۔ تو وہ واقعہ ہی نہیں ہوتا۔ اگر تار یا فون کی معرفت کسی کی موت یا پیدائش کی اطلاع آ جائے تو حضرت مولانا کے نزدیک یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ نہ کوئی مرا نہ کوئی پیدا ہوا۔ ایسے عقل مندوں کا خدا حافظ۔

عیداور وحدت ملت ۲۹ رمضان کے ریڈیو سے معلوم ہوا کہ ڈھاکہ میں چاند نظر نہیں آیا۔ لیکن کمشنر صاحب مشرقی پاکستان نے وہاں بھی عید کا اعلان کر دیا۔ معلوم نہیں کیوں کیا گیا۔

بات یہ ہے کہ اختلاف مطلع ایک حقیقت ہے وحدت ملت کی دلیل صرف عید ہی کو تصور کرنا حقائق سے مطابقت نہیں۔ اگر ڈھاکہ میں عید اتوار کو ہو جاتی تو اس سے ملت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ موسمیات کے محکمہ ہی سے دریافت فرمایئے۔ اگر ڈھاکہ کا مطلع مغربی پاکستان سے مختلف ہے، تو ان لوگوں کو عید پر کیوں مجبور کیا جائے۔ کمشنر صاحب ہزاروں روزے تڑواتے یا نہ رکھنے کا گناہ اپنے ذمہ کیوں لیں۔ یہ نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً۔ محکمہ موسمیات اس فتویٰ دے سکتا ہے۔ مسلمان بحمد اللہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کا ایک دن عید منانا ممکن ہی نہیں۔ اور نہ یہ وحدت شرعاً مطلوب ہے۔

حجاز، مصر، اور شام میں عید جمعہ کو ہو تو وحدت ملت کو کچھ نقصان نہیں۔ ڈھاکہ میں چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے اگر اتوار کو ہو تو اس میں وحدت ملت کو کونسا نقصان پہنچ سکتا ہے، بلکہ وحدت ملت اس میں ہے کہ ملت کے احکام اور حدود کی صحیح پابندی کی جائے۔ دانشمندی یہ ہے کہ جب اتنی دور کے منطقہ میں چاند نظر نہیں آیا۔ تو معاملہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے طے شدہ مسائل کے خلاف پبلک سے کچھ کہنا حکومت کے وقار کا تقاضا نہیں۔

(الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۳۵)

محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ

سوال :۔ رؤیت ہلال اگر ایک شہر میں ہو تو دیگر اہل امصار و بلاد کے لئے بھی اس کا اعتبار ہوگا یا خاص اسی شہر کے لئے کہ جہاں رؤیت ہوئی ہے، بصورت اول شہادت بذریعہ خبر تار برقی و خطوط و اخبار سماعی معتبر ہوگی یا نہیں۔ اور اس حالت میں شہادت قابل قبول کس طرح ہونی چاہیئے۔ ودوسری صورت میں جہاں رؤیت ہوئی ہے اس کے قرب و جوار کے امصار و قریٰ کے لئے وہ رؤیت قابل حجت ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو کس قدر فاصلہ تک۔ یعنی جس شہر میں رؤیت ہوئی اس کے باہر اطراف میں کتنے فاصلہ تک وہ رؤیت معتبر سمجھی جاوے گی۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ ابن عباس کی حدیث کے موافق جو کہ کتب صحاح میں ہے۔ کہ ہر شہر والوں کا چاند دیکھنا معتبر ہے، دور شہر جو ایک ماہ کی مسافت پر ہو اس شہر کے واسطے اُن شہر والوں کی رؤیت معتبر نہیں ہے، اور شہر کے گرد و نواح والے سب اسی شہر کے حکم میں داخل ہیں۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد و نواح والوں کی شہادت سے روزہ رکھا، اور افطار کیا۔ ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ان[1] رکباً جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشھدون انھم رأوا الھلال بالامس فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم۔ شہروں کی رؤیت کے اختلاف کا حکم بسبب مختلف ہونے مطالع کے ہے، اور مطلع کے مختلف ہونے کی ادنیٰ مسافت تخمیناً ایک ماہ ہے طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے، کہ مطلع کے مختلف ہونے کی وجہ سے رؤیت میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور صاحب تجرید نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور یہ ہی مشابہ حق کے ہے، اس لئے کہ جدا ہونا چاند کا شعاع شمس سے مختلف ہوتا ہے، بہ سبب مختلف ہونے اقطار کے جیسا کہ دخول وقت اور خروج وقت میں مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ علم افلاک اور علم ہیئت میں ثابت کیا گیا ہے، مطالع کے مختلف ہونے کے واسطے ادنیٰ ایک ماہ کی مسافت کے قدر ہے۔ انتہی کما فی الجواہر ملخصاً اور زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے

---

[1] کہ چند سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور انہوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل چاند کو دیکھا ہے، آپ نے حکم دیا کہ افطار کریں۔ اور کل کو عیدگاہ کی طرف نکلیں۔

اکثر مشائخ اسی پر ہیں کہ مطالع کا مختلف ہونا نہ اعتبار کیا جائے۔ لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار کیا جائے۔ اس واسطے کہ ہر قوم اپنی طاقت کے موافق مکلف اور اس کے معتبر ہونے پر یہ دلیل ہے کہ کریب سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ام الفضل نے اس کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں ملک شام میں آیا۔ اور آپ کی حاجت کو پورا کیا۔ اور رمضان مبارک کا چاند طلوع قریب تھا، اور میں اس وقت شام ہی میں تھا۔ پس میں نے جمعہ رات چاند دیکھا پھر میں رمضان کے آخر میں ابن عباسؓ کی طرف مدینہ کو آیا۔ اور انہوں نے چاند کا ذکر کیا، اور کہا کہ تم نے چاند کب دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہم نے جمعہ کی رات کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں، اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ اور روزہ رکھا ہے۔ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ تو آپ نے فرمایا ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے، اور ہم تو روزے رکھتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے حساب سے تیس پورے ہو جاویں۔ اور یا ہم چاند کو دیکھ لیں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے پر کفایت نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا نہیں ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم کیا ہے، فقہائے حنفیہ رویت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبر معتبر نہیں جانتے۔ مگر نصوص شرعیہ اور آثار صحابہ اسی پر دال ہیں کہ معتبر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر وغیرہ سلاطین کو جو ابلاغ کیا وہ سب خط خطوط ہی کے ذریعہ سے تھا اور وہ بھی خطوط ہی کے ذریعہ سے جواب روانہ کرتے تھے۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور بڑے بڑے سلف صالحین اہل اسلام جو آپس میں استفتاء سائل کرتے تھے۔ تو یہ سب بذریعہ خط و کتابت کرتے تھے۔ اور ان کے جواب بھی بذریعہ خطوط ہی جاتے تھے۔ اور یہ سب صاحب بغیر کسی شک و شبہ کے ان پر عمل بجا لاتے تھے۔ اگر خطوط وغیرہ کو اعتبار نہ دیا جائے، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ابلاغ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور ان کے ساتھ ان کے جواب کے موافق کیوں معاملہ کیا جاتا تھا۔ اور جمیع اہل اسلام سلف و خلف سے کیوں فتویٰ مرسلہ پر عمل بجا لاتے تھے۔ اور تمام مصنفون رحمۃ اللہ علیہم کی تصنیف شدہ رسالوں اور کتابوں پر عمل کرنا کس طرح جائز ہو گا۔ اگر خط و کتابت کو اعتبار نہ کیا جائے۔

تو تمام دین کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر اس کو اعتبار نہ دیا جاتا تو آج اسلام ضائع ہو جاتا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہی نسخوں میں موجود ہے۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر کتب فقہ کا بھی اعتبار نہیں، اور اس کی تفصیل لکھنے کے واسطے بڑی کتاب چاہیئے۔

حررہ عبدالجبار بن الشیخ عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ جلد اول صفحہ ۸۱)

سوال:۔ ہم دیہات میں رہتے ہیں، ۲۹ رمضان کو ابر ہو گیا نہ چاند دکھائی دیا۔ نہ کہیں سے اطلاع آئی۔ کیونکہ یہاں رسل و رسائل کا کوئی ذریعہ نہیں ہم نے روزہ رکھ لیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آج کے روز عید ہو گی کیا ایسی صورت میں ہم گنہگار تو نہیں ہوئے۔

جواب:۔ نہیں آپ پر کوئی الزام نہیں حضور کا ارشاد ہے کہ ہر بستی کا مطلع اپنا اپنا ہے، کوئی کسی کا مکلف ہے ایسی سہولت ہم پہنچاتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۳۵ (۱۰ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ)

سوال:۔ ہمارے امام مسجد اور چند مقتدیوں کا موافقت ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہیئے شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اگر ایک آدمی چاند دیکھ لے تو روزہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے، اگر باہر سے خبر آئے تو پھر بھی روزہ رکھنا چاہیئے۔ بشرطیکہ مطلع ایک ہی ہو مطلع ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہاں ایک شہر میں چاند دیکھا گیا ہے، تو اس شہر سے ہمارا اتنا فاصلہ نہ ہو کہ اس وقت ہمارے ہاں چاند غائب ہو جائے گا۔ مثلاً اگر مغربی شہر والوں نے چاند دیکھا ہے۔ اور مغربی شہر اور مشرقی شہر میں اتنا فاصلہ ہے کہ اس وقت ابھی مشرقی افق میں ہلال ہو سکتا ہے، تو مطلع ایک ہے۔

اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ کراچی میں چاند دیکھا گیا۔ لاہور اور کراچی میں فرق قریباً آدھ گھنٹہ

کا ہے۔ یعنی کراچی میں آدھ گھنٹہ بعد سورج غروب ہوتا ہے۔ اب اگر چاند سورج غروب ہوتے کے بعد آدھ گھنٹہ سے زائد عرصہ کراچی میں رہے تو اس صورت میں لاہور اور کراچی کا مطلع ایک ہوگا۔ (اخبار اہل حدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۳۶ (۱۱ رجب ۱۳۹۱ھ)

حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی

سوال:۔ ہلال کمیٹی کے اراکین میں کون کون سے علماء شامل ہیں اور کون کون سے مسلک سے وابستہ ہیں شرعی نقطہ نظر سے ان کا فیصلہ ہمارے لیے قابل قبول ہے۔ آیا عید کرنے میں بھی ان کے فیصلہ کو قبول کر لینا چاہیئے۔ ہمارے امام مسجد صاحب فرماتے ہیں کہ ہلال کمیٹی حکومت کے ماتحت فیصلہ کرتی ہے، ہمارے لیے ان کا فیصلہ قابل حجت نہیں، ہمیں حدیث پر عمل کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ ہلال کمیٹی میں علمائے حنفیہ ہیں۔ ان میں غیر عالم بھی ہیں۔ اگر شک ہو تو ٹیلیفون کے ذریعہ تحقیق کر سکتے ہیں۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۳۶)

سوال:(۱)۔ اگر رویت ہلال کا اعلان ریڈیوں سے سنا جائے اور چاند ریڈیوں پر سنائی دینے والے مقام پر کسی نے نہ دیکھا ہو تو اس ریڈیوں کی خبر پر رؤیت ہلال مان لینا چاہیئے یا نہیں؟۔

(۲):۔ اگر ایک جگہ چاند نظر نہ آیا تو وہاں کتنی دور تک کی شہادت قابل قبول ہوگی؟۔

(۳):۔ اگر ایک جگہ چاند نظر نہ آیا تو وہاں کے لوگوں کی شہادت حاصل کرنے کے لئے کتنی دور تک جانا چاہیئے۔؟

(۴):۔ تار اور ٹیلیفون کی اطلاع مانی جائے یا نہیں۔ اگر مانی جائے تو کتنی دور تک مانی جائے؟

(۵):۔ اگر چاند پشاور۔ لاہور۔ کراچی۔ ڈھاکہ۔ حیدر آباد (سندھ) میں نظر آجائے تو سکھر والوں کے لئے وہاں کی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں واضح رہے کہ حیدر آباد سکھر سے قریباً ۲ میل ہے؟۔

جوابات:۔ (۱)۔ رؤیت ہلال کمیٹی اگر معتبر علماء پر مشتمل ہو جن کی بات پر وثوق کیا جا سکتا ہو اور ریڈیوں میں ان کی بات اثر انداز ہو سکتی ہے تو اس صورت میں ریڈیوں کی خبر کا اعتبار کر کے روزے رکھنے چاہیئے۔ امسال اگرچہ پہلی رمضان میں مغربی پاکستان میں صرف کراچی کی خبر پر ریڈیوں نے اعتماد کیا ہے۔ مگر بعد میں پتہ چلا ہے۔ کہ فرداً فرداً بہت جگہ چاند دیکھا گیا ہے۔ لہٰذا جمعہ کا پہلا روزہ ہے۔

(۲-۳)۔ اگر رؤیت کے مقام اور دوسری جگہ۔ جہاں چاند نظر نہیں کا مطلع ایک ہو تو چاند کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ ایک مطلع ہونے کی صورت میں وہاں چاند نظر نہیں آیا۔ بھی چاند موجود تھا۔ مگر کسی وجہ سے نظر نہیں آیا۔

(۴)۔ اگر خبر دینے والا قابل وثوق ہو۔ اور یقین ہو کہ خبر اسی نے دی ہے تو اطلاع مان لینی چاہیئے۔ اگر مطلع کریں۔ ورنہ نہیں۔

(۵)۔ اگر چاند لاہور۔ پشاور۔ کراچی دیکھا جائے تو حیدرآباد سندھ کے لئے ان کی شہادت قابل قبول ہوگی۔ کیونکہ مطلع ایک ہی ہے۔

محمد گوندلوی گوجرانوالہ

(اخبار الاعتصام ج ۲ ش ۲۴، ۲۰ رشوال ۱۳۶۸ھ)

ایک ملک کی دوسرے ملک کے لئے رؤیت

سوال:۔ بمبئی میں چاند کی رؤیت ہمارے اہل پنجاب کے لئے کافی ہے؟

جواب:۔ ایک روایت میں ہے۔ عن کریب ان ام الفضل بعثته الی معاویۃ ؓ بالشام فقال قدمت فقضیت حاجتها واستهل علی رمضان و انا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی اٰخر الشهر فسألنی عبد اللہ ابن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته فقلت نعم وراٰه الناس وصاموا وصام معاویة فقال لکنا رأیناه لیلة السبت فلانزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراه فقلت الا نکتفی برؤیة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول اللہ ﷺ رواه الجماعة الا البخاری و ابن ماجہ۔

یعنی کریبؓ سے روایت ہے کہ ام الفضل ؓ نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے

ام الفضلؓ کا کام گیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا۔ پھر آخر رمضان مدینہ میں آیا۔ ابن عباسؓ نے مجھ سے وہاں کا حال پوچھا۔ پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ ہم نے چاند جمعرات کو دیکھا ہے۔ فرمایا تو نے خود دیکھا ہے، کہا میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے، اور سب نے روزہ رکھا، اور معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے، ہم اسی طرح روزے رکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا کیا آپ معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزہ کے ساتھ کفایت نہیں کرتے کہا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں ان لوگوں پر رد کرتے ہیں، جو کہتے ہیں۔ کہ ابن عباسؓ نے کریبؒ کی خبر پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ ان کے نزدیک ایک شہادت معتبر نہیں، فرماتے ہیں لکن ظاہر حدیثہ انہ یردہ بھذا وانما ردہ لان الرؤیۃ لا یثبت حکمہا فی حق البعید۔

یعنی ابن عباسؓ کی حدیث کا ظاہر اس کو چاہتا ہے۔ کہ ایک شہادت ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے رد کیا کہ دور والوں کے حق میں حکم رؤیت ثابت نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے، کیونکہ کریب نے جب کہا کہ آپ معاویہؓ کی رؤیت پر اعتبار نہیں کرتے تو ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح فرمایا ہے۔ معاویہؓ چونکہ شام میں تھے۔ تو اس کا مطلب یہی بنا کہ دور والے کی شہادت معتبر نہیں تو یوں کہیے کہ معاویہؓ کی شہادت تو معتبر ہے لیکن ذریعہ پہنچنے کا صرف ایک ہے اس لئے معاویہؓ کی شہادت اور دیگر لوگوں کی شہادت درحقیقت تیری شہادت ہے۔ جو اکیلے کی شہادت ہے، نیز ہلال رمضان کے لئے ایک شہادت معتبر ہے، اور خود ابن عباسؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔ چنانچہ اُوپر جو اعرابی کی حدیث گذر چکی ہے، جس میں اعرابی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اتشہد ان لا الہ الا اللہ وہ ابن عباس ہی کی حدیث ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابن عباس کے رد کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایک کی شہادت تھی۔ بلکہ دور کی شہادت تھی، اس لئے رد کر دی پھر اس کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔ پس یہ مسئلہ پختہ ہو گیا۔ کہ دور کی رؤیت کافی نہیں۔

دور کی حد رہی یہ بات کہ دور کی حد کیا ہے، بعض نے کہا کہ اختلاف مطلع کا اعتبار ہے۔ مگر امام شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ شام اور مدینہ کے مطلع میں اختلاف نہیں۔ تو اختلاف مطلع کا قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کچھ اور کہا ہے۔ مگر راجح یہ ہے کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ شام دوسرا ملک ہے، ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس نے دوسرا ملک ہونے کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا۔ نیز اوپر جو حدیث گذر چکی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواروں کے آنے کا ذکر ہے، اس میں یہ بھی ذکر ہے، کہ جس دن سواروں نے چاند دیکھا اس سے اگلے دن آخر حصہ میں آئے ہیں۔ اور ظاہر کہ ایسے معاملہ میں عموماً تاخیر نہیں کی جاتی بلکہ خبر پہنچانے میں جلدی کی جاتی ہے، اور اہل عوالی، جو مدینہ سے اوپر کی طرف آباد تھے۔ اکثر جمعہ عید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ اور کئی ان سے مدینہ سے آٹھ آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھے۔ اگر اس حد میں یا اس کے قریب اردگرد چاند دیکھا جاتا تو ان کے آنے میں اتنی تاخیر نہ ہوتی کہ چاند دیکھنے کے دوسرے دن آخر حصہ دن میں پہنچتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصی دور سے آئے تھے۔ پھر ان کا سوار ہونا بھی اس کا مؤید ہے۔ پس جب باوجود خاصی دور سے آنے کے ان کی شہادت مان لی تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دور والے کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں۔ خواہ تھوڑی دور ہو یا زیادہ دور ہو تو آخر یہی بات ٹھہری کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک والوں کے لئے معتبر نہیں۔ جیسے شام دوسرا ملک تھا۔ ابن عباسؓ نے ان کی رؤیت مدینہ والوں کے لئے کافی نہ سمجھی۔ رہا سرحدوں کا معاملہ تو بسبب قریب کے وہ ایک ہی ہیں، جب ایک جگہ دوسری جگہ سے اتنی دور ہو کہ رؤیت ہلال میں فرق پڑ سکتا ہو تو اس صورت میں ایک جگہ کی رؤیت کا دوسری جگہ اعتبار نہیں ہوگا۔ بمبئی سے یہاں کے مطلع کا کافی فرق ہے، اور بمبئی کا علاقہ ملک بھی دوسرا ہے، اس لئے بمبئی کی رؤیت سے ہم پر روزہ ضروری نہیں بلکہ مناسب بھی نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۵۲۵)

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال:۔ کتنے گواہ ہوں کہ روزہ کے بارہ میں ان کی رؤیت کا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے:۔

(۱):۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْھِلَالَ یَعْنِیْ ھِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی مشکوٰۃ۔

یعنی ایک اعرابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کہا میں نے چاند دیکھا ہے۔ یعنی رمضان کا چاند۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ کہا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دے کہ کل روزہ رکھیں۔

(۲):۔ عن ابن عمر قال تراءی الناس الھلال فاخبرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی رأیتہ فصام وامر الناس بصیامہ رواہ ابوداؤد والدارمی ۔ مشکوٰۃ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا لوگ چاند دیکھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے بھی چاند دیکھا ہے۔ میری خبر پر آپ نے خود بھی روزہ رکھا۔ اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(۳):۔ عن ربعی بن خراش عن رجل من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اختلف الناس فی اٰخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشھدا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم باللہ لاھلا الھلال امس عشیۃ فامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الناس ان یفطروا رواہ ابوداؤد وزاد فی روایۃ وان یغدوا الی مصلاھم۔ منتقی الاخبار۔

یعنی اخیر رمضان میں عید کے چاند میں لوگوں کا اختلاف ہوا۔

پس دو اعرابی آئے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے کل چاند دیکھا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں۔ اور صبح عید گاہ کی طرف نکلیں۔

۴،۔ عن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب انہ خطب فی الیوم الذی شک فیہ فقال الا انی جالست اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وسألتہم وانہم حدثونی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ وانسکوا لہا فان غم علیکم فاتموا ثلثین یوماً فان شہد شاہدان مسلمان فصوموا وافطروا رواہ احمد ورواہ النسائی ولم یقل فیہ مسلمان۔

عبدالرحمٰن بن زید نے اس دن خطبہ پڑھا۔ جس میں لوگوں کو شک ہوگیا۔ فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی مجالس کی ہے، اور ان سے سوال وجواب کیا ہے، انہوں نے مجھے حدیث سنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اور دیکھ کر افطار کرو۔ اور اس کی رویت کے مطیع رہو۔ اگر چاند پوشیدہ ہوجائے تو تیس ۳۰ دن کی گنتی پوری کرو۔ اگر دو مسلمان اس کی رویت کی گواہی دیں تو ان کی شہادت سے روزے رکھو، اور افطار کرو۔ اس کو احمدؒ نے روایت کیا ہے، اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں مسلمان کا لفظ نہیں ہے۔

(۵)،۔ عن امیر مکۃ الحارث بن حاطب قال عہد الینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہ وشہد شاہدا عدل نسکنا بشہادتہما۔ رواہ ابوداؤد والدارقطنی وقال ہذا اسناد متصل صحیح۔ منتقی الاخبار۔

یعنی امیر مکہ حارث بن حاطب سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت کی کہ رویت کے مطیع رہیں۔ اگر چاند نظر آجائے تو دو عادل شخصوں کی گواہی پر عمل کریں۔

عید اور روزہ کے چاند میں فرق

ان روایتوں سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ رمضان کے چاند اور عید کے چاند میں فرق ہے، عید کے چاند کے لئے دو کی شہادت ہونی چاہیئے۔ رمضان کے لئے ایک کی شہادت کافی ہے۔

۴ کی حدیث میں اگرچہ دو کی شہادت کا ذکر ہے، لیکن ۱ اور ۲ کی احادیث میں چونکہ ایک کی شہادت بھی آگئی ہے، اس لئے ایک بھی کافی ہے۔

اگر عید کے چاند کے لئے بھی کسی روایت میں ایک کی شہادت آجاتی تو اس پر بھی عمل جائز ہوتا مگر جہاں تک ہمیں علم ہے، کوئی ایسی روایت نہیں آئی۔ نیز عبادت ایک بوجھ ہے، اس کی شہادت میں کوئی خوشی نہیں کہ شبہ کا احتمال ہو بخلاف عید کے چاند کے کہ عید ہونے کی وجہ سے اس میں شبہ ہے، اس لئے شہادت میں دو کا عہد مناسب ہے۔

مسلمان کی شہادت

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شہادت مسلمان کی معتبر ہے، غیر مسلم کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ نیز عادل ہونا بھی شرط ہے،

تار برقی اور ٹیلیفون

اور اسی سے تار برقی اور ٹیلیفون کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ بات کرنے والا اگر مسلمان ہے، شرع کا پابند ہے۔ تو اس کی شہادت معتبر ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور تار برقی کی خبر میں چونکہ کئی واسطے پڑتے ہیں۔ جن کا علم نہیں ہوتا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اگر مسلمان ہے تو عادل۔ شرع کا پابند ہے۔ یا نہیں۔ اس لئے اس کا مطلقاً اعتبار نہیں۔ ہاں اگر تاروں کے ذریعہ سے خبر پہنچے جو حد تواتر کو پہنچ جائیں۔ تو اس وقت واسطہ خواہ کیسا ہی ہو۔ خبر معتبر ہوگی۔[1]

کیونکہ تواتر میں واسطے کے حال کو نہیں دیکھا جاتا۔ چنانچہ اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے، اور تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں بلکہ جتنے عدد سے علم یقین ہو جائے وہی تواتر ہوگا۔ سو کسی جگہ زیادہ تعداد سے یقین ہوتا ہے، کسی جگہ تھوڑی تعداد سے۔ سو جتنی تاروں کے ذریعہ سے علم یقینی ہو جائے۔ شبہ اور احتمال کی گنجائش نہ رہے۔ اتنی تعداد کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ اور تعداد سے مراد یہ ہے کہ متعدد جگہ سے متعدد شخص تار دیں۔ نہ یہ کہ ایک ہی شخص بار بار تار دے۔ ان احادیث سے ایک

---

[1] حافظ صاحب مرحوم نے غیر مسلم کی شہادت میں حد تواتر کی قید لگائی ہے۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ نے تار اور ٹیلیفون میں قرائن سے درجہ یقین حاصل ہونے کی شرط لگائی مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔۱۲۔ (سعیدی)

بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر چاند نظر نہ آئے نہ کوئی شہادت ہو تو تیس کی تعداد پوری کر لینی چاہیئے اگر کوئی ایسی شہادت گزرے جو شرعاً معتبر نہیں۔ تو ایسے موقعہ پر شہادت دینے والا خواہ واقعہ میں سچا ہے، اس کو اپنی رؤیت پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ باقی لوگوں سے موافقت کرے جس دن وہ روزہ رکھیں اُس دن روزہ رکھے۔ جس دن افطار کریں۔ اُس دن افطار کرے۔ بلکہ عید الضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں ہے:۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون (ترمذی)

یعنی روزہ کا دن وہی ہے، جس دن تم روزہ رکھو۔ اور افطاری کا دن وہی ہے، جس دن تم افطار کرو۔ اور قربانی کا دن وہی ہے، جس دن تم قربانی کرو۔

ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر پہلے دن عید کی نماز کا موقعہ نہ ہو ۔ اور رؤیت ہلال کی خبر دیر سے ملی تو عید دوسرے روز بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے (۳) کی حدیث میں جملہ وان یغدوا الی مصلاہم سے ظاہر ہے یہ جملہ اگرچہ صریح نہیں۔ مگر مسئلہ درست ہے، کیونکہ اس کی بابت ایک صریح روایت بھی آئی ہے، مشکوٰۃ میں ہے۔

ان رکبا جاؤا الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم یشہدون انھم رأوا الھلال بالامس فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم رواہ ابوداؤد والنسائی ۔

یعنی کچھ سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے عید کا چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں، اور جب صبح کریں تو عید گاہ کی طرف نکلیں۔ اس حدیث میں عید کا دوسرے دن پڑھنا صراحۃً مذکور ہے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ وہ سوار کس وقت آئے تھے۔ نہ یہ صریح کہ یہ حکم سب لوگوں کو تھا۔ یا صرف سواروں کو تھا۔ منتقی میں ایک اور روایت آئی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ سوار دن کے اخیر حصہ میں آئے، اور اس بات کی بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو حکم دیا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ عمیر بن انس اپنے کئی چچوں سے روایت کرتے ہیں، کہ عید کا چاند ہم پر مشتبہ ہو گیا۔ صبح کو ہم نے روزہ رکھا۔ پس آخر حصہ دن میں کچھ سوار آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گواہی دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے افطار کا حکم دیا۔ اور فرمایا کل عید کیلئے نکلیں (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد دوم ص ۱۸۰)

آج کل بعض تجدد پسند حضرات کی طرف سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے، کہ چاند کا مسئلہ رؤیت کے بجائے فلکی حساب سے حل کیا جائے، تاکہ عید ورمضان میں وحدت پیدا ہو سکے۔ ہم اس رائے اور ذہن کی تردید شرعی نقطہ نظر سے الاعتصام میں متعدد مرتبہ کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے آرگن ماہنامہ فکر ونظر (شمارہ ستمبر) میں بھی اس سلسلے میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب کا ایک نہایت فاضلانہ اور مدلل مضمون شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے مسئلے کو خوب حل کیا ہے، اللہ تعالیٰ فاضل مضمون نگار کو جزائے خیر دے ہم مذکورہ رسالے کے شکریے کے ساتھ افادہ عام کی غرض سے یہ فاضلانہ مضمون الاعتصام میں شائع کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین دل چسپی اور غور سے پڑھیں گے، اور تشکیک پسند متجددین اس کی روشنی میں اپنے ذہنوں کو یک سو کر سکیں گے۔ (مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی مہتمم کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد)

قمری مہینوں کے لئے ابتداء کی تعیین کا مسئلہ ایک مدت سے موضوع بحث بنا ہوا ہے، رمضان شریف کی ابتداء عید الفطر کے دن کی تعیین اور حج کی تاریخ کا متعین کرنا ایک مسئلہ ہے، جس پر بڑی مدت سے بحث ہو رہی ہے، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو اسی طرح قائم رکھا جائے جیسے عہد رسالت سے اب تک قائم ہے، اور بعض یہ چاہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک دوامی کیلنڈر شمسی مہینوں کی طرح بنایا جائے، اس طرح ایک ہی وقت میں ہر جگہ رمضان شروع ہو گا۔ ایک ہی دن سب جگہ عید ہوا کرے گی، اور یہ بات ختم ہو جائے گی۔ کہ مختلف ملکوں بلکہ مختلف شہروں یا ایک ہی شہر کے مختلف حصوں میں رمضان کی ابتداء مختلف دنوں میں ہے، اور عید کی نماز مختلف دنوں میں ادا کی جائے۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ بڑا قدیم مسئلہ ہے، تیسری صدی ہجری سے اس کی بار بار کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ اور قوت وسلطنت کے بل بوتے پر فاطمی خلفاء مصر نے ایک ایسا کیلنڈر بنا بھی لیا تھا۔ جو اب تک ان لوگوں میں جاری ہے، جو ان خلفاء کو مذہبی پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کا درجہ دیتے ہیں۔ سائنس فلکیات میں علم انسانی کی جدید ترقیاں بہت ہی قابل قدر ہیں۔

اور یقیناً بہت سی باتیں جواب ہمیں معلوم ہیں۔ پہلے معلوم نہ تھیں۔ لیکن اس سے یہ قیاس کر لینا صحیح نہیں ہے کہ منازل قمر اور چاند کی زمین کے گرد گردش بھی آج معلوم ہوئی ہیں۔ چاند کی زمین کے گرد گردش اور منازل قمر کے حسابات ہجری تاریخ کی تعیین سے ہزاروں سال پہلے بابلی تمدن کے زمانہ ہی میں انسانوں نے معلوم کر لئے تھے۔ اور بالکل صحیح طور پر حساب لگا لیا گیا تھا۔ کہ چاند کب شروع ہوتا ہے، کب دکھائی دیتا ہے، اور کب محاق میں آکر نا قابل دید ہو جاتا ہے، ہندوستانی ماہر فلکیات نے بھی بابل کے بعد اس پر قابل قدر کام کیا تھا۔ اور پیدائش قمر، ظہور قمر، بجھتر، محاق وغیرہ کا صحیح حساب لگا لیا تھا۔ قرآن مجید کے نزول تقریباً۔ (۶۱۰-۶۲۲ء) سے ہزاروں ہی سال پہلے سے انسانی علم پیدائش قمر ظہور قمر (چندرمان وو ج) اور منازل قمر وغیرہ کی تعیین کر چکا تھا۔ قرآن مجید میں بھی منازل قمر کا ذکر سورہ یونس کی پانچویں آیت میں موجود ہے۔ عہد صحابہؓ کے مسلمان بھی اس سے بالکل ناواقف نہ تھے، اس کا ثبوت بھی قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے مل جاتا ہے، اور جاہلی اشعار و ضرب الامثال سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے، غرض یہ کہ اب تک جو یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ تو اس کی وجہ چاند طلوع و غروب سے متعلق انسانی علم کا فقدان نہ تھا، آج کے اتنا نہ سہی لیکن اس قدر علم انسان حاصل کر چکا تھا۔ کہ وہ حساب کے ذریعہ اس کی تعیین کر سکتا تھا۔ اور مسلمان ماہرین نے عملاً مختلف اوقات میں اس کے لئے زائچے، جنتریاں بنائیں بھی۔ مگر رمضان وعید کے لئے ان کو عام طور پر قبول نہ کیا جا سکا۔ اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ ہم اس جگہ ان میں سے چند اسباب کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

۱:- کیا یہ ضروری ہے یا کم از کم یہ کوئی بڑا ہی اہم اور مفید کام ہو گا کہ ساری دنیا میں رمضان ایک ہی وقت میں شروع کیا جائے۔ اور عید الفطر ایک ہی وقت میں ہوا کرے۔

اس سوال کے جواب میں ہمیشہ یہ کہا گیا ہے، اور آج بھی یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ محض طفلانہ ضد اور بال ہٹ ہے، نہ یہ ممکن ہے، اور نہ اس سے کوئی مزید معمولی فائدہ حاصل ہو گا۔ رمضان کے روزے اور عید الفطر کی نماز عبادت ہے، اور عبادات میں وقت کی تعیین مقامی طلوع و غروب کے مطابق ہوتی ہے۔ نہ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہے، اور نہ عیسائیوں

اور نہ دوسرے مذاہب والوں کے لئے نہ قمری کیلنڈر سے یہ ہو سکتا ہے، اور نہ شمسی کیلنڈر سے طلوع و غروب کا فرق مختلف مقامات کے مابین بالکل واضح اور صریحا جیسی ہے، مکہ مکرمہ سارے مسلمانوں کا مرکزی شہر ہے لیکن جس وقت وہاں صبح کی نماز ہوتی ہے، اس وقت جکارتہ (انڈونیشیا) کے مسلمان صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ جکارتہ میں اس وقت آفتاب کافی بلند ہو چکا ہے، اور سان فرانسسکو کے مسلمان تو شاید عشاء کی نماز سے بھی فارغ نہ ہو چکے ہوں گے۔ اور تو اور مسلمانوں کے دو مقدس ترین شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جو صرف ۲۷۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ صبح کی اذان ایک ہی وقت میں نہیں ہوتی اور نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی تقریب عشائے ربانی جس وقت شہر کینبرا میں منعقد ہوتی ہے، اسی وقت لندن یا ڈبلن میں نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے، کیپ ٹاؤن کے عیسائی جس وقت کرسمس کی عبادت کے لئے گرجاؤں میں جمع ہوتے ہیں۔ سان فرانسسکو یا وینیزویلا کے عیسائی نہیں جمع ہوتے، اور نہیں ہو سکتے۔ کسی نقشہ عالم میں دیکھ لیجئے۔ ۱۸۰ درجہ کے خط عرض البلد سے ایک طرف اتوار اور دوسری طرف (پیر) (سوموار) لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے، طلوع و غروب کے فرق سے دو مقامات کے اوقات میں بارہ گھنٹے تک اختلاف ہو جاتا ہے،

بالکل یہی حال دوسری قوموں کی عبادت کا ہے، بنارس کا ایک ہندو جس وقت سنکرانت کا اپواس شروع کرتا ہے، ڈربن یا کیپ ٹاؤن میں رہنے والا ہندو ٹھیک اسی وقت اپواس نہیں شروع کر سکتا۔ یہودی تو بہت ہی سخت تنظیم رکھنے والی قوم ہے، اور حساب کتاب بھی اس کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا۔ اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ صوم کپور کی ابتداء ہلسنکی کا یہودی تل ابیب کے وقت کے مطابق کر سکے۔ کیونکہ مطالع کا فرق اس کی اجازت نہیں دیتا نہ صومعات میں عبادتیں ایک وقت میں ہوتی ہیں۔ اور نہ صوم کپور اور فسیح ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔

دنیا کی اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد سوچئے کہ ہماری یہ تمنا کہ ہماری نمازیں سب جگہ ایک ہی وقت میں ہوں۔ اور ہمارے روزے سب جگہوں میں ایک وقت شروع

ہوجاتیں۔ کیسی معصوم طفلانہ تمنا نظر آتی ہے، اس تمنا کو کیا نام دیا جائے۔

اب ذرا دوسری طرف غور کیجئے۔ کیا ساری دنیا کے مسلمانوں کو رمضان و عید کے لئے ایک ہی کیلنڈر دے کر بلکہ ایک ہی نظام اوقات دے کر، اور مطالع کے اختلافات کو نظر انداز کر کے ہم کوئی بڑی مفید خدمت انجام دیں گے۔ اور کسی بہت ہی مضر نقص کی تکمیل کر دیں گے۔ گئے رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے تھے، اور پہلی نماز عید ۲ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ کے ایک میدان میں ادا کی گئی تھی۔ چند سال تک تو مسلمان صرف مدینہ منورہ ہی میں تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چاند کے ظہور حسی کے بموجب رمضان و عید کیا کرتے تھے، اس کے بعد عرب کے متعدد قبائل مسلمان ہو گئے، اور وہ سب اپنی اپنی جگہ پر مقامی مطلع کے بموجب چاند دیکھ کر رمضان اور عید کیا کرتے تھے۔ اور ان میں اختلاف بھی ہوجاتا تھا۔ کہیں رمضان یکشنبہ کو شروع ہوتا۔ اور کہیں دوشنبہ کو۔ کہیں عید سہ شنبہ کو ہوتی اور کہیں دوشنبہ کو۔ اس زمانہ سے اب تک ہم ۱۳۹۲ اور رمضان اور عید کر چکے ہیں۔ اور یہی سادہ سا طریقہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرنے کا اور چاند دیکھ کر عید کرنے کا رائج رہا ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے، کہ اس کی وجہ سے تفریق کلمۃ المسلمین یا اور کوئی مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ آخر وہ کون سا مضرت رساں نقص ہے، جس کی تکمیل کے لئے یہ بے تابی اور جگر کاوی ہو رہی ہے، خود عہد رسالت میں، ۱۰ ہجری میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ذلیقعد اور ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف رؤیت ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں حجۃ الوداع میں قیام عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں ۹ ذی الحجہ شنبہ کے دن تھا۔ آخر اس سے خرابی کیا واقع ہوئی۔ حج ایک عبادت ہے، جس کا تمام تر تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے قریب واقع ہونے والے منیٰ۔ مزدلفہ اور عرفات سے ہے، اس میں مکہ کے مقامی مطلع کو معتبر سمجھا گیا اور ہمیشہ کے لئے مکہ کا مقامی طلوع و غروب ہی معتبر سمجھا جا رہا ہے، عقلاً و عملاً ایسا ہی ہونا چاہیئے، اور یہی ہوا۔

اب آج اگر کوئی یہ کہے کہ طنجہ میں صبح ہوتی ہی نہیں جب حاص عرفات میں پہنچ جاتے

ہیں، اور مراکش میں غروب آفتاب کو گھنٹوں باقی رہتا ہے۔ جب حاجی عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس لئے کسی حاجی کا حج صحیح نہیں ہوتا۔ تو اس آدمی کی عقل و دانش کو کب کہیں گے؟ یا کوئی یہ سوچے کہ جب حاجی عرفات میں پہنچتے ہیں۔ اس وقت انڈونیشیا کے جزیرہ تیمور میں نہ صرف زوال آفتاب ہو چکتا ہے۔ بلکہ ظہر کا وقت بھی ختم کے قریب ہوتا ہے، اور عرفات میں جب ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ اس وقت شنگھائی میں رات ہوتی ہے اس وجہ سے امت اسلامیہ کی یک جہتی اور اتفاق میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس دانشور کی دانش وری کے سوا کوئی اور کیا کر سکتا ہے۔

یہ کیسی دانشوری اور جدت پسندی ہے، کہ ایک بے فائدہ اور محض طفلانہ ضد کی تکمیل کے لئے ہم قدرت کے بنائے ہوئے نظام سے ٹکر لیں، اور منہ کی کھائیں۔ روزے اور عید کسی ایک مقام سے متعلق عبادتیں نہیں ہیں۔ یہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور عملاً ساری دنیا میں مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ اور عید الفطر کے دوگانے ادا کرتے ہیں۔ اب اگر ہم رصدگاہوں کی امداد سے اور حسابی نتائج کے رو سے ایک وقت مقرر کریں گے۔ تو کیا یہ خود عمل ایک بہت بڑے اختلاف کا دروازہ نہیں کھول دے گا۔ بلکہ عبادات میں بے جا دخل اندازی کی راہ نہیں ہموار کرے گا۔

ذرا سوچئے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا۔ کہ ہم اس طرح امت مسلمہ کی خدمت انجام دینے کی بجائے اس کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جائیں گے۔ ایک ملک میں بلکہ ایک ہی شہر میں بھی اگر دو عیدیں ہو جائیں، تو برا سا معلوم ہوتا ہے، لیکن صرف بظاہر برا معلوم ہوتا ہے، اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ آج تک کوئی نقصان پہنچا ہے۔

اگر اس بدنمائی کو ختم کرنے ہی کا عزم ہے، تو ہر شہر اور ہر ضلع میں رویت ہلال کا مناسب اور قابل اعتماد انتظام کافی ہے، وہ بھی اس حد تک کہ مقامی طور رویت ہلال کی شہادت مہیا کی جائے۔ اور اس شہادت کو اگر وہ قابل قبول بنیاد بنا کر اس شہر یا ضلع میں رمضان و عید کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ طہران میں رویت ہلال کی

شہادت پر زہدان والوں کو رمضان کی ابتداء کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور نوشکی کی شہادت پر عید کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مملکتوں کے سیاسی حدود و طلوع و غروب کے حدود نہیں ہیں زہدان سے نوشکی کا فاصلہ طہران سے زہدان کے فاصلے سے بہت کم ہے، رمضان اور عید کسی مملکت کے انتظامی امور نہیں کہ اس میں حدود مملکت کو معتبر قرار دیا جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کہ رمضان کے روزے پشاور میں چہار شنبہ ۱۸ ستمبر کو شروع ہوجائیں، اور کراچی میں پنج شنبہ ۱۹ ستمبر کو شروع ہوں۔ نہ اس سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے، اور نہ اس سے کسی نقصان کا اندیشہ ہے، اس لئے سب جگہ کے لئے ایک وقت میں رمضان و عید شروع کرانے کی ہر کوشش کو فوراً ختم کر دینا چاہیئے۔ مسلمانوں کے باہم مل کر کرنے کے اور بہت سے کام ہیں جن کی طرف توجہ مبذول ہونی چاہیئے۔ اس طفلانہ اور غیر دانشورانہ کام میں وقت اور توانائی کے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے،

۲۔ شریعت اسلامی کے بموجب شہر رمضان کسے کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۵) قرآن ہدایت ہے، ہدایت اور اعجاز کی تین دلیلیں ہیں۔ تو جو تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو اسے چاہیئے کہ اس ماہ کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں رکھے اللہ تعالےٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، اور نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ہو۔ ۔ چاہیئے کہ اتنی ہی گنتی پوری کر دو، اور اللہ تعالےٰ نے تم کو جو ہدایت دی ہے، اس پر اللہ تعالےٰ کی بڑائی بیان کرو، اور تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ۔ اس آیت سے پہلے کی آیت ۱۸۴ میں بھی روزوں کی فرضیت کا بیان ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں بھی روزہ ہی کے متعلق احکام و ہدایات ہیں۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں جس رمضان کے مہینہ

میں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ وہی رمضان ہے، جس میں قرآن مجید کا نزول ۶۱۰ عیسوی گریگوری میں ہوا تھا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ رمضان کیا پیدائش قمر (برتھ آف نیومون) سے شروع ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اُن کے صحابہ کرام نے رمضان کا شمار پیدائش قمر سے کیا تھا۔ یہ تو معلوم ہے کہ پیدائش قمر ستر بلکہ سے بہت سے گھنٹے پہلے ہوتی ہے اور آج ہی نہیں اس وقت بھی لوگوں کو معلوم تھا۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیدائش قمر سے ماہ رمضان کی ابتدا نہ اس وقت کی گئی تھی، اور نہ اب کی جاتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

۱۔ الا لا تقدموا الشهر اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا فان غم عليكم فاكملوا العدة۔ (مسند اهل البيت)

خبردار، ماہ رمضان کو آگے نہ بڑھاؤ، جب چاند دیکھو تو روزے رکھو۔ اور جب چاند دیکھ لو تو افطار کرو، اگر چاند پہ بادل ہو، اور نہ دیکھ سکو تو شعبان کی گنتی ۳۰ دن پوری کرو۔

۲۔ الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلثين۔ (صحیح البخاری ص۲۵۶)

مہینہ ۲۹ دنوں کا ہوتا ہے۔ جب تک چاند نہ دیکھو روزے نہ رکھو اگر چاند نہ دکھائی دے تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ، عن ابی عبدالله علیه السلام انه قال کان علی صلوت الله علیه یقول لا اجیز فی الهلال الاشهادة رجلین عدلین وفی زوایة ولیس بالرای ولا بالتظنی۔ (کافی کلینی ص۳۶)

حضرت ابوعبداللہ امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت علی صلوات اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاند کے بارے میں دو عادل آدمیوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کروں گا۔ اور ایک میں ہے، کہ یہ رائے اور ظن سے نہیں ہو گا۔ یہ صرف تین روایتیں طول کلام سے احتراز کے لئے نقل کی گئیں ہیں۔ ورنہ احادیث میں ایسی بہت سی صحیح روایتیں

موجود ہیں۔ جن میں ماہ رمضان کو مقدم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور چاند دیکھ کر رمضان کے شروع و ختم کرنے کی تاکید موجود ہے۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ جس رمضان میں قرآن مجید کی ابتداء ہوئی تھی۔ یا وہ رمضان جس میں ۲ھ میں روزہ فرض کیا گیا تھا۔ وہ پیدائش قمر (برتھ آف نیومون) سے نہیں شروع ہوئے تھے۔ اب اگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ فرمان و عمل نبوی ؐ اور عمل صحابہؓ سب سے اختلاف کر کے رمضان کی ایک یا دو دن پہلے ابتداء کر دیں تو آخر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے، بہرحال فروری کے مہینہ کو کیوں نہ رمضان قرار دے لیں، ۲ ہجری کا رمضان مدینہ منورہ میں ازروئے حساب گریگیری ۲۵ یا ۲۶ فروری کو ہی شروع ہوا تھا۔ اس طرح یہ بھی فائدہ رہے گا۔ کہ رمضان کبھی سخت گرمیوں میں پڑتا ہے، اور کبھی برسات میں۔ فروری کو اگر رمضان قرار دیا جائے تو ہمیشہ سردیوں میں اور، اور بڑے نرم دلوں میں اور سے پڑا کریں گے۔ اور روزے بھی ۲۸ ہی رکھنے پڑیں گے کیا مسلمان اپنی عبادت کے مہینہ رمضان میں یہ تبدیلی پسند کریں گے اور اگر خدانخواستہ مسلمان یہ کر لیں تو یہ خدا اور رسول ؐ کے حکم سے صریح روگردانی اور عصیان نہ ہو گا۔ اس بغاوت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خدا اور رسول ؐ کے فرمانبردار بھی رہ جائیں گے، ۳۔ پیدائش قمر (برتھ آف نیومون) کیا ہے،

قدرت نے یہ نظام جس طرح قائم کیا ہے، وہ یہ ہے۔ کہ چاند اپنے محور پر حرکت کرنے کے علاوہ زمین کے گرد بھی حرکت کرتا ہے، اور اپنی یہ حرکت ۲۹ دن اور چند گھنٹے میں پوری کر لیتا ہے، یعنی زمین کے گرد ایک پورا چکر اتنے دنوں میں تمام کرتا ہے، اس مدت کو اصطلاحاً قمری مہینہ کہا جاتا ہے، اس مدت میں چاند تقریباً ۶۲ گھنٹے دائرے کے ایسے مقام پر ہوتا ہے، جہاں سے سورج کی روشنی اس پر پڑ کر جب عکس ہوتی ہے، تو زمین پر نہیں پہنچتی۔ اس قدرت کا اصطلاحی نام محاق ہے اس مدت میں زمین والوں کو چاند کسی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ چاند ہوتا ہے، اپنے مدار ہی پر اور جو زیر (ایک فرضی دائرہ) کے اندر ہی اور سورج کی کرن اس پر پڑتی ہی رہتی ہے، مگر انعکاس ضو جس زاویہ پر ہوتا ہے، وہ زمین سے الگ ہوتا ہے، کسی اور ستارہ سے دیکھا جائے یا زمین سے اتنے فاصلے سے دیکھا جائے کہ زمین کا سایہ حائل نہ ہو تو چاند اس مدت میں بھی چمکتا ہی نظر

آئے گا۔ البتہ زمین سے یہ نظر نہیں آسکتا چاند جب یہ فاصلہ تقریباً ۲۲ گھنٹے میں طے کر چکتا ہے اور اپنے مدار پر اس جگہ پہنچ جاتا ہے، جہاں سے اس پر پڑنے والی سورج کی کرنیں منعکس ہو کر زمین پر پڑنے لگتی ہے، تو اس وقت کو چاند کی پیدائش کا وقت (برتھ آف نیو مون) کہتے ہیں سنسکرت میں اسے سوم جنم کہا جاتا ہے، دن کے وقت سورج کی روشنی کی وجہ سے چاند دکھائی نہیں دیتا اسی طرح شفق کی روشنی بھی رؤیت ہلال سے روکتی ہے، اس لئے پیدائش قمر کے بعد جن مقامات پر غروب آفتاب اتنی دیر کے بعد ہوتا ہے، کہ چاند مقامی افق پر کم از کم ۱۲ درجہ بلند ہو چکا ہو۔ وہاں نئے قمری مہینہ کا چاند دکھائی دیتا ہے، اور جہاں کے افق پر چاند کے ۱۲ درجہ بلند ہونے سے پہلے سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے، وہاں چاند شفق کی سرخی کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اور دکھائی نہیں دیتا ہے، چونکہ یہ شب چاند کی پیدائش کے بعد دوسری شب ہوتی ہے، اس لئے اس کو چندر مان دوج کہا جاتا ہے، اور اُمید کی جاتی ہے کہ رؤیت ہلال اس شام کو ہو گی۔ ہندی کے ایک شاعر کا مشہور شعر ہے۔

آج چندرمان دوج ہے جگ جوت ادہ کی اور
مور سے دور دا منز کے نہیں ہوئے اک ٹھور

جیسے رؤیت ہلال کا وقت ساری زمین کے ہر افق پر ایک نہیں ہو سکتا، اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا، کہ ساری دنیا میں رؤیت ہلال ایک ہی وقت پر ہو جائے بالکل اسی طرح پیدائش قمر کا وقت بھی ساری دنیا کے لیے ایک نہیں ہو سکتا زمین کا آدھا حصہ سورج کی محاذاۃ سے اور آدھا حصہ چاند کی محاذاۃ سے خارج ہوتا ہے، اس لئے پیدائش قمر کا وقت بھی مختلف حصہ زمین کے لئے مختلف ہوتا ہے، اس بات کو ذہن نشین کر کے سوچئے، اگر ہم رمضان کی ابتداء و انتہاء کے لئے رؤیت ہلال نہیں بلکہ پیدائش قمر کو نقطۂ آغاز قرار دیں تو نہ صرف یہ کہ ہم خدا و رسول کے صریح احکام کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ بلکہ اس گناہ کے بعد بھی اختلاف مطالع کی وجہ سے اسی گرداب میں گرفتار رہیں گے۔ جو رؤیت ہلال میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جہاں تک اوقات میں اختلاف کا تعلق ہے، اس میں ذرہ برابر فرق

نہیں آئے گا۔ ہر افق کے لئے پیدائش قمر کا الگ الگ حساب کرنا ہی پڑے گا۔ اور ایک ایسا جدول بنانا پڑے گا۔ جو بارہ گھنٹوں کے باریک باریک فرق کو ہر ہر افق کے ساتھ ظاہر کر سکے۔

۴۔ اب ایک صورت اور رہ جاتی ہے، اس پر بھی لگے ہاتھوں غور کرتے چلیں وہ صورت یہ ہے، کہ ہم رمضان کے مہینہ کی ابتداء تو کریں ظہور قمر سے یعنی چندرمان کے جنم سے نہیں بلکہ چندرمان دوج سے لیکن اس کے حساب کو کافی قرار دیں روئیت ہلال یعنی چاند دکھائی دینے کی شرط کو ختم کردیں۔ ایسا طریقہ اختیار کرنے میں ہم دو قسم کے وبالوں میں مبتلا ہو جائیں گے، اوّل تو یہ کہ خدا اور رسولؐ کے حکم سے تجاوز بلکہ نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ قرآن مجید میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے، وہاں اس کی پوری ہیئت اور طریقہ کا ذکر نہیں ہے، اس کے یقین کہ کتنی رکعتیں کس وقت پڑھی جائیں گی کس طرح پڑھی جائیں گی۔ ایک رکعت میں قیام ایک رکوع ایک قومہ دو سجدے وغیرہ وغیرہ یہ ساری تفصیلات ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے ملی ہیں، ہم اگر ان چیزوں میں سے سب کو یا کسی ایک کو بدل دیں تو وہ چاہئے کچھ کہلائے اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی بنائی ہوئی عبادت صلوٰۃ (نماز) نہیں ہو گی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالےٰ نے رمضان شریف کے روزوں کا حکم دیا ہے۔ روزہ کیا ہوتا ہے، کیسے رکھا جاتا ہے، اور رمضان شریف کی ابتداء وانتہاء کیسے ہوتی ہے، یہ ساری باتیں ہم کو رسول اللہؐ کے اقوال واعمال سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر ہم ان سے روگردانی کر کے کوئی اور طریقہ اختیار کریں گے۔ تو وہ رمضان نہیں ہوگا۔ اور نہ ہمارے روزے اللہ ورسولؐ کے بتائے ہوئے عبادتی روزے ہوں گے۔ ہم چاہیئے اسکا کچھ بھی نام رکھ لیں۔ اسے عبادت نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ عبادت نام ہے، فرمانبرداری کا عقلی وعملی جولانیوں کا نام عبادت نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص ہر رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کرلے، اور دوسرے سجدہ کو غیر ضروری قرار دے کر چھوڑ دے تو یہ نماز عبادت نہیں ہو گی۔ تعبدی امور میں اس قسم کی من مانی کرنے کی گنجائش نہیں ہوا کرتی۔

دوسرا وبال جو اس طریقہ میں آتا ہے، وہ اختلاف مطالع یا بندی کے ساتھ طویل جدولوں کی تیاری کا کام ہے، کرہ زمین کے مختلف حصّوں میں ظہور قمر کے وقت کی تعیین کرنی پڑے گی۔

ہم حساب کی مدد سے یقیناً اس کی تعیین تقریباً یقینی حد تک کر سکتے ہیں، لیکن یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہر سال کے رمضان کی ابتدا میں زمین کا فاصلہ سورج سے یکساں نہیں رہتا۔ اور نہ محاذاۃ شمسی و قمری کی حالت ایک ہی رہتی ہے، اس لئے ہر سال کے علیحدہ اور جدید جدول بنانا پڑے گا۔ ایک سال کے لئے جو جدول بالکل صحیح ہو گا۔ وہ دوسرے اور تیسرے سال میں صحیح نہیں رہے گا۔ زمین کا مدار سورج کے گرد بیضوی ہے، گول نہیں ہے۔ کبھی زمین سورج سے قریب ہوتی اور کبھی بعید۔ قریب ہونے کی حالت میں محاذاۃ کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، اور بعید ہونے کی حالت میں پھیل جاتا ہے، اس کا اثر ظہور پر پڑتا ہے، زمین کی حرکت سورج کے گرد کبھی سریع (تیز) ہوتی ہے، اور کبھی بطئی و سست اس کا اثر پیدائش قمر پر پڑتا ہے، فاصلہ کے بدلنے سے انعکاسِ ضوء متاثر ہوتا ہے، ان ساری باریکیوں پر قابو پاکر ہم اگر ہر سال ایک نیا جدول بنا بھی لیں۔ تو پھر ہمیں ہر مسلمان تک اس کے پہنچانے کی ایک لاینحل وقت سے واسطہ پڑتا ہے، کیا ہم دور افتادہ جزیروں، دیہاتوں اور جنگلوں میں زندگی بسر کرنے والے سارے مسلمانوں تک جدول پہنچا سکیں گے۔ اگر نہیں تو پھر کیا ہو گا۔ شہروں کے رمضان اور ہوں گے، اور دیہاتوں کے اور پھر ان ساری پریشانیوں جگر کاویوں اور اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی نافرمانیوں سے حاصل کیا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ رمضان کے لئے از روئے حساب چاند نکلنے کے وقت کی تعیین اور اس پہ ساری دنیا کے مسلمانوں سے عمل کرانے کی تمنا محض بے فائدہ ناقابل عمل اور طفلانہ ضد کے سوا کچھ نہیں ہے، اس عمل سے فائدہ تو نہیں، البتہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، رمضان اور عید میں جو اختلافِ وقت دکھائی دیتا ہے، اختلافِ مطالع کی وجہ سے ہے، یہ باقی رہے گا۔ اس سے باقی رہنے سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی اور کبھی پیدا نہیں ہو گی، البتہ اس کے مٹانے کی کوشش سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، رمضان کی ابتداء و انتہا دونوں رؤیت ہلال ہی سے ہونی چاہئیں اس کے خلاف ہر کوشش اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کے خلاف ہے، ہمیں اس سے احتراز لازم ہے، اس سے افتراقِ امت کا اندیشہ ہے، اور اختلافات

کے بڑے بڑے دروازے کھل جاتے کے علاوہ عبادات اور دینی امور میں بے ضرورت دخل اندازی پر دانشوری کے مدعیوں کی جرأت اور بڑھ جائے گی۔ جو ہمارے لیے کس طرح مفید نہیں ثابت ہو سکتی۔ حسابات کے ذریعہ ہم یہ کردیں گے۔ کہ چاند کس مقام پر کب اور کس وقت دکھائی دے گا۔ لیکن یہ یقین ہم نہیں دلا سکتے کہ حقیقتاً اس مقام پہ چاند ضرور دکھائی دے گا، اور جب نہیں دکھائی دے گا۔ تو اس جگہ جدول کے خلاف لوگ ایک طوفان بہ پا کردیں گے اور ایک جدید قسم کے فتنہ سے اُمت مسلمہ کو دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر ابتداء رمضان کے لئے رؤیت ہلال کی شرط ہم ہٹا دیں، تو ہم فرمان نبویؐ اور عمل صحابہؓ کی صریح مخالفت کے مرتکب ہوں گے، اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ حج کا تعلق ایک ہی افق سے ہے، اور حاجی ایک ہی جگہ جمع ہوتے ہیں، وہاں اگر حسابی طریقہ پہ تاریخ حج کی تعیین کردی جائے یا کردی جاتی ہے، تو حکومتی نظم و نسق اور ایک ہی جگہ سب کے جمع ہونے کی وجہ سے کام چل جاتا ہے، اگرچہ یہ طریقہ صرف حج کے لئے بھی خلاف سنت اور نہایت ہی مکروہ طریقہ ہے، مؤذن کا طویل وقت ہوتا ہے، پہلے کی طرح رؤیت ہلال کی شہادت لے کر اعلان کردیا جائے یہی بہتر ہے، لیکن رمضان وعید کے لئے تو یہ طریقہ کبھی نہیں چل سکتا، ہر جگہ کے مسلمان روزے رکھتے اور نماز عید پڑھتے ہیں، سب کے لئے مقامی مطلع کو نظر انداز کردینے کا یہ طریقہ نہ قابل قبول ہوسکتا ہے، اور نہ قابل قبول ہونا ہی چاہیے۔

(الاعتصام جلد ۲۶ شمارہ نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲)

سوال:۔ اس علاقے میں چند ایک آدمیوں نے (حدیث صوموا لرؤیتہ کے تحت بدھ کو دوپہر کے وقت روزہ کھول دیا تھا۔ اور دوسرے تمام لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر روزہ بدستور جاری رکھا۔ آیا ان لوگوں کا شرعی لحاظ سے روزہ ہے یا نہیں؟ اور جنہوں نے دوپہر کے وقت روزہ افطار کیا۔ ان کا کیا حکم ہے؟ اور آپ نے پہلا روزہ کس روز رکھا ہے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کراچی میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا منگل ۷ ستمبر ۱۹۷۵ء کو اجلاس ہوا۔ اس میں راقم موجود تھا، کراچی میں متعدد لوگوں کی طرف سے بذریعہ فون اطلاعات آئیں، کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا ہے، چنانچہ ان کو کمیٹی کے اجلاس میں لانے کے لیئے سواری بھیجی گئی۔ اور وہ آئے۔ اور ان سے چاند دیکھنے کی شرعی طور پر تحقیق کی گئی۔ جس کے بعد ارکان ہلال کمیٹی (جو سب کے سب مختلف مکاتب فکر کے علماء ہی تھے۔ ان میں کوئی سرکاری آدمی نہ تھا) متفقہ طور پر فیصلہ کیا، کہ بدھ کو یکم رمضان ہے چنانچہ بذریعہ ریڈیو اعلان کر دیا گیا۔ اعلان محض ریڈیو کی خبر ہی نہ تھی، بلکہ پوری چھان بین کے بعد شرعی فیصلہ کا اعلان کر دایا گیا تھا۔ بنا بریں جن لوگوں نے بدھ کے دن روزہ رکھا۔ انہوں نے ٹھیک کیا، ہم سب ارکانِ کمیٹی نے (خاکسار سمیت) بدھ کو بحمد للہ روزے رکھے۔ مرکزی کمیٹی کو اسی وقت کوئٹہ کی ذیلی ہلال کمیٹی کی طرف سے اطلاع آگئی تھی کہ وہاں پچاس ساٹھ آدمیوں کے چاند دیکھنے کی وجہ سے بدھ کو روزہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

علاوہ ازیں اب وثوق سے معلوم ہوا ہے، کہ محمود کوٹ ضلع مظفر گڑھ میں دو شخصوں نے بچشم خود دیکھ لیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی پنجاب میں منگل کی شام چاند دیکھنے کی متفرق اطلاعات اب موصول ہو گئی ہیں۔ لہٰذا جنہوں نے کسی بھی وجہ سے بدھ کو روزہ نہیں رکھا ان کو قضا دینی چاہیئے۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور)

(الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۶ شمارہ نمبر ۱۰)

سوال: اگر رمضان شریف ۲۹ دن کا ہو اور ایک پہلا روزہ ہم نے بوجہ چاند نہ دکھائی دینے کے کھالیا۔ اور ہمارے ۲۸ ہی ہوئے تو کیا ہم ۲۸ روزے کر کے عید کر لیں؟

جواب: اس صورت میں عید کر کے ایک روزہ قضا کرنا ہو گا۔ کیونکہ مہینہ ۲۸ روز کا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(۲۸ شوال ۱۳۴۳ھ)

رکعات التراویح

(از حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں

۱۔ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے۔؟

۲۔ کسی حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

۳۔ حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی۔ تو امام کو کتنی رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا؟

۴۔ صحیح سند سے خلفائے راشدینؓ کا کتنی رکعت تراویح پڑھنا یا کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمانا ثابت ہے؟

۵۔ رکعات تراویح کے عدد میں فیما بین العلما کیا کیا اختلافات ہیں۔ اور اس اختلافات میں دلیل کی رو سے مرجح کون قول ہے؟

۶ ہر ایک سوال کا جواب بحوالہ کتب محدثین اہل سنت ہونا چاہئے؟۔

جواب نمبر ۱:۔ صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مع وتر گیارہ[1] رکعت سے زیادہ تراویح

---

[1] جس طرح آنحضرتؐ صلوٰۃ اللیل یعنی رات کی نماز جسے تہجد کہتے ہیں کبھی کبھی تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے جن میں (باقی اگلے صفحہ پر)

تراویح پڑھنا ثابت نہیں صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۲۶۰ اور صحیح مسلم مطبوعہ دہلی جلد ا صفحہ ۲۵۴ میں ہے، عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ترجمہ:۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے ام المومنین عائشہؓ صدیقہ سے پوچھا کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی نماز رمضان میں کیوں کر تھی۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۶۲۸ میں بذیل شرح اس حدیث کے چند سوال مع جواب بغرض توضیح مطلب اس حدیث کے لکھے ہیں۔ کچھ اُن میں سے اسی غرض سے یہاں بھی منقول ہوتے ہیں۔

سوال:۔ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شب کو گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ کہ آپ رمضان مبارک کے آخر عشرہ میں جس قدر عبادت میں کوشش فرماتے تھے۔ اور کسی مہینے میں اتنی کوشش نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی صحیح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب عشرۂ اخیرہ آتا ہے۔ تو آپ شب کو بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے اور اپنی کمر عبادت کے لئے چست باندھتے۔ اور عبادت میں بھی بہت کوشش فرماتے ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ آخر عشرۂ رمضان میں اپنی مستمر عادات کریمہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اس صورت میں مذکورۂ بالا حدیث اور ان دونوں حدیثوں میں جو اختلاف ہے، اس میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

بقیہ گذشتہ صفحہ کلام سے اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے۔ اسلئے کبھی وہ شمار میں آتی تھیں اور کبھی نہیں (صفحہ ۲ ملاحظہ ہو) اسیطرح اگر آپ نے تراویح کی کہ وہ بھی صلوٰۃ الیل ہی ہے۔ کبھی کبھی تیرہ رکعت پڑھی ہو۔ اور اول کی دو رکعتوں کو ہلکی ہونے کیوجہ سے راوی نے شمار نہ کیا ہو تو اس تقدیر پر گیارہ رکعت سے (اول کی ہلکی دو رکعتوں کے علاوہ) لا محالہ گیارہ رکعتیں مراد ہوں گی ۱۲۔

جواب:۔ آپ آخر عشرہ رمضان میں صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے۔ یعنے لانبی لانبی رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے۔ رکعتوں کی تعداد اسی قدر تھی۔ جو حدیث صدر میں مذکور ہوئی یعنی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سوال:۔ جس قدر رکعات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شب کو پڑھتے تھے۔ ان کی تعداد میں خود عائشہ صدیقہ رض سے مختلف روائتیں آئی ہیں۔ کسی میں گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ جیساکہ حدیث صدر میں ہے۔ اور کسی میں ہے، کہ تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور کسی میں ہے، کہ کبھی سات پڑھتے تھے۔ اور کبھی گیارہ پڑھتے تھے۔ اور کسی میں صرف نو ہی پڑھنا مذکور ہے، اس اختلاف کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ جس روایت میں تیرہ رکعت پڑھنا آیا ہے۔ اس میں فجر کی سنت بھی شامل ہے۔ اور جس میں سات اور نو کا ذکر ہے۔ وہ کبرسنی کی حالت میں۔ تحفۃ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے (الاسئلۃ والاجوبۃ) منہا انہ ثبت فی الصحیح من حدیث عائشۃ انہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل العشر الاواخر یجتہد فیہ ما لا یجتہد فی غیرہ وفی الصحیح ایضا من حدیثہا کان اذا دخل العشر احیی اللیل وایقظ اہلہ وجد وشد میزرہ وھذا یدل علی انہ کان یزید فی العشر الاواخر علی عادتہ فکیف یجمع بینہ وبین حدیث الباب فالجواب ان الزیادۃ فی العشر الاخیر یحمل علی التطویل دون الزیادۃ فی العدد ومنہا ان الروایات اختلفت عن عائشۃ رضی اللہ عنہا فی عدد رکعات صلوۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم باللیل ففی حدیث الباب احدی عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ ہشام بن عروۃ عن ابیہ کان یصلے من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ مسروق انہ سألہا عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت سبع وتسع واحدی عشرۃ سوی رکعتی الفجر وفی روایۃ ابراہیم عن الاسود عن عائشۃ انہ کان یصلے باللیل تسع رکعات رواہ البخاری والنسائی وابن ماجۃ والجواب ان من عدہا ثلث عشرۃ اراد برکعتی الفجر وصرح بذلک فی روایۃ القاسم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا کانت صلوتہ باللیل عشر رکعات ویوتر بسجدۃ ویرکع رکعتی الفجر فتلک ثلاث عشرۃ رکعۃ واما روایۃ سبع وتسع فہی

فی حالة کذا کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ اھ اگرچہ علامہ عینی نے دوسرے سوال کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا تجویز نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ جس روایت میں تیرہ رکعت کا پڑھنا آیا ہے۔ اس میں فجر کی سُنت بھی شامل ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سُنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں، چونکہ ان میں سے اول کی دو رکعتیں آپ ہلکی پڑھتے تھے، اور عام طور پر بھی آپ نے فرمایا ہے کہ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھنی چاہیئے۔ لہٰذا کبھی اُن دو رکعتوں کا شمار کیا گیا اور کبھی نہیں کیا گیا، جب شمار کیا گیا تو تیرہ ہو گئیں۔ ورنہ گیارہ ہی رہیں۔ صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۶۲ میں ہے۔ عن[1] زید بن خالد الجھنی انہ قال لارمقن صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللیلۃ فصلے رکعتین خفیفتین ثم صلے رکعتین طویلتین طویلتین ثم صلے رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم صلے رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم صلے رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم اوتر فذلک ثلٰث عشرۃ رکعۃ اھ اور بھی اسی صفحہ میں ہے، عن[2] عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل لیصلے افتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین اھ اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ عن[3] ابی ھریرۃ رضی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین اھ اور بھی صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۰ و در صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۵۹ میں ہے۔ عن عروۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا اخبرتہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلے فی المسجد وصلے رجال بصلاتہ فاصبح الناس

---

[1] ترجمہ۔ زید بن خالد جہنی رضؓ نے کہا کہ میں دیکھونگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کو اس رات کو تو آپ نے پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھیں پھر بہت ہی لانبی دو رکعتیں پڑھیں، پھر اس سے بھی کچھ کم لانبی دو رکعتیں پڑھیں پھر اس سے بھی کچھ کم لانبی دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر اس سے بھی کچھ کم لانبی دو رکعتیں پڑھیں، پھر اس سے بھی کچھ کم لانبی دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وتر پڑھے پس یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

[2] ترجمہ:۔ عائشہ رضؓ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کیلئے اُٹھتے تو نماز کو ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرتے۔

[3] ترجمہ۔ ابو ہریرہ رضؓ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے رات کو اٹھے تو اپنی نماز کو ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرے ۱۲۔

فتحدثوا فاجتمع اکثرمنهم فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اهل المسجد من اللیلة الثالثة فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فصلوا بصلاته فلما کانت اللیلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتی خرج بصلاة الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنها فصلوا ایها الناس فی بیوتکم وذلك فی رمضان صحیح بخاری جلد اصفحہ ۱۹۸ و ۱۴۷ فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم والامر[1] علی ذلك ثم کان الامر علی ذلك فی خلافة ابی بکر وصدرا من خلافة عمر رضی الله عنهما اھ ترجمہ عروۃ ابن زبیر سے عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں ایک رات مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی۔ صبح کو انہوں نے اور لوگوں سے ذکر کیا۔ دوسری رات کو کچھ لوگ زیادہ جمع ہوئے، اس رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی، اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی۔ دوسری صبح کو انہوں نے اور بھی چرچا کیا تیسری رات کو اور زیادہ جمع ہوئے، اس رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی، اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی چوتھی رات کو اس قدر لوگ جمع ہو گئے، جن کی گنجائش مسجد میں نہیں رہی (اس رات کو آپ نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے، اور نماز صبح کے بعد تشہد پڑھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کا اس نماز کو جماعت سے پڑھنے کے شوق میں جمع ہونا معلوم ہے۔ لیکن میں نے جماعت سے اس لئے نہیں پڑھی کہ مجھ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز جماعت تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم سے ادا نہ ہو سکے۔ غرض آپ نے اس نماز میں جماعت موقوف کر دی، اور اصل نماز قائم رکھی، اور فرمایا کہ تم لوگ اس نماز کو گھروں میں پڑھا کرو۔ پھر آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ جماعت قائم نہیں ہوئی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظم کے ابتدائے عہد خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ اگرچہ اس

---

[1] قوله والامر علی ذلك روایة الکشیهنی وفی روایة غیره والناس علی ذلك ای علی ترك الجماعة فی التراویح ۱۲ عمدة القاری للعلامة العینی الحنفی من ص ۳۵۵ جلد ۵۔

حدیث میں اس بات کا بیان نہیں ہوا کہ راتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت نماز پڑھائی تھی۔ لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۷ صفحہ ۵۹۷ میں بذیل شرح اس حدیث کے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے بروایتِ جابرؓ نقل فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ فتح الباری کی عبارت یہ ہے۔ ولم ارفی شئی من طرقہ بیان عدد صلوتہ فی تلک اللیالی لکن روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابرؓ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث۔ ترجمہ:۔ میں نے حدیث مذکورہ بالا کی کسی سند میں یہ نہیں دیکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں۔ لیکن ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ فتح الباری کی اس عبارت میں جو جابرؓ کی روایت صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے منقول ہے، یہ روایت صحیح ہے، یا حسن ہے، ضعیف نہیں ہے، اس لئے کہ حافظ ابن حجرؓ نے مقدمہ فتح الباری چھاپہ دہلی صفحہ ۴ میں اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے، اس شرط سے ذکر کریں گے۔ کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی یا حسن ہوگی، مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴ کی عبارت یہ ہے، فاسوق انشاء اللہ تعالی الباب وحدیثہ اولا ثم اذکر وجہ المناسبۃ بینھما ان کانت خفیۃ ثم استخرج ثانیا ما یتعلق بہ غرض صحیح فی ذلک الحدیث من القواعد المبنیۃ والاسنادیۃ من تتمات وزیادات وکشف غامض وتصریح مدلس بسماع ومتابعۃ سامع من شیخ اختلط قبل ذلک منتزعا کل ذلک من امہات المسانید والجوامع والمستخرجات والاجزاء والفوائد بشرط الصحۃ او الحسن فیما اوردہ من ذلک اھ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں۔ قیل وما ذکر من تساھل ابن حبان لیس بصحیح فان غایتہ انہ یسمی الحسن صحیحا فان کانت نسبتہ الی التساھل باعتبار وجدان الحسن فی کتابہ فھی مشاحۃ فی الاصطلاح وان کانت باعتبار خفۃ شروطہ فانہ یخرج فی الصحیح من کان راویہ ثقۃ غیر مدلس سمع من شیخہ

سمع منہ لا اخذ عنہ لایکون ھناک ارسال ولا انقطاع واذا الم یکن فی الراوی جرح ولا تعدیل وکان کل من شیخہ والراوی عنہ ثقۃ ولم یات بحدیث منکر فھو عندہ ثقۃ (الی ان قال) فالحاصل ان ابن حبان وفی بالتزام شروطہ ولم یوف الحاکم اھ ۔ اور ایسا ہی علامہ سخاوی نے بھی فتح المغیث مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۴ میں فرمایا ہے۔ اور یہی اسی صفحہ میں ہے۔ قال العماد بن کثیر وقد التزم ابن خزیمۃ وابن حبان الصحۃ وھما خیر من المستدرک بکثیر وانظف اسانید ہو قالہ علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۵۹۷ میں اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے نقل فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے۔ فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورۃ عدد الصلوۃ التی صلاھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی قلت روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر ۔

ترجمہ۔ اگر تو یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی، اس کی تعداد روایات مذکورۂ بالا میں بیان نہیں ہوئی ہے، تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا۔ کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ علامہ زیلعی حنفی نے بھی نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد ا صفحہ ۲۹۳ میں اس حدیث کو بحوالہ صحیح ابن حبان بدیں عبارت نقل فرمایا ہے۔ وعند ابن حبان فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ علیہ السلام قام بہم فی رمضان فصلی ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث ۔ اور علامہ موصوف نے صفحہ ۲۷۶ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں کس جگہ پر واقع ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، رواہ فی النوع التاسع والستین من القسم الخامس اھ یعنی ابن حبان نے حدیث مذکورۂ بالا کو اپنی صحیح کی پانچویں قسم کی انہترویں نوع میں روایت کیا ہے۔ اور امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۰ میں جابرؓ کی اس حدیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت

لے اس کتاب کا ایک قلمی عتیق نسخہ جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی ڈیانوی مؤلف (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا ہے۔ ثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللہ ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر الحدیث

ترجمہ۔ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن حمید رازی نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یعقوب بن عبد اللہ نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسٰے بن جاریہ نے انہوں نے روایت کی جابرؓ سے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا نماز پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعتیں علاوہ وتر۔ اگرچہ اس حدیث کے بعض رواۃ متکلم فیہ ہیں۔ لیکن تاہم مذکورہ بالا حدیث کی تائید سے خالی نہیں ہے، علامہ ذہبیؒ نے بھی میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ میں اس حدیث کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے، جس سند سے امام محمد بن نصر نے روایت کیا ہے۔ فرق دونوں میں صرف اسی قدر ہے کہ اس سند میں بجائے محمد بن حمید رازی کے جعفر بن حمید ہیں۔ اس کے بعد علامہ ذہبیؒ نے اس کی سند کی نسبت فرمایا ہے۔ اسنادہ وسط یعنی اس حدیث کی سند اچھی ہے، میزان الاعتدال کی عبارت یہ ہے۔ جعفر بن حمید ثنا یعقوب القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابرؓ۔ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی رمضان ثمان رکعات والوتر (الی ان قال) اسنادہ وسط اھ اور یہ حدیث معجم صغیر طبرانی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۸ میں بھی مروی ہے۔ اس میں طبرانیؒ کے شیخ عثمان بن عبید اللہ الطلحی الکوفی ہیں۔ باقی سند وہی ہے، جو میزان الاعتدال میں ہے، معجم صغیر طبرانی کی عبارت یہ ہے ثنا عثمان بن عبید اللہ الطلحی الکوفی ثنا جعفر بن حمید ثنا یعقوب بن عبد اللہ القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر بن عبد اللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات والوتر (الی ان قال) تفرد بہ یعقوب وھو ثقۃ۔ اور علامہ شوکانیؒ کتاب نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ میں فرماتے ہیں۔ واما العدد الثابت عنہ صلی اللہ

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد کے کتب خانہ میں موجود ہے، جواب ہذا میں اس کتاب کی عبارتیں اسی نسخہ سے منقول ہیں۔

علیہ وسلم فی صلاتہ فی رمضان فاخرج البخاری وغیرہ عن عائشۃ رض انہا قالت ما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ واخرج ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر انہ صلے اللہ علیہ وسلم صلے بہم ثمان رکعات ثم اوترا ہ۔

ترجمہ:۔ اُن رکعات کی تعداد جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے، اس کو امام بخاری وغیرہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابرؓ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ اور امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۲۰ میں ہے۔ وبہ عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وماذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلاتک فصلیت بہن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا

ترجمہ: بسند مذکورہ بالا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ رمضان میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کون سی بات ہو گئی ہے، اے ابی۔ ابی نے عرض کیا میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور تمہاری اقتدا کریں گے، تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر سکوت کیا۔ اور گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالٰے اعلم بالصواب۔

جواب ۲۔ کسی صحیح حدیث سے رسول اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا ثابت نہیں ہے، من ادعی فعلیہ البیان، اور جو ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی اور ابن عدی اور بغوی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ والوتراہ یعنی رسول اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے یہ حدیث صحیح نہیں ہے، علاوہ بریں یہ حدیث اُس صحیح حدیث کے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے صحیحین میں مروی ہے، مخالف بھی ہے، اور علامہ حافظ ابن حجرؒ التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث

الرافعی الکبیر چھاپہ دہلی صفحہ ۱۱۹ میں فرماتے ہیں۔ ذکر العشرین ورد فی حدیث أخرجہ البیھقی عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر قال البیھقی تفرد بہ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان وھو ضعیف اھ۔ ترجمہ۔ بیس رکعت کا ذکر ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے، جس کو بیہقیؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں غیر جماعت میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے، بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو صرف ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان نے روایت کیا ہے، اور وہ ضعیف ہے علامہ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۴ صفحہ ۲۱۵ میں فرماتے ہیں۔ واما ما رواہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ الذی فی الصحیحین۔ ترجمہ۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اولاً اس کی سند ضعیف ہے ثانیاً عائشہ صدیقہؓ کی اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جو صحیحین میں اُن سے مروی ہے۔ اور علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ چھاپہ نول کشور جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ میں فرماتے ہیں۔ واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنف[1] والطبرانی و البیھقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح اھ۔ ترجمہ، اور جو ابن ابی شیبہ نے مصنفؒ میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے۔ ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے۔ علاوہ بریں یہ حدیث صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے، اور علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ میں فرماتے ہیں روی ابن ابی شیبۃ

---

[1] مصنف کتاب کا نام ہے۔

فی مصنفہ والطبرانی و البیھقی من حدیث ابراھیم بن عثمان ابی شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر (الی قولہ) وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علے ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل[1] ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن انہ سال عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ۔ الحدیث ۔ترجمہ:۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی حدیث سے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے علاوہ پڑھتے تھے ، یہ حدیث معلول ہے (معلول ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے) اس لئے کہ اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے۔ باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس کو لین۔ یعنی ضعیف کہا ہے۔ علاوہ بریں یہ اس صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔ جس کو ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ رض صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیوں کر تھی۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔ اور علامہ عینی حنفی ؒ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ و ۳۵۹ میں فرماتے ہیں۔ فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت ھذا الحدیث رواہ ایضا ابوالقاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن مزاحم حدثنا ابوشیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابوشیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی

---

[1] کامل کتاب کا نام ہے ۱۲۔ [2] نمبرا میں گذر چکی ہے ۔۔

وغیرہم واوردلہ ابن عدی هذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ اھ ترجمہ۔ اگر تو یہ سوال کرے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ تو میں اس کے جواب میں کہونگا کہ اس حدیث کو ابو القاسم بغوی نے بھی معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے، کہا ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی منصور بن ابی مزاحم نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابی شیبہ نے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس وہی حدیث جو اس سوال میں مذکور ہو چکی یہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی شہر واسط کا قاضی ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ اور امام بخاریؒ اور نسائیؒ وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن عدیؒ نے کامل میں اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے، اور علامہ حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب چھاپہ دہلی صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ابراهیم بن عثمان العبسی بالموحدۃ ابو شیبۃ الکوفی قاضی واسط مشہور بکنیتہ متروک الحدیث من السابعۃ مات سنۃ تسع وستین اھ ترجمہ ابراہیم بن عثمان عبسی ابو شیبہ کوفی جو شہر واسط کا قاضی اور اپنی کنیت (ابو شیبہ) کے ساتھ مشہور ہے۔ متروک الحدیث ہے ساتویں طبقے سے ۱۶۹ھ میں مرا ہے، اور علامہ حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی انصاریؒ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال چھاپہ مصر صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں۔ ابراهیم بن عثمان العبسی بموحدۃ ابو شیبۃ الکوفی قاضی واسط عن خالہ الحکم بن عتیبۃ وابی اسحق وجماعۃ وعنہ کاتبہ یزید بن هارون ووصفہ بالعدل فی القضاء ضعفہ ابن معین وابو داؤد وقال النسائی متروک الحدیث الخ

ترجمہ: ابراہیم بن عثمان عبسی ابو شیبہ کوفی جو شہر واسط کا قاضی ہے، اپنے ماموں حکم بن عتیبہ اور ابو اسحق اور ایک جماعت سے روایت کرتا ہے۔ اور اس کا کاتب یزید بن ہارون روایت کرتا ہے کہ یہ فیصلجات میں انصاف کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین اور ابو داؤد نے اس کو ضعیف اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث وہ راوی ہے، جس کی قطعاً کسی نے توثیق نہیں کی یعنی ثقہ نہیں اور باوجود اس کے

وہ ایسی جرح سے ضعیف ٹھہرایا گیا ہے۔ جو اس کے ثقہ ہونے میں قادح ہے تقریب التہذیب کی عبارت یہ ہے العاشرۃ من لم یوثق البتۃ وضعف مع ذلک بقادح و الیہ الاشارۃ بمتروک او متروک الحدیث او واھی الحدیث او ساقط اھ۔

اور امام ذہبیؒ میزان الاعتدال فی اسماء الرجال جلد ا صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں۔ ابراھیم ابن عثمان ابو شیبۃ العبسی الکوفی قاضی واسط وجد ابی بکر ابن ابی شیبۃ یروی عن اخوامہ الحکم بن عتیبۃ وغیرہا کذبہ شعبۃ لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شہد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شہد صفین احدا من اھل بدر غیر خزیمۃ قلت سبحان اللہ اما شہدھا علی اما شہدھا عمار روی عثمان الدارمی عن ابن معین لیس بثقۃ وقال احمد ضعیف وقال البخاری سکتوا عنہ وقال س متروک الحدیث ومن مناکیر ابی شیبۃ ماروی البغوی نا منصور بن ابی مزاحم نا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر وقد ورد لہ عن الحکم احادیث وقد قال عبدالرحمٰن بن معاویۃ العتبی[1] سمعت عمرو بن خالد الحرانی یقول سمعت ابا شیبۃ یقول ما سمعت من الحکم الا حدیثا واحدا الخ ترجمہ:۔ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ عبسی کوفی جو شہر واسط کا قاضی اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، اپنے ماموں حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ شعبہ نے اس کو اس وجہ سے جھوٹا کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ صفین میں ستر اہل بدر صحابی حاضر تھے۔ شعبہ نے کہا واللہ ابو شیبہ نے یہ بات جھوٹ کہی۔ میں نے تو خود حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے خزیمہ کے اور کسی کو اہل بدر میں سے نہیں پایا۔ جو صفین میں حاضر ہوا ہو۔ میں کہتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا صفین میں علیؓ حاضر نہ تھے۔ کیا صفین میں عمارؓ حاضر نہ تھے۔ عثمان دارمیؒ نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ ابو شیبہ ثقہ نہیں ہے۔

---

[1] لعل الصواب التجیبی فانی لم اجد احدا من اسمہ عبدالرحمٰن بن معاویۃ بنسبۃ العتبی ۱۲

اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ضعیف ہے، اور امام بخاری نے کہا کہ سکتوا عنہ اور نسائی نے کہا کہ متروک الحدیث ہے۔ اور ابوشیبہ کے مناکیر میں سے ایک وہ حدیث ہے۔ جو بغوی نے روایت کی کہا ہم کو خبر دی منصور بن ابی مزاحم نے انہوں نے کہا کہ ہم کو خبر دی ابو شیبہ نے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں غیر جماعت میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اور ابوشیبہ نے حکم سے چند حدیثیں اور بھی روایت کی ہیں، حالانکہ عبدالرحمٰن بن معاویہ عتبی نے کہا کہ میں نے عمرو بن خالد حرانی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوشیبہ سے سنا وہ خود کہتا تھا کہ میں نے حکم سے صرف ایک ہی حدیث سنی ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی شرح تقریب النواوی چھاپہ مصر صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں۔ البخاری یطلق فیہ نظر او سکتوا عنہ فیمن ترکوا حدیثہ اھ ترجمہ:۔ امام بخاریؒ لفظ فیہ نظر او لفظ سکتوا عنہ اُس راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ جو متروک الحدیث ہوتا ہے، یعنی فیہ نظر اور سکتوا عنہ اور متروک الحدیث یہ تینوں الفاظ امام بخاری کے نزدیک ایک ہی معنے میں مستعمل ہیں۔ اور متروک الحدیث کے معنے تقریب التہذیب سے اوپر بیان ہو چکے اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنویؒ رسالہ الرفع والتکمیل مطبوعہ لکھنو صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں:۔ قال العراقی فی شرح الفیتہ۔ فیہ نظر، فلان سکتوا عنہ ھاتان العبارتان یقولہما البخاری فیمن ترکوا حدیثہ اھ ترجمہ۔ حافظ عراقیؒ نے اپنی کتاب الفیۃ الحدیث کی شرح میں فرمایا کہ یہ دو لفظ فیہ نظر اور فلان سکتوا عنہ امام بخاریؒ اس راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں، جو متروک الحدیث ہوتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔

جواب ۳:۔ حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو امام کو مع وتر گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا تھا موطا امام مالکؒ مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۰ میں ہے۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیمان الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ:۔ سائب بن یزید نے

سلہ سکتوا عنہ کا مطلب آگے کے قول میں مذکور ہے ۱۲۔

ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ اور امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۱ میں ہے عن السائب بن یزید امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ و فی روایۃ کنا نصلی فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ: سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داریؓ کو حکم کیا کہ گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم لوگ عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں مخالفت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آخر الذکر روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی تو امام کو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا۔ لیکن بعض لوگ تنہا دو رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے کہ آپ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے۔ کبھی ان کا شمار کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہیں جب شمار کیا جاتا تو تیرہ ہو جاتیں۔ ورنہ گیارہ رہتیں۔ جیسا کہ جواب نمبر (۱) میں گذر چکا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی لوگ تیرہ رکعتیں پڑھتے رہے ہوں۔ اور اول کی دو رکعتوں کے ہلکی ہونے سے سائب بن یزیدؓ کبھی ان کا شمار کرتے اور تیرہ روایت کرتے ہوں۔ اور کبھی نہیں شمار کرتے۔ اور گیارہ روایت کرتے ہوں۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کتاب معرفۃ السنن والآثار جلد اول صفحہ ۴۴۴ میں فرماتے ہیں۔ قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیمان الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی انھوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی انھوں نے سائب بن یزید سے کہ سائب بن یزید نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ

۱؎ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی ڈیانوی مؤلف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کی عبارت رسالہ ہذا میں اسی نسخہ سے منقول ہوئی ہے ۱۲۔

نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت لوگوں کو پڑھایا کریں۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المصابیح فی صلوٰۃ التراویح مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے۔ حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ترجمہ ہم کو عبد العزیز بن محمد نے خبر دی انھوں نے کہا مجھ کو محمد یوسف نے خبر دی، انھوں نے کہا میں نے سائب بن یزیدؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے۔ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور علامہ ممدوح صفحہ ۲۰ میں اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں۔ سندہ فی غایۃ الصحۃ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے، سائب بن یزیدؓ سے اس کے خلاف میں بھی کچھ روایتیں آئی ہیں۔ لیکن وہ روائتیں اس روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ قیام اللیل صفحہ ۱۹۳ میں ہے۔ قال ابن اسحٰق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون کان من حدیث السائب فذلک ان صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ، ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کی زیادہ سزاوار ہو نہیں سنی ہے، اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ ہی رکعت تھی۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ میں ہے۔ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر ابن العربی ترجمہ:۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے لئے گیارہ ہی رکعت پسند کی ہے، اور ابوبکر بن العربیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور عمدۃ القاری کی جلد و صفحہ مذکور میں قیام اللیل سے منقول ہے۔ عن السائب بن یزید قال کنا نصلے فی زمان عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم لوگ عمر بن خطابؓ کے زمانے میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المصابیح فی صلوٰۃ التراویح صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب قال

ولاذری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر اھ ۔ ترجمہ:۔ ہمارے اصحاب میں سے ابن جوزی نے کہا۔ امام مالک نے فرمایا جتنی رکعتوں پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ وہ مجھ کو زیادہ پیاری ہیں۔ اور وہ گیارہ رکعتیں ہیں۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ اُن سے پوچھا گیا کیا گیارہ رکعت مع وتر، کہا ہاں، اور تیرہ رکعت قریب ہے، اور کہا میں نہیں جانتا کہ یہ سب سارے رکوع کہاں سے ایجاد کئے گئے ہیں۔ اور جو موطا امام مالک صفحہ ۴۰ میں یزید بن رومان سے مروی ہے، کہ انہوں نے کہا کہ کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مع وتر تئیس رکعت پڑھتے تھے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے، کہ یہ روایت سنداً صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے، اس لئے کہ یزید بن رومان جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد پیدا ہوئے ہیں پس یہ روایت بوجہ انقطاع کے متصل السند اور صحیح نہیں ہے، علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۲۹۴ میں فرماتے ہیں۔ ویزید بن رومان لم یدرک عمر اھ یعنے یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے، اور علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۸۰ میں فرماتے ہیں ویزید لم یدرک عمر فخیہ انقطاع اھ ۔ یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے پس اس کی سند منقطع ہے۔ اور جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ میں فرماتے ہیں۔ رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع اھ۔ یعنی امام مالکؒ نے اس کو موطا میں منقطع سند سے روایت کیا ہے ۔ اور اس کا جواب ثانیاً یہ ہے کہ اس روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے، کہ جو لوگ تئیس رکعت پڑھتے تھے۔ وہ بحکم حضرت عمر پڑھتے تھے۔ یہی جواب اس روایت کا بھی ہے، جس کو علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۱۹۴ میں بیہقی سے نقل فرمایا ہے، اور امام نووی سے اس کا صحیح الاسناد ہونا نقل کیا ہے کہ سائب بن یزید نے کہا کہ کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر اھ یعنی ہم لوگ حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ کیونکہ اس روایت میں بھی اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے، وہ حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ اور یہی جواب اس روایت کا بھی ہے،

جس کو علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۸۰۳ میں بیہقی سے نقل فرمایا ہے، (اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے) کہ سائب بن یزید نے کہا کہ کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما مثلہ اھ یعنی لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے، اور ایسا ہی حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد میں کیونکہ اس روایت میں بھی اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے، وہ لوگ حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ کے حکم سے پڑھتے تھے، اور جو مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۴ میں ہے حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ ۔ یعنی وکیع نے ہم کو خبر دی۔ انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ انہوں نے یحیٰی بن سعید سے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بسند صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے، اس لئے کہ امام مالکؒ کے شیخ یحیٰی بن سعید انصاری مدنی نے جو اس اثر کے راوی ہیں، انہوں نے کبھی حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، حضرت عمرؓ تو ۲۳ھ میں شہید ہو چکے تھے، اور یحیٰی بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں، جو تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے صرف ایک دو صحابی کو دیکھا ہے، اور یہ ۱۴۳ھ یا اس کے بعد میں مرے ہیں، پھر اُن کو حضرت عمرؓ کا زمانہ پانے کی کیا صورت ہے، پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونیکے صحیح نہیں ہے، تقریب التہذیب صفحہ ۱۸۹ میں ہے۔ عمر بن الخطاب امیر المؤمنین استشھد فی ذی الحجۃ سنۃ ثلث وعشرین انتھی ملتقطا ۔ ترجمہ: امیر المومنین حضرت عمرؓ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے، اور صفحہ ۲۷۵ میں ہے، یحیی بن سعید الانصاری المدنی من الخامسۃ مات سنۃ اربع و اربعین ومائۃ اوبعدھا انتھی ملتقطا ترجمہ: یحیٰی بن سعید انصاری مدنی طبقہ خامسہ سے ہیں، ۱۴۴ھ میں یا اس کے بعد مرے ہیں۔ اور صفحہ ۳ میں ہے الخامسۃ الطبقۃ الصغریٰ منھم الذین رأوا الواحد والاثنین اھ ترجمہ: پانچواں طبقہ تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہے، اور تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں: یحیی بن سعید الانصاری قاضی

المدینة مات سنة ثلث واربعین ومائة انتہی ملتقطا ترجمہ۔ یحییٰ بن سعید انصاری جو مدینہ طیبہ کے قاضی ہیں ۱۴۳ھ میں مرے ہیں، اور خلاصہ صفحہ ۲۸۲ میں ہے، عمر بن الخطاب احد فقہاء الصحابة ثانی الخلفاء الراشدین واحد العشرة المشہود لہم بالجنة استشہد فی اٰخر سنة ثلث وعشرین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ۔ حضرت عمرؓ مجتہدین صحابہ میں سے ایک مجتہد ہیں، اور خلفاء راشدینؓ میں سے خلیفہ دوم ہیں، اور ان دس صحابہ میں سے جن کے لئے آں حضرت صلعم نے جنت کی بشارت دی ہے، ایک صحابی ہیں، ۲۳ھ میں شہید ہوئے ہیں۔ اور صفحہ ۴۲۴ میں ہے یحییٰ بن سعیدؒ الانصاری قاضی المدینة قال القطان مات سنة ثلث و اربعین ومائة انتہی ملتقطا ترجمہ۔ یحییٰ بن سعید انصاری جو مدینہ طیبہ کے قاضی ہیں، بقول یحییٰ بن سعید قطانؒ ۱۴۳ھ میں مرے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۷ میں ہے، یحییٰ بن سعید الانصاری من صغار التابعین انتہی ملتقطا ترجمہ۔ یحییٰ بن سعید انصاری صغار تابعین سے ہیں **الحاصل** جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی تھی، تو صحیح سند سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام کو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا تھا، اور جو روایتیں اس کے خلاف میں آئی ہیں، وہ یا تو صحیح الاسناد نہیں ہیں، یا اُن میں اس امر کی تصریح نہیں ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان واللہ تع اعلم بالصواب اور جو بعض لوگوں نے گیارہ اور بیس میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت پڑھی جاتی تھی بعد کو حضرت عمر نے بیس رکعت کا حکم صادر فرمایا تب سے بیس رکعت پڑھی جانے لگی ؛ اس تطبیق پر دو وجہ سے بحث ہے، اولاً یہ کہ اس تطبیق کی یہاں ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ تطبیق کی ضرورت تو جب ہو کہ گیارہ اور بیس دونوں کا حکم دینا حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت بھی ہو۔ حالانکہ گیارہ کا حکم دینا تو صراحۃً حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ہے، بلکہ نہایت صحیح سند سے ثابت ہے، اور بیس کا حکم دینا حضرت عمرؓ سے صراحۃً کسی صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان ثانیاً یہ اگر بالفرض دونوں کا ثبوت ان سے بھی لیا جائے، تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے، اور بیس کا پیچھے کیوں نہیں جائز ہے، کہ بیس ہی کا حکم پہلے ہوا اور گیارہ

کا حکم پہنچے۔

جواب نمبر۱۲ :۔ صحیح سند سے خلفاء راشدین میں سے سوائے حضرت عمرؓ کے اور کسی سے کچھ ثابت نہیں ہے کہ وہ حضرات تراویح کے رکعت پڑھتے تھے یا کتنی رکعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان ہاں حضرت عمر سے البتہ بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے (جواب نمبر ۲ ملاحظہ ہو) اور جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، تو ظاہر یہی ہے، کہ خود بھی ایسا ہی کرتے رہے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ درایہ تخریج ہدایہ چھاپہ دہلی صفحہ ۱۲۳ میں صاحب ہدایہ کے اس قول واظب علیہ الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم کی تخریج میں فرماتے ہیں، لم اجدہ یعنی صاحب ہدایہ نے جو کہا ہے کہ خلفائے راشدین نے تراویح پر مواظبت فرمائی ہے، میں نے اس کا کہیں ثبوت نہیں پایا۔ اور علامہ زیلعی حنفیؒ جنہوں نے اپنی کتاب نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں صاحب ہدایہ کے حوالجات کا پتہ بتا دینا اپنے ذمہ لیا ہے، وہ بھی صاحب ہدایہ کے اس حوالہ کا کچھ پتہ نہ دے سکے، اور اس حوالہ کو یوں ہی لا پتہ چھوڑ دینے پر قناعت کر لی، اور جب نفس تراویح پر خلفائے راشدینؓ کی مواظبت کا پتہ نہیں چلتا تو بیس رکعت تراویح پر مواظبت کا پتہ چلنا خیلے مشکل ہے، اور علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۱۶ میں فرماتے ہیں۔

قولہ۔ فخرج لیلۃ والناس یصلون بصلوۃ قارئھم ای امامھم المذکور وفیہ اشعار بان عمر کان لا یواظب علی الصلوۃ معھم وکانہ کان یری ان الصلوۃ فی بیتہ ولاسیما فی اٰخر اللیل افضل وقد روی محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق طاؤس عن ابن عباس قال کنت عند عمر فی المسجد فسمع ھیعۃ الناس فقال ما ھذا قیل خرجوا من المسجد وذلک فی رمضان فقال ما بقی من اللیل احب الی مما مضی ومن طریق عکرمۃ عن ابن عباس نحوہ من قولہ۔

ترجمہ :۔ راوی (عبدالرحمٰن بن عبد) کے اس قول کہ حضرت عمرؓ دوسری رات نکلے رمضان میں اور لوگ اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے اور شاید ان کا یہ مذہب تھا کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً

آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور محمد بن نصر نے اپنی کتاب قیام اللیل میں طاؤس کی سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ ابن عباس نے فرمایا کہ میں ماہ مبارک رمضان میں حضرت عمرؓ کے پاس مسجد میں تھا۔ لوگوں کا شور سن کر فرمایا۔ یہ کیسا شور ہے۔ عرض کیا گیا کہ لوگ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے ہیں تو فرمایا کہ میرے نزدیک رات کا باقی حصہ رات کے گذشتہ حصہ سے بہتر ہے، اور محمد بن نصرؒ نے عکرمہ کی سند سے بھی ابن عباسؓ سے اسی طرح کا مضمون روایت کیا ہے، کہ ابن عباس نے فرمایا۔ اور علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ میں فرماتے ہیں۔

فیہ اشعار بان عمر کان لا یواظب علی الصلوٰۃ معہم وکانہ یری ان الصلوٰۃ فی بیتہ افضل ولاسما فی اٰخر اللیل وعن ھذا قال الطحاوی التراویح فی البیت افضل۔ ترجمہ۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے، اور شاید ان کا یہ مذہب تھا کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور یہیں سے امام طحاوی حنفی نے فرمایا کہ تراویح گھر میں افضل ہے، اور علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ میں فرماتے ہیں۔ فیہ اشعار بان عمر کان لا یواظب علے الصلوٰۃ معہم ولعلہ کان یری ان فعلہ فی بیتہ ولاسیما فی اٰخر اللیل افضل ۔ ترجمہ۔ عبد الرحمٰن بن عبد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے، اور شاید ان کا یہ مذہب تھا۔ کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا چھاپہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ میں ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے، دعانی عمر اتغدیٰ معہ فی رمضان یعنے السحور فسمع ھیعۃ الناس حین انصرفوا من القیام فقال اما ان الذی بقے من اللیل احب الی مما مضی منہ۔ ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے مجھ کو رمضان میں اپنے ساتھ سحری کھانے کو بلایا اتنے میں لوگوں کا شور سنا جس وقت وہ لوگ رات کی نماز پڑھ کر واپس جا رہے تھے۔ تو فرمایا۔ آگاہ ہو کہ رات کا باقی حصہ میرے نزدیک رات کے گذشتہ حصہ سے بہتر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب نمبر ۵۔ رکعات تراویح کے عدد میں فیما بین العلماء حسب ذیل دس قول ہیں۔ اور ان اقوال عشرہ میں مرجح من حیث الدلیل قول دہم ہے، اور قول نہم حقیقتہً اس کے مخالف نہیں ہے۔ (جواب نمبر ۳ ملاحظہ ہو) امر اول کا بیان رکعات التراویح کے عدد میں ایک قول یہ ہے کہ اکتالیس رکعت ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری چھاپہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵۵ میں فرماتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ فقیل احدی واربعون وقال الترمذی رای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ قال شیخنا رحمہ اللہ وھو اکثر ما قیل فیہ قلت ذکر ابن عبد البر فی الاستذکار عن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین رکعۃ ویوتر بسبع اھ۔ ترجمہ۔ علماء نے قیام رمضان (تراویح) کی رکعتوں کے بارے میں کہ اس میں کون عدد مستحب ہے، بہت کچھ اختلاف کیا ہے، ایک قول یہ ہے، کہ اکتالیس رکعت ہے، ترمذی نے کہا کہ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ اکتالیس رکعت مع وتر پڑھے، اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے، اور اسی پر مدینہ میں اہل مدینہ کا عمل ہے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اکتالیس سے زیادہ کسی کا قول نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن عبد البر نے اسود بن یزید سے نقل کیا ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے، اور سات رکعت وتر پڑھتے تھے، یعنی مع وتر سینتالیس رکعت پڑھتے تھے۔ **دوسرا قول**:۔ یہ ہے کہ اڑتیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل ثمان وثلثون رواہ محمد بن نصر من طریق ابن ایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ قال وھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم اھ ترجمہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اڑتیس رکعت ہے، امام محمد بن نصر رحمہ اللہ نے ابن ایمن کے طریق سے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعت پڑھیں پھر امام اور سب لوگ سلام پھیر کر ایک رکعت وتر پڑھیں، امام مالک نے کہا کہ زمانہ حرہ کے قبل ایک سو کئی برس سے اب تک اہل مدینہ کا اسی پر عمل چلا آتا ہے، اور حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ میں فرماتے

ہیں۔ هذا یمکن ردہ الی الاول بانضمام ثلث توتر لکن صرح فی روایۃ بانہ یوتر بواحدۃ فتکون اربعین الا واحدۃ اھ۔ ترجمہ:۔ اس دوسرے قول کو باضافہ وتر کی تین رکعتوں کے پہلے قول کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس روایت میں تصریح ہو چکی ہے اگر وتر ایک ہی رکعت پڑھے تو وتر ملا کر ایک کم چالیس ہی رکعتیں ہوتی ہیں، نہ اکتالیس۔ **تیسرا قول:۔** یہ ہے، کہ چھتیس رکعت ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔ وقیل ست وثلثون وهو الذی علیہ عمل اهل المدینۃ وروی ابن وهب قال سمعت عبد اللہ بن عمر یحدث عن نافع قال لم ادرك الناس الا وهم یصلون تسعا وثلثین رکعۃ ویوترون منها بثلث ۔ ترجمہ: تیسرا قول یہ ہے کہ چھتیس رکعت ہے۔ اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے، ابن وہب نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن عمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ نافع نے کہا کہ میں نے لوگوں کو نہیں پایا۔ مگر اسی حالت پر کہ تراویح انتالیس رکعت پڑھتے تھے۔ جن میں سے تین رکعتیں وتر کی تھیں۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ وهذا هو المشهور عنہ ترجمہ:۔ امام مالک سے یہی قول مشہور ہے کہ تراویح چھتیس رکعت ہے، **چوتھا قول:۔** یہ ہے کہ چونتیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل اربع وثلثون علی ما حکی عن زرارۃ بن اوفی انہ کذلك کان یصلی بهم فی العشر الاخیر۔ ترجمہ:۔ چوتھا قول یہ ہے کہ چونتیس رکعت ہے، جیسا کہ زرارہ بن اوفیٰ سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح (چونتیس رکعت) پڑھتے تھے۔ **پانچواں قول** یہ ہے کہ اٹھائیس رکعت ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔ وقیل ثمان وعشرون وهو المروی عن زرارۃ بن اوفی فی العشرین الاولین من الشهر وکان سعید بن جبیر یفعلہ فی العشر الاخیر اھ۔ ترجمہ پانچواں قول یہ ہے کہ ۲۸ رکعت ہے۔ یہ بھی زرارہ بن اوفیٰ سے رمضان کے پہلے دو عشروں میں منقول ہے۔ اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ وہ اٹھائیس رکعت آخری عشرہ میں پڑھتے تھے۔ **چھٹا قول:۔** یہ ہے کہ چوبیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل اربع وعشرون وهو مروی عن سعید بن جبیر اھ ۔ ترجمہ چھٹا قول یہ ہے کہ چوبیس رکعت ہے اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے، **ساتواں قول،** یہ ہے کہ بیس رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل عشرون وحکاہ الترمذی عن اکثر اهل العلم

فانہ روی عن عمر و علی وغیرھما من الصحابۃ وھو قول اصحابنا الحنفیۃ ۔ ترجمہ: ساتواں قول یہ ہے کہ بیس رکعت ہے ترمذی نے اس کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ یہ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و دیگر صحابہؓ سے منقول ہے۔ اور یہی قول ہم احناف کا ہے، یہاں پر علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت عمرؓ سے بیس رکعت کے منقول ہونے کا حوالہ موطا امام مالک پر کر دیا ہے، حالانکہ موطا میں کسی جگہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعت کا پڑھنا یا حکم دینا منقول نہیں ہے، اس میں تو بیس رکعت کے بارے میں صرف یزید بن رومان کی روایت ہے، جو جواب نمبر ۳ میں مذکور ہو چکی ہے، جس میں نہ اس امر کی تصریح ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھتے تھے اور نہ اس امر کی تصریح ہے کہ بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ مع ہذا یہ روایت سنداً بھی صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع الاسناد ہے چنانچہ خود علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری میں اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے۔ اما اثر عمر رضی اللہ عنہ فرواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع اس کی پوری بحث اوپر گذر چکی ہے، جواب نمبر ۳ ملاحظہ ہو، اور بھی یہاں پر علامہ عینی نے حضرت علیؓ سے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا حوالہ کسی حدیث کی کتاب پر نہیں دیا ہے، مع ہذا جو اس کی سند لکھی ہے اس میں ایک راوی ابو الحسناء ہیں جو حضرت علیؓ سے روایت کرنے والے قرار دیئے گئے ہیں۔

معلوم نہیں یہ ابو الحسناء کون بزرگ ہیں۔ اگر یہ وہی ابو الحسناء ہیں، جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں تو ان کو تو حضرت علیؓ سے لقا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ابو الحسناء طبقہ سابعہ سے ہیں جو کبار اتباع تابعین کا طبقہ ہے جس کو کسی صحابی سے لقا نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حضرت علیؓ سے لقا ہو۔ اور جب حضرت علیؓ سے ان کی لقا ثابت نہیں ہوئی تو یہ روایت بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہ ٹھہری۔ علاوہ بریں یہ ابو الحسناء مجہول بھی ہیں تو اس وجہ سے بھی یہ روایت صحیح ثابت نہ ہوئی۔ تقریب التہذیب مطبوعہ فاروقی دہلی صفحہ ۴۹۲ میں ہے۔ ابو الحسناء بزیادۃ

الف قیل اسمہ الحسن وقیل الحسین مجہول من السابعۃ اھ ترجمہ۔ ابوالحسناء بزیادۃ الف بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام حسن ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حسین ہے مجہول ہیں طبقہ سابعہ میں۔ اور صفحہ ۳ میں ہے السابعۃ طبقۃ کبار اتباع التابعین کمالك والثوری۔ ترجمہ ساتواں طبقہ کبار اتباع تابعین کا ہے، جیسے امام مالکؒ اور سفیان ثوری اور یہاں پر علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۸۰۳ میں حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک اور روایت بھی بحوالہ بیہقی نقل کی ہے، جو جواب نمبر ۳ کے آخر میں منقول ہو چکی ہے، جس میں بھی نہ اس امر کی تصریح ہے کہ خود حضرت علیؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ بیس رکعت پڑھتے تھے، اور نہ اس امر کی تصریح ہے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے کسی کو بیس رکعت کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں پر علامہ عینی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک روایت امام محمد بن نصر مروزی کے طریق سے نقل کی ہے، اور وہ بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے، وہ روایت یہ ہے، قال الاعمش کان عبداللہ بن مسعود یصلے عشرین رکعۃ ویوتر بثلث ترجمہ اعمش نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اس روایت کے منقطع السند ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اعمش جو اس واقعہ نماز تراویح عبداللہ بن مسعودؓ کے ناقل ہیں، انہوں نے عبداللہ بن مسعود کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ عبداللہ بن مسعود تو ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پا چکے تھے، اور اعمشؒ ۶۰ھ کے بعد پیدا ہوئے ہیں، تقریب التہذیب چھاپہ دہلی صفحہ ۱۴۳ میں ہے عبداللہ بن مسعود مات سنۃ اثنتین وثلثین او فی التی بعدھا بالمدینۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ۳۲ھ میں یا اس کے بعد والے سنہ میں خاص مدینہ طیبہ میں وفات پائی ہے۔ اور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ میں ہے سلیمان الاعمش مات سنۃ سبع واربعین اوثمان ومائۃ وکان مولدہ اول احدی وستین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ سلیمان اعمشؒ نے ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی اور ۶۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے، اور خلاصہ چھاپہ مصر صفحہ ۲۱۴ میں ہے، عبداللہ بن مسعود قال ابونعیم مات

بالمدینۃ سنۃ اثنتین وثلثین عن بضع وستین سنۃ انتہی ملتقطاً۔ ترجمہ:- ابونعیم نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ نے خاص مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ میں کئی برس اوپر ساٹھ کے ہوکر وفات پائی، اور صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔ سلیمان الاعمش قال ابونعیم مات سنۃ ثمان واربعین ومائۃ عن اربع وثمانین سنۃ اھ ترجمہ:- ابونعیم نے کہا سلیمان اعمش نے ۱۴۸ھ میں چوراسی برس کے ہوکر وفات پائی۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۰۶ میں ابی بن کعبؓ سے بھی بیس رکعت کے بارہ میں ایک روایت آئی ہے لیکن وہ بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے۔ وہ روایت مع سند یہ ہے:۔ حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن عن حسن عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلث ترجمہ:- حمید بن عبدالرحمٰن نے ہم کو خبر دی انہوں نے حسن سے روایت کی انہوں نے عبد العزیز بن رفیع سے کہ ابی بن کعبؓ مدینہ طیبہ میں ماہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے۔ اس روایت کے منقطع السند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبد العزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ تقریب التہذیب صفحہ ۱۷ میں ہے:۔ ابی بن کعب من فضلاء الصحابۃ اختلف فی سنۃ موتہ اختلافاً کثیراً قیل سنۃ تسع عشرۃ وقیل سنۃ اثنتین وثلثین وقیل غیر ذلک انتہی ملتقطاً۔ ترجمہ:- ابی بن کعبؓ فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے سن وفات میں بہت کچھ اختلاف ہے، کوئی ۱۹ھ بتاتا ہے، اور کوئی ۳۲ھ بتاتا ہے، اور کوئی اور کچھ۔ اور صفحہ ۱۶۱ میں ہے، عبد العزیز بن رفیع ثقۃ من الرابعۃ مات سنۃ ثلثین[۵] ومائۃ وقیل بعدھا وقد جاوز التسعین انتہی ملتقطاً۔ ترجمہ عبد العزیز بن رفیع ثقہ ہیں، طبقہ

---

[۵] تقریب التہذیب مطبوعہ ہند کے نسخوں میں اس جگہ بجائے لفظ ثلثین کے لفظ ثلث طبع ہوا ہے، یہ قطعاً غلط ہے، صحیح لفظ ثلثین ہے، جیسا کہ خلاصہ و عمدۃ القاری و کاشف میں ہے جن کی عبارات آئندہ منقول ہیں۔ اسکے علاوہ خود تقریب کا قلمی صحیح نسخہ مرحوم خدا بخش خان صاحب وکیل پٹنہ کے مشہور کتب خانہ میں موجود ہے اس میں بھی ثلثین ہی کا لفظ ہے، الحاصل اس جگہ لفظ ثلثین صحیح ہے، لفظ ثلث جو نسخ مطبوعہ ہند میں ہے قطعاً غلط ہے، اس کتاب کی عبارت مولانا ابومحمد زین العابدین بہاری مرحوم آروی کے قلمی نسخہ سے نقل کی گئی ہے ۱۲۔

رالعہ سے ہیں ۱۳۰ھ میں یا اس کے بعد ستر برس سے زائد کے ہو کر مرے ہیں۔ اور خلاصہ صفحہ ۲۴ میں ہے: ابی بن کعب سید القراء توفی سنۃ عشرین او اثنتین وعشرین او ثلثین او اثنتین وثلثین او ثلث وثلثین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: ابی بن کعبؓ جو قاریوں کے سردار ہیں، انہوں نے ۲۰ھ یا ۲۲ھ یا ۳۰ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ہے، اور صفحہ ۲۳۹ میں ہے: عبد العزیز بن رفیع وثقہ احمد وابن معین قال مطین مات سنۃ ثلثین ومائۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: عبد العزیز بن رفیع ان کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے، مطین نے فرمایا یہ ۱۳۰ھ میں مرے ہیں۔ اور کتاب الثقات لابن حبان جلد ا صفحہ ۲۳ میں ہے: ابی بن کعب کنیتہ ابو المنذر مات سنۃ ثنتین وعشرین فی خلافۃ عمر وقیل انہ بقی الی خلافۃ عثمان۔ ترجمہ: ابی بن کعبؓ نے جن کی کنیت ابو المنذر ہے، ۲۲ھ میں وفات پائی، اور بعض نے حضرت عثمان کی خلافت تک اُن کا باقی رہنا بیان کیا ہے، اور علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۳۲۶ میں فرماتے ہیں۔ عبد العزیز بن رفیع مات بعد الثلثین ومائۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: عبد العزیز بن رفیع ۱۳۰ھ کے بعد مرے ہیں۔ اور امام ذہبی کاشف میں فرماتے ہیں۔ عبد العزیز بن رفیع ثقۃ معمر مات سنۃ ثلثین ومائۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: عبد العزیز بن رفیع ثقہ معمر ہیں ۱۳۰ھ میں مرے ہیں۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ سولہ رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ ست عشرۃ وھو مروی عن ابی مجلز انہ کان یصلی بہم اربع ترویحات ویقرء لہم سبع القرآن فی کل لیلۃ رواہ محمد بن نصر من روایۃ عمران بن حدیر اھ۔ ترجمہ: آٹھواں قول یہ ہے کہ سولہ رکعت ہے، اور یہ ابو مجلز سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو چار ترویحہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ اس میں پڑھا کرتے تھے، اس کو امام محمد بن نصرؒ نے عمران بن حدیر کے طریق سے روایت کیا ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ تیرہ رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل ثلث عشرۃ واختارہ محمد بن اسحٰق روی محمد بن نصر من طریق ابن اسحٰق قال حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب ابن یزید قال کنا نصلی فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ (الی قولہ

قال ابن اسحٰق وما سمعت فی ذلک حدیثا هو اثبت عندی ولا احری بان یکون من حدیث السائب وذلک ان صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ اھ

ترجمہ:۔ نواں قول یہ ہے کہ تیرہ رکعت ہے، اور اسی کو محمد بن اسحٰق نے اختیار کیا ہے، امام محمد بن نصر نے روایت کی کہ محمد بن اسحٰق نے کہا کہ محمد بن یوسف نے مجھے خبر دی کہ ان کے جد سائب بن یزید نے کہا کہ ہم لوگ عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کے زیادہ لائق ہو۔ نہیں سنی ہے، اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ ہی رکعت تھی اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ قال ابن اسحٰق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ۔ ترجمہ محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے جس قدر حدیثیں اس باب میں سنی ہیں، ان سب میں یہ حدیث کے موافق ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں مروی ہے، **دسواں قول**:۔ یہ ہے کہ گیارہ رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر ابن العربی ۔ ترجمہ دسواں قول یہ ہے کہ گیارہ رکعت ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو ابوبکر بن عربی نے بھی پسند کیا ہے، علامہ حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ میں فرماتے ہیں:۔ فی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انھا احدی عشرۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ اخر ورواہ محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحٰق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرۃ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ والثانی قریب منہ اھ ملتقطا ۔ ترجمہ امام مالک نے موطا میں محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے، اور سعید بن منصور نے ایک اور سند سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے۔ اور امام محمد بن نصر مروزی نے محمد بن اسحٰق کی سند سے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہے۔ اور اول عدد یعنی گیارہ حضرت

عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کے موافق ہے۔ اور ثانی یعنی تیرہ اس سے قریب ہے۔ **امر دوم کا بیان** ان اقوال عشرہ میں قول دہم اس لئے مرجح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی حدیث صحیح سے گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ثابت نہیں (جواب نمبر ۱ ملاحظہ ہو) اور حضرت عمرؓ کا حکم کہ امام لوگ گیارہ ہی پڑھا کریں۔ مزید براں ہے (جواب نمبر ۲ ملاحظہ ہو) اور کسی صحیح سند سے کسی کا خلفائے راشدین میں سے بھی اس سے زیادہ پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت نہیں ہے، اور صریحاً آسمانی قانون موجود ہے کہ عندالاختلاف جو قول کتاب وسنت کے موافق ہے وہی مرجح ہے، (دیکھو سورہ نساء رکوع ۸) فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ ترجمہ: اگر تم لوگ کسی بات میں اختلاف کرو، تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ کو اور قیامت کے آنے کو مانتے ہو بس ثابت ہوا کہ اس اختلاف میں قول دہم ہی مرجح ہے۔ تنبیہ:۔ ایک صاحب نے دوبارہ بیس رکعت تراویح کے رسائل خمسہ مطبوعہ امرت سر سے کتاب سنن کبریٰ بیہقی کی چند روایات نقل کر کے ہمارے پاس بھیجی ہیں۔ ہم ان کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی گذارش جو ان روایات کے متعلق ہیں، ذیل میں درج کرتے ہیں، ہماری نظر سے نہ سنن کبریٰ بیہقی گذری ہے، نہ ہم مؤلف رسائل خمسہ کا حال جانتے ہیں۔ لہٰذا ان روایات کی نسبت کہ یہ سنن کبریٰ بیہقی میں ہیں یا نہیں، کچھ حکم نہیں لگا سکتے۔ اور بعد تسلیم یہ گذارش ہے کہ روایات مذکورہ میں سے پہلی روایات تو سائب بن یزید کی ہے کہ کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ اور دوسری روایت یزید بن رومان کی ہے کہ کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ ان دونوں روایتوں پر اسی رسالہ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے، وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے پڑھتے تھے۔ اور یزید بن رومان کی روایت پر ایک اور بحث بھی گذر چکی ہے، کہ یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح بھی نہیں ہے، رسالہ رکعات التراویح کا صفحہ ۱۵ ملاحظہ ہو) تیسری اور چوتھی روایت یہ ہے کہ سوید بن غفلہ اور شتیر بن شکل (جو منجملہ تابعین ہیں) رمضان

میں بیس رکعت پڑھاتے تھے، ان دونوں روایتوں کی عبارت مع سند یہ ہے، اخبرنا ابو زکریا ابن ابی اسحٰق ثنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبدالوہاب ثنا جعفر بن عون ثنا ابو الخطیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلے خمس ترویحات عشرین رکعۃ وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلث اھ۔ ان دونوں روایتوں کا جواب (اس سے قطع نظر کہ ان کی سند کیسی ہے، صحیح یا غیر صحیح) یہ ہے کہ زیر بحث یہ امر نہیں ہے کہ دنیا میں کسی نے بیس رکعت بھی پڑھی پڑھائی ہے، یا نہیں، ضرور پڑھی بھی ہے، اور پڑھائی بھی ہے، بلکہ بعض اکابر نے تو ۲۴ بلکہ ۲۸ بلکہ ۳۶ بلکہ ۳۸ بلکہ مع وتر ۴۱ بلکہ ۴۷ رکعت تک بھی پڑھی ہے، چنانچہ ان سب کی تفصیل رسالہ رکعات التراویح میں بخوبی گذر چکی ہے، (جواب نمبر ۵ ملاحظہ ہو) بلکہ زیر بحث یہ امر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے کتنی رکعت پڑھنا یا کتنی رکعت پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے، اور یہ امر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے بیس رکعت پڑھنا یا بیس رکعت پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے، یا نہیں، اور یہ امر کہ دوبارہ رکعات التراویح جو فیما بین العلماء اختلاف ہے، اس میں مرجح اور قوی من حیث الدلیل کے کتنی رکعت ہے، اور یہ دونوں روائتیں ان تینوں زیر بحث امور سے اجنبی ہیں۔ یہی جواب اس روایت کا بھی ہے، جو بعض رسائل میں بلا حوالہ کسی حدیث کی کتاب کے منقول ہے کہ عطاء نے کہا کہ میں نے لوگوں کو تیئس رکعت پڑھتے پایا ہے، اس روایت کی عبارت مع سند یہ ہے۔ حدثنا ابن نمیر عن عبدالملک عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلثا وعشرین رکعۃ۔ پانچویں روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ماہ رمضان میں قاریان قرآن کو بلایا، اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے، اور وتر آپ پڑھا دیا کرتے، اس روایت کی عبارت مع سند یہ ہے۔ اخبرنا ابو الحسین الفضل بن القطان ببغداد اخبرنا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم ثنا احمد بن عبداللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء ابن السائب عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلے بالناس عشرین رکعۃ وکان

علے یوتز بہا حمد ا ھ۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہیں۔ اور وہ ضعیف و متروک الحدیث ہیں۔ امام ذہبیؒ اپنی کتاب میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۲۷۴ میں فرماتے ہیں:۔ حماد بن شعیب ن الحمانی الکوفی عن ابی الزبیر وغیرہ ضعفہ ابن معین وغیرہ وقال یحییٰ مرۃ لایکتب حدیثہ وقال البخاری فیہ نظر وقال النسائی ضعیف وقال ابن عدی اکثر حدیثہ مما لا یتابع علیہ و ابوحاتم لیس بالقوی انتہی ملتقطا ترجمہ:۔ حماد بن شعیب حمانی کوفی ہیں۔ ابوالزبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور یحییٰ نے ایک بار یہ بھی کہا ہے کہ یہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے، اور امام بخاری نے ان کے حق میں فیہ نظر (یعنی متروک الحدیث کہا ہے، اور نسائی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، اور ابن عدیؒ نے کہا کہ ان کی اکثر حدیثیں اس قسم کی ہوتی ہیں جن پر ان کی کوئی متابعت نہیں کرتا۔ اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں ثانیاً اس وجہ سے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی عطاء بن سائب بھی ہیں، جو حماد بن شعیبؒ کے شیخ یعنی استاذ ہیں۔ اور گو یہ عطاء بن سائب پہلے ثقہ تھے لیکن بعد کو اس وجہ سے کہ ان کے حافظہ میں تغیر آگیا تھا۔ یعنی بدحافظہ ہو گئے تھے، اور انٹ کا منٹ روایت کرنے لگے تھے، ثقہ باقی نہیں رہے، لہٰذا جن ثقات نے ان سے ان کے اس تغیر اور بدحافظگی کے قبل حدیث سنی ہے، وہ حدیث تو صحیح ہے، اور جن ثقات نے ان سے بعد میں حدیث سنی ہے، وہ حدیث صحیح نہیں۔ اور حماد بن شعیب جو ان سے روایت کرتے ہیں، اولاً تو وہ خود ہی ثقہ نہیں ہیں۔ کما مر، ثانیاً اگر ان سے حدیث سنی بھی تھی۔ تو بعد میں سنی ہے، کیونکہ قبل میں ان سے حدیث سننے والے صرف تین ہی شخص بیان کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے یہ نہیں ہیں، اور وہ تین شخص یہ ہیں، شعبہ۔ سفیان۔ حماد بن زید۔ امام ذہبیؒ میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ میں فرماتے ہیں، عطاء بن السائب الثقفی ابوزیدؒ الکوفی احد علماء التابعین۔ روی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ و انس و والدہ وجماعۃ حدث عنہ سفیان وشعبۃ والفلاس تغیر باخرۃ وساء حفظہ قال احمد من سمع منہ قدیما فھو صحیح ومن سمع منہ حدیثا لم یکن بشئ وقال یحییٰ لا یحتج بہ، وقال احمد،

بن ابی خثیمۃ عن یحیی حدیثہ ضعیف الا ما کان عن شعبۃ وسفیان وقال یحیی بن سعید سمع حماد بن زید من عطاء بن السائب قبل ان یتغیر وقال البخاری احادیث عطاء بن السائب القدیمۃ صحیحۃ وقال احمد بن حنبل عطاء بن السائب ثقۃ ثقۃ رجل صالح من سمع منہ قدیما کان صحیحا یختم کل لیلۃ وقال ابوحاتم محلہ الصدق قبل ان یختلط وقال النسائی ثقۃ فی حدیثہ القدیم لکنہ تغیر وروایۃ شعبۃ والثوری وحماد بن زید عنہ جیدۃ انتہی۔

ترجمہ۔ عطاء بن سائب ثقفی ہیں۔ ابوزید ان کی کنیت ہے کوفے کے رہنے والے ہیں، علماء تابعین میں سے ایک عالم ہیں۔ عبداللہ بن ابی اوفی اور انس بن مالکؓ اور اپنے والد اور ایک جماعت سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے سفیان اور شعبہ اور فلاں روایت کرتے ہیں۔ آخر میں ان کے حافظہ میں تغیر آگیا، اور بد حافظہ ہو گئے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا جن ثقات نے ان سے قبل میں حدیث سنی ہے، وہ صحیح ہے۔ اور جن ثقات نے بعد میں سنی ہے، وہ کچھ نہیں۔ اور یحییٰؒ نے کہا عطاء بن سائب قابلِ احتجاج نہیں ہیں۔ اور احمد بن ابی خثیمہ نے یحییٰؒ سے نقل کیا کہ جو حدیث ان سے شعبہ و سفیان نے سنی ہے، اس کے سوا جو ان کی حدیث ہے، وہ ضعیف ہے، اور یحییٰؒ بن سعیدؒ نے کہا کہ حماد بن زید نے بھی عطاء بن سائب سے اُن کے اختلاط یعنی تغیر کے قبل سنا ہے، اور امام بخاری نے کہا کہ عطاء بن سائب کی قدیم حدیثیں صحیح ہیں، اور امام احمد بن حنبل نے کہا۔ عطاء بن سائب ثقہ ہیں، وہ ایک صالح شخص ہیں۔ جن ثقات نے ان سے قبل میں حدیث سنی ہے، وہ صحیح ہے، اور یہ ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے، اور ابوحاتم نے کہا عطاء بن سائب اس اختلاط کے قبل سچائی کے محل تھے۔ اور نسائی نے کہا عطاء بن سائب اپنی قدیم حدیث میں ثقہ ہیں۔ لیکن بعد میں ان میں تغیر آگیا تھا۔ اور شعبہ اور سفیان ثوری اور حماد بن زید نے جو حدیثیں ان سے روایت کی ہیں، وہ اچھی ہیں۔ چھٹی روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ اور اس روایت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ فی ھذا الاسناد ضعف یعنی اس روایت کے اسناد میں ضعف ہے، یعنی اس کی سند ضعیف ہے، اس روایت کی عبارت مع

سند یہ ہے۔ اخبرنا ابو عبداللہ بن فنجویۃ الدینوری ثنا احمد بن محمد بن اسحٰق السنی ثنا احمد بن عبداللہ البزار ثنا سعدان بن یزید ثنا حکم ابن مروان السلمی انبأ الحسن بن صالح عن ابی سعدؒ البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بنا خمس ترویحات عشرین رکعۃ وفی ھذا الاسناد ضعف اھ اس روایت کا جواب تو خود اسی روایت کے آخر میں مذکور ہے کہ فی ھذا الاسناد ضعف یعنی اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس سند کے ضعف کی چند وجوہ ہیں۔ ازانجملہ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوسعد بقال ہیں۔ اور وہ اس درجے کے ضعیف ہیں کہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی ہے، و معہذا یہ مدلس بھی ہیں، اور یہ روایت انہوں نے عن کے ساتھ کی ہے۔ اور جب راوی مدلس عنعنہ کرے۔ یعنی عن کے ساتھ روایت کرے تو اس کی وہ روایت صحیح نہیں ہوتی اگرچہ وہ راوی ثقہ کیوں نہ ہو تو جب وہ راوی غیر ثقہ ہو جیسے ابوسعد بقال تو اس کی روایت کیونکر صحیح ہو گی۔ یعنی اس کی تو بطریق اولےٰ صحیح نہ ہو گی۔ الحاصل یہ چھٹی روایت بھی صحیح نہ نکلی ا تقریب صفحہ ۴۴ میں ہے۔ سعید بن مرزبان ابوسعدن البقال ضعیف مدلس۔ ترجمہ۔ ابوسعد بقال جن کا نام سعید اور باپ کا نام مرزبان ہے ضعیف ہیں، اور مدلس بھی ہیں، اور خلاصہ صفحہ ۱۴۲ میں ہے۔ سعید ابن المرزبان ابوسعدؒ البقال قال النسائی ضعیف قال الذھبی وما علمت احدا وثقہ ترجمہ:۔ ابوسعد بقال جن کا نام سعید اور باپ کا نام مرزبان ہے۔ نسائی نے کہا ضعیف ہیں۔ اور علامہ ذہبی نے فرمایا جہاں تک میں جانتا ہوں۔ ان کو کسیؒ نے ثقہ نہیں کہا ہے وازاں جملہ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوالحسنا بھی ہیں۔ جو ابوسعد بقال مذکور کے شیخ ہیں، اور حضرت علی سے اس اثر کے روایت کرنے والے قرار دیئے گئے ہیں، ابوالحسنا میں جو کلام ہے رسالہ میں مفصل بیان ہو چکا ہے (صفحہ ۲۳ میں ملاحظہ ہو۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ وہی ابوالحسنا ہیں، جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں۔ تو اولاً تو ان کو حضرت علی سے لقا ہی نہیں ہے۔ پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہ ٹھہری ثانیاً یہ ابوالحسنا مجہول بھی ہیں۔ اس وجہ سے بھی یہ روایت صحیح ثابت نہ ہوئی،

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ الغازی فوری

ضمیمہ رکعات التراویح

سوال:۔ تراویح کا لفظ کہیں قرآن مجید میں یا حدیث میں وارد ہوا ہے۔ یا نہیں؟

جواب:۔ تراویح کا لفظ نہ کہیں قرآن مجید میں آیا ہے، نہ میری نظر سے کہیں حدیث شریف میں گزرا ہے۔

سوال:۔ نماز تراویح کی کیا تعریف ہے، اور اس نماز کا یہ نام کب رکھا گیا۔ اور کیوں رکھا گیا۔ اور اس کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:۔ نماز تراویح کی تعریف علمانے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے، جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے، اور اس نماز کا نام نماز تراویح اس لئے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے، کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ کے معنے ایک بار آرام کرنے کے ہیں، اور اس نماز کا وقت عشاء کے بعد سے ساری رات ہے، طلوع فجر تک، علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ میں اور علامہ قسطلانی ارشاد الساری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ میں فرماتے ہیں:۔

التراویح جمع ترویحة وهی المرة الواحدة من الراحة سمیت الصلوٰة بالجماعة فی لیالی رمضان التراویح لانهم اول ما اجتمعوا علیها کانوا یستریحون بین کل تسلیمتین ۔

ترجمہ:۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ مرّت کا صیغہ واحد ہے۔ راحت سے مشتق ہے، وہ نماز جو رمضان کی راتوں میں باجماعت پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح رکھا گیا، اس لئے کہ جب ابتداء میں لوگ اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، تو ہر دو تسلیمہ کے درمیان میں استراحت کرنے لگے۔ ایسا ہی علامہ زرقانی نے بھی شرح موطا مالک مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۲۴۲ میں فرمایا ہے، ان عبارات سے چاروں امور مندرجہ سوال کا جواب ہو گیا۔ ہاں صرف بعد العشاء

کی قیدان عبارات میں چھوڑدی گئی۔ لیکن آئندہ عبارتوں میں یہ قید بھی بتصریح تمام مذکور ہے۔ ہدایہ مطبوعہ مطبع مصطفائی جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں ہے والاصح ان وقتہا بعد العشاء الی اٰخر اللیل ترجمہ۔ اور اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ اور درمختار مع ردالمختار جلد ا صفحہ ۴۷۳ میں ہے ووقتہا بعد العشاء الی الفجر۔ ترجمہ۔ اور تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے فجر تک ہے۔

سوال:۔ قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ اس سے علی التحقیق وہ نماز مراد ہے۔ جو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں عشاء کے بعد جماعت کے ساتھ خواہ اکیلے اکیلے پڑھی جائے۔ علامہ زرقانی شرح موطا جلد ا صفحہ ۲۱۱ میں فرماتے ہیں۔ قیام رمضان ای صلوۃ التراویح قالہ النووی وقال غیرہ بل مطلق الصلوۃ الحاصل بہا قیام اللیل واغرب الکرمانی فی قولہ اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح۔ ترجمہ۔ امام نووی نے فرمایا کہ قیام رمضان سے نماز تراویح مراد ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مطلق وہ نماز مراد ہے۔ جس سے قیام اللیل حاصل ہوجائے۔ اور جو کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے۔ یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ اور فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ میں ہے۔ من قام رمضان ای قام لیالیہ مصلیا والمراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح یعنے انہ یحصل بہا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لایحصل الابہا واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح۔ ترجمہ:۔ قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں مطلق نماز پڑھنا مراد ہے۔ اور جو امام نووی نے فرمایا کہ قیام رمضان سے نماز تراویح مراد ہے۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ نماز تراویح سے بھی قیام رمضان حاصل ہوجاتا ہے۔ نہ یہ کہ نماز تراویح ہی سے قیام رمضان حاصل ہوتا ہے۔

بغیر اس کے قیام رمضان حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے، کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں، تو وہ تراویح نہ ہوگی، بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں ہے، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں۔ دونوں صورتوں میں قیام رمضان حاصل ہو جائے گا۔ اور نماز تراویح بغیر جماعت کے حاصل نہ ہوگی، اور جو کرمانی نے کہا ہے کہ "قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے" یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے، اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ میں قام رمضان کی شرح میں ہے قام فی لیالی رمضان مصلیا ما یحصل به مطلق القیام قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں مطلق نماز پڑھنا مراد ہے، اور بھی اسی جلد و صفحہ میں ہے۔ قامه (ای قام رمضان) بصلوة التراویح او بالطاعة فی لیالیه۔ یعنی قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں نماز پڑھنا مراد ہے، خواہ نماز تراویح ہو یا کوئی اور طاعت۔

سوال:۔ تہجد کے کیا معنے ہیں، اور نماز تہجد کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:۔ تہجد کے لغوی معنے بیداری کے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ بیداری اور خواب دونوں کے ہیں۔ اور تہجد کے شرعی معنے صرف رات کی نماز کے ہیں۔ یعنی تہجد شرح میں وہ نماز ہے، جو رات کو عشاء کے بعد پڑھی جائے۔ اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے تمام رات طلوع فجر تک ہے، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۵۹۲ میں ہے۔ تفسیر المتهجد بالشهر معروف فی اللغة وهو من الاضداد یقال تهجد اذا سهر وتهجد اذا نام حکاه الجوهری وغیره ومنهم من فرق بینهما فقال هجدت نمت وتهجدت سهرت حکاه ابو عبیدة وصاحب العین فعلی هذا اصل التهجد النوم ومعنی تهجدت طرحت التی النوم وقال الطبری التهجد السهر بعد نومة ثم ساقه عن جماعة من السلف وقال ابن الفارس المتهجد المصلی وقال کراع التهجد صلوة اللیل خاصة۔ ترجمہ: لغت میں تہجد کے معنے بیداری کے ہیں اور یہ لفظ اضداد سے ہے، یعنی اس کے معنے بیداری اور خواب دونوں کے ہیں،

چنانچہ جوہری وغیرہ نے نقل کیا ہے، کہ جب تہجد بولتے ہیں، تو کبھی اس سے مراد لیتے ہیں، کہ بیدار ہوا اور کبھی اس سے مراد لیتے ہیں، کہ سو گیا۔ اور بعض کا قول ہے کہ لفظ تہجد اضداد سے نہیں ہے، بلکہ اس کے معنے صرف بیداری کے ہیں۔ ہاں ہجود جو ایک دوسرا لفظ ہے، اس کے معنے البتہ خواب کے ہیں، چنانچہ ابو عبیدہ اور صاحب العین نے نقل کیا ہے کہ جب ہجدت بولتے ہیں، تو اس سے نمت مراد لیتے ہیں۔ یعنی میں سو گیا۔ اور تہجدت بولتے ہیں، تو اس سے سہرت مراد لیتے ہیں، یعنی میں بیدار ہوا، تو اس بنا پر ہجود کے اصلی معنے خواب کے ہیں، اور تہجد کے اصلی معنے ترک خواب یعنی بیداری کے ہیں۔ یعنی خواب سے پرہیز کرنا۔ پس تہجد میں تجنب کی خاصیت پائی جاتی ہے، اور طبری نے کہا کہ تہجد کے معنے اس بیداری کے ہیں، جو ایک نیند کے بعد ہو، اور اس کو طبری نے ایک جماعت سلف سے نقل کیا ہے۔ اور ابن فارس نے کہا کہ متہجد یعنی تہجد گذار وہ شخص ہے، جو رات کو نماز پڑھا کرے۔ اور کراع نے کہا کہ تہجد خاص رات کی نماز کا نام ہے، اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ میں ہے، اصل تلك الهجود هو النوم وقال ابن فارس المتهجد المصلى ليلا۔ ترجمہ: تہجد کے اصلی معنے ترک خواب یعنی بیداری کے ہیں، اور ابن فارس نے کہا کہ متہجد وہ شخص ہے، جو رات کو نماز پڑھا کرے۔ امام رازی تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ میں فرماتے ہیں۔ قال الازهري المعروف في كلام العرب ان الهاجد هو النائم ثم ان في الشرع يقال لمن قام من النوم الى الصلوة انه متهجد فوجب ان يحمل هذا على انه سمى متهجدا لالقائه الهجود عن نفسه كما قيل للعابد متحنث لالقائه الحنث عن نفسه وهو الاثم ويقال فلان رجل متحرج ومتأثم ومتحوب اى يلقى الحرج والاثم والحوب عن نفسه۔ ترجمہ: ازہری نے کہا مشہور کلام عرب میں یہ ہے کہ ہاجد سونے والے ہی کو کہتے ہیں، پھر جو شخص کہ خواب سے اٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اس کو شرع میں متہجد یعنی تہجد گذار کہتے ہیں۔ تو ضرور ہوا کہ یہ کہا جائے کہ تہجد گذار کو متہجد اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس نے ہجود یعنی خواب سے اپنے آپ کو بچایا یعنی پرہیز کیا، جس طرح عابد متحنث اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس نے حنث یعنی گناہ سے اپنے آپ کو بچایا۔ یعنی پرہیز کیا۔ اور جو کسی شخص کو متحرج اور متأثم اور متحوب کہا جاتا ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے حرج اور اثم اور حوب یعنی گناہ

سے اپنے آپ کو بچایا یعنی پرہیز کیا۔ (یعنی تہجد میں تجنب کی خاصیت پائی جاتی ہے) اور علامہ شیخ سلیمان الجمل فتوحات الٰہیہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ میں فرماتے والمعروف فی کلام العرب ان الھجود عبارۃ عن النوم باللیل یقال ھجد فلان اذا نام باللیل ثم لما رأینا عرف الشرع انہ یقال لمن انتبہ باللیل من نومہ وقام الی الصلوٰۃ انہ متھجد وجب ان یقال سمی متھجدا من حیث انہ القی الھجود ۔ ترجمہ: مشہور کلام عرب میں یہ ہے کہ ہجود کے معنے رات کو سونے کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص رات کو سو جاتا ہے تو کہتے ہیں، ہجد فلان یعنی رات کو سو گیا، پھر جب ہم نے دیکھا کہ جو شخص رات کو خواب سے بیدار ہو کر نماز پڑھتا ہے، اس کو عرف شرع میں متہجد یعنی تہجد گزار کہتے ہیں، تو ضرور ہوا کہ یہ کہا جائے کہ تہجد گزار کو متہجد اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس نے خواب کو اپنے ترک کیا، یعنی خواب سے پرہیز کیا۔

سوال: ۔قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل کے کیا معنے ہیں۔ اور اس کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: ۔قیام اللیل کے لغوی معنے ہیں۔ رات کو اٹھنا۔ اور صلوٰۃ اللیل کے لغوی معنے ہیں۔ رات کی نماز اور شرعی معنے صرف رات کی نماز کے ہیں۔ یعنی قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل دونوں شرع میں وہ نماز ہے جو رات کو بعد عشاء کے پڑھی جائے، اور اس کا وقت بھی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ جلالین میں فرماتے ہیں:۔ قم اللیل ای صل ترجمہ:۔ رات کو اٹھ یعنی نماز پڑھ۔ اور فتوحات الٰہیہ جلد ۴ صفحہ ۴۹۹ میں خطیب سے منقول ہے:۔ وقیام اللیل فی الشرع معناہ الصلوٰۃ ترجمہ: اور قیام اللیل کے شرعی معنے رات کی نماز کے ہیں۔ اور علامہ خازنؒ تفسیر لباب التاویل چھاپہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۴۲ میں فرماتے ہیں:۔ قم اللیل ای صل اللیل ۔ ترجمہ:۔ رات کو اٹھ یعنی رات کو نماز پڑھ۔ اور حضرت مولانا شاہ عبد العزیزؒ تفسیر عزیزی چھاپہ کلکتہ صفحہ ۱۵۶ میں فرماتے ہیں:۔ قم اللیل یعنی برخیز و استادہ نماز گزار در ہر شب اھ اور ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ

اللَّيْلِ. یعنی بتحقیق پروردگار تو مے داند کہ تو در نماز تہجد استادہ می باشی قریب از دو حصہ شب گا ہے۔ اور علامہ بیضاوی انوار التنزیل چھاپہ کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ میں فرماتے ہیں:۔ قُمِ اللَّيْلَ ای قم الی الصلوۃ اوداوم علیہا ۔ ترجمہ:۔ رات کو اٹھ یعنی نماز کو اٹھ۔ اور علامہ ابو السعود و تفسیر ارشاد العقل السلیم چھاپہ مصر جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ میں فرماتے ہیں:۔ قُمِ اللَّيْلَ ای الی الصلوۃ وانتصاب اللیل علی الظرفیۃ وقیل القیام مستعار للصلوۃ ومعنی قم صل ترجمہ:۔ رات کو اٹھ یعنی نماز۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیام کا لفظ نماز کے لئے مستعار ہے۔ اور قم کے معنی صل۔ یعنی نماز پڑھ۔ اور صحیح مسلم میں جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوۃ برکعتین خفیفتین ترجمہ:۔ ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو اپنی نماز ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرے۔ اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۹ میں ہے:۔ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا عبد اللہ لاتکن مثل فلان کان یقوم من اللیل فترک قیام اللیل متفق علیہ۔

ترجمہ:۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے نقل کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبد اللہ! تم اس فلاں شخص کے سے نہ ہو جانا۔ جو رات کو اٹھا کرتا تھا۔ پھر رات کا اٹھنا چھوڑ دیا۔ اور صفحہ ۱۰۳ میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ توترلہ ما قد صلے متفق علیہ ۔۔ ترجمہ:۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ ابن عمرؓ نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صلوۃ اللیل دو دو رکعت ہے، پھر جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا ڈر ہو تو ایک ہی رکعت پڑھ لے کر یہ ایک رکعت اس کے لئے ان کل نمازوں کو جو پڑھ چکا ہے، وتر بنا دے گی۔ اور صفحہ ۱۰۷ میں ہے:۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوۃ العشاء الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ یسلم من کل رکعتین ویوتر بواحدۃ الحدیث متفق علیہ۔

ترجمہ۔ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے، کہ عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کے بعد سے فجر تک میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے، اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا کرتے، اور ایک رکعت وتر پڑھا کرتے۔ اور صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اٰخر صلواتکم باللیل وترا رواہ مسلم۔ ترجمہ۔ یہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صلوٰۃ اللیل کو وتر پر ختم کیا کرو۔ اور بھی صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن عائشۃ قالت من کل اللیل اوتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اول اللیل واوسطہ واٰخرہ وانتہٰی وترہ الی السحر متفق علیہ[1]۔ ترجمہ۔ یہ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر ایک[2] حصہ میں نماز وتر پڑھی ہے، اول رات میں بھی اوسط رات میں بھی اور آخر رات میں بھی اور آپ کی نماز وتر سحر تک ختم ہو گئی ہے، یعنی آپ نے سحر ہو جانے کے بعد نماز وتر نہیں پڑھی ہے، اور بھی صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من خاف ان لا یقوم اٰخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم اٰخرہ فلیوتر اٰخر اللیل الحدیث رواہ مسلم۔ ترجمہ۔ جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ڈر ہو کہ آخر رات میں نہیں اُٹھے گا۔ وہ وتر اول ہی رات میں پڑھ لے، اور جس کو امید ہو کہ آخر رات میں اُٹھے گا۔ وہ وتر آخر رات میں پڑھے کا ان عبارات تفاسیر و احادیث منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ یعنی جو نماز کہ رات کو عشاء کے بعد پڑھی جائے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تہجد بھی اسی نماز کا نام ہے، تو ثابت ہوا کہ تہجد اور قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل یہ تینوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔

---

[1] یہ حدیث متفق علیہ ہے، یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے، لیکن مشکوٰۃ شریف میں صرف صحیح مسلم ہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ۱۲۔

[2] یعنی عشاء کے بعد سے جس قدر رات باقی رہ جاتی ہے، اس کے ہر ایک حصہ میں نماز وتر پڑھی ہے ۱۲۔

سوال:۔ قیام رمضان بھی صلوٰۃ اللیل ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ قیام رمضان بھی بلاشبہ صلوٰۃ اللیل ہے، اس لئے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کی راتوں میں تین یا چار رات جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ وہ تراویح ہی میں وارد ہے۔ اور یہ امر بلا خلاف ہے اور اس حدیث میں نماز مذکور یعنی تراویح کو صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان دونوں میں فرمایا گیا ہے، فتح الباری جلد ا صفحہ ۷،۵۹ میں ہے۔ وفی روایۃ یونس (عند مسلم) ولکن خشیت ان یفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنہا وکذا فی روایۃ ابی سلمۃ المذکورۃ قبیل ما صفۃ الصلوٰۃ خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ وفیہ روایۃ سفیان بن حسین خشیت ان یفرض علیکم قیام الشہر اھ ایسا ہی زرقانی جلد ا صفحہ ۱۱۲ میں بھی ہے، اور بھی زرقانی جلد ا صفحہ ۲۱۱ میں ہے الا انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنہا کما فی روایۃ یونس ونحوہ فی روایۃ عقیل عند البخاری اھ اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۷۰ میں ہے، انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل اولیل اھ اور صفحہ ۳۵۵ میں ہے:۔ الا انی خشیت ان یفرض علیکم زاد فی روایۃ یونس صلوٰۃ اللیل

ا؎ یونس کی روایت میں ہے جو مسلم کے نزدیک ہے، اور لیکن مجھکو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے پھر تم سے نہ ہو سکے، اور ایسا ہی ابو سلمہ کی روایت میں بھی ہے، جو صفۃ الصلوٰۃ کے قبیل مذکور ہو چکی ہے کہ مجھکو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض نہ کر دیا جائے۔

۲؎ فیہ تسامح فان ھذا انما ھو روایۃ عمرۃ لا فی روایۃ ابی سلمۃ۔

۳؎ سفیان بن حسین کی روایت میں ہے، مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں اس مہینے کا قیام تم پر فرض کر دیا جائے ۱۲۔

۴؎ مگر مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے، پھر تم سے نہ ہو سکے جیسا کہ یونس کی روایت میں اور ایسا ہی عقیل کی روایت میں ہے، جو بخاری کے نزدیک ہے، ۱۲۔ ۵؎ مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے ۱۲۔ ۶؎ مگر مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے، یونس کی روایت میں اس قدر زائد ہے کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے پھر تم سے نہ ہو سکے ۱۲۔

فتحجز واعنہا اھ اور نصب الرایۃ جلد ا صفحہ ۲۹۳ میں ہے وفی لفظ لھما[1] ولکن خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل وذالک فی رمضان اور فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۰۶ میں ہے واختلف فی ادائہا[2] ای فی اداء التراویح بعد النصف فقیل یکرہ لانہا تبع للعشاء کسنتہا والصحیح لا یکرہ لانہا صلوٰۃ واللیل والافضل فیہا اخرہ اھ۔

سوال:۔ قیام لیلۃ القدر کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟۔

جواب:۔ قیام لیلۃ القدر کے لغوی معنی ہیں۔ شب قدر میں اٹھنا۔ اور شرعی معنے ہیں شب قدر کی نماز۔ یعنی قیام لیلۃ القدر سے وہ نماز مراد ہے، جو شب قدر میں عشاء کے بعد پڑھی جائے، قیام کے معنے ایسے محل میں نماز کے آیا کرتے ہیں۔ جیسے قیام اللیل اور قیام رمضان وغیرہ قیام کا اطلاق نماز پر اس قسم کے مقامات میں بہت آیا ہے، سورہ مزمل میں قیام کا لفظ کئی جگہ آیا ہے، اس سے ان سب جگہوں میں نماز ہی مراد ہے، (جواب نمبر ۵ بھی ملاحظہ ہو) اور ابو ذر کی حدیث جو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۱۴ میں ہے اس میں ہے:۔ صمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئاً من الشہر حتیٰ بقی سبع فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتے ذھب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلے مع الامام حتے ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ فلما کانت الرابعۃ لم یقم بنا حتے بقی ثلث اللیل فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ و

---

[1] اور بخاری اور مسلم کے ایک لفظ میں ہے اور لیکن مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے، اور یہ واقعہ رمضان کا ہے ۱۲

[2] اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز تراویح آدھی رات کے بعد مکروہ ہے یا نہیں تو ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ بھی عشاء کی سنت کی طرح عشاء کے تابع۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ یعنی نماز تراویح بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے، اور صلوٰۃ اللیل میں افضل آخر رات ہے ۱۲۔

الناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی الخ اس ایک حدیث میں قیام کا لفظ نو جگہ آیا ہے۔ اور ان نوں جگہوں میں اس سے نماز ہی مراد ہے۔ الحاصل قیام لیلۃ القدر سے بھی شب قدر ہی مراد ہے، نماز پر قیام کا اطلاق اس لئے کیا جاتا ہے، کہ قیام نماز کا ایک رکن ہے۔ اور یہ اطلاق از قبیل اطلاق الجزء علی الکل ہے۔

سوال:- صلوٰۃ اللیل اور قیام اللیل اور صلوٰۃ التہجد اور قیام رمضان اور صلوٰۃ التراویح اور قیام لیلۃ القدر میں کیا کیا فرق ہے اور ان کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:- صلوٰۃ اللیل اور قیام لیلۃ القدر اور صلوٰۃ التہجد ان تینوں میں شرعاً کچھ فرق نہیں ہے، یہ تینوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ جس کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے (جواب نمبر ۴ و ۵ ملاحظہ ہو) اور قیام رمضان بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے، فرق اس قدر ہے کہ قیام رمضان صرف وہی صلوٰۃ اللیل ہے جو ماہ مبارک کی راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے اور صلوٰۃ اللیل میں رمضان کی راتوں کی قید نہیں ہے، رمضان کی راتوں میں پڑھی جائے، خواہ غیر رمضان کی راتوں میں دونوں صلوٰۃ اللیل ہے، پس صلوٰۃ اللیل قیام رمضان سے اعم ہے، اور قیام رمضان اس سے اخص۔ قیام رمضان کا بھی وہی وقت ہے، جو صلوٰۃ اللیل کا وقت ہے، یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک (جواب نمبر ۴ و ۵ ملاحظہ ہو) اور صلوٰۃ التراویح بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ صلوٰۃ التراویح صرف وہی صلوٰۃ اللیل ہے، جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد بجماعت پڑھی جائے اور صلوٰۃ اللیل میں نہ رمضان کی راتوں کی قید ہے، نہ جماعت کی قید۔ رمضان کی راتوں میں پڑھی جائے، خواہ دوسری راتوں میں اور بجماعت پڑھی جائے، خواہ اکیلے اکیلے، سب صلوٰۃ اللیل ہے، پس جس طرح صلوٰۃ اللیل قیام رمضان سے اعم ہے، اور قیام رمضان اس سے اخص اسی طرح صلوٰۃ اللیل صلوٰۃ التراویح سے اعم ہے، اور صلوٰۃ التراویح اس سے اخص، اور ان دونوں یعنی صلوٰۃ التراویح اور صلوٰۃ اللیل کا بھی ایک ہی وقت ہے، یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک

(جواب نمبر ۲ و ۵ ملاحظہ ہو) اور جس طرح صلوٰۃ التراویح صلوٰۃ اللیل ہے، اسی طرح صلوٰۃ التراویح قیام رمضان بھی ہے، فرق اس قدر ہے کہ صلوٰۃ التراویح میں جماعت کی بھی قید ہے، اور قیام رمضان میں یہ قید نہیں ہے، پس قیام رمضان بھی صلوٰۃ التراویح سے اعم ہے، اور صلوٰۃ التراویح اس سے اخص۔ اور ان دونوں کا وقت بھی وہی ایک ہے، یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک (جواب نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ ہو) اور قیام لیلۃ القدر بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے، فرق اس قدر ہے کہ قیام لیلۃ القدر صرف وہی ہے صلوٰۃ اللیل ہے، جو بالخصوص شب قدر میں پڑھی جائے، اور صلوٰۃ اللیل میں شب قدر کی قید نہیں ہے، پس صلوٰۃ اللیل قیام لیلۃ القدر سے بھی اعم ہے، اور قیام لیلۃ القدر اس سے اخص اور ان دونوں کا بھی وقت ایک ہے (جواب نمبر ۵ و ۴ ملاحظہ ہو)۔

سوال:۔ صلوٰۃ اللیل کا افضل وقت کون ہے؟

جواب:۔ صلوٰۃ اللیل کا افضل وقت آخر شب ہے، آخر شب کی بہت فضیلت آئی ہے، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۱ میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ متفق علیہ ترجمہ:۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار تبارک وتعالےٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف جبکہ رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے، نزول فرماتا ہے، کہتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی سنوں۔ کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگے، کہ میں اسے دوں۔ کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی بخشش چاہے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ عن عبداللہ بن عمروؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احب الصلوٰۃ الی اللہ صلوٰۃ داود واحب الصیام الی اللہ صیام داود کان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثہ وینام سدسہ ویصوم یوماً ویفطر یوماً متفق علیہ۔ ترجمہ:۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں سب سے زیادہ

پیاری نماز اللہ کے نزدیک داؤد کی نماز ہے، اور روزوں میں سب سے زیادہ پیارا روزہ اللہ کے نزدیک داؤد کا روزہ ہے، داؤد آدھی رات سو رہتے تھے۔ اور تہائی رات نماز پڑھتے۔ پھر چھٹا حصہ رات کا سو رہتے، اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے :۔ عن عائشۃؓ قالت کان تعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینام اول اللیل ویحیی اٰخرہ متفق علیہ ۔ ترجمہ :۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں سو رہتے، اور آخر شب میں نماز پڑھتے، اور بھی اسی صفحہ میں ہے :۔ عن عمرو بن عبسۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقرب مایکون الرب من العبد فی جوف اللیل الاٰخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث صحیح غریب اسناداً ترجمہ :۔ سنن ترمذی میں ہے، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے کہ عمرو بن عبسہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پروردگار سب وقتوں سے زیادہ آخر شب میں بندوں سے نزدیک ہوتا ہے، تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ جو لوگ اس وقت اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں، ان میں سے ہو جائے تو ہو ہی جا۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے، عن ابی امامۃ قال قیل یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوۃ المکتوبات رواہ الترمذی ترجمہ :۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ابوامامہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس وقت کی دعا سب سے زیادہ سنی جاتی ہے، فرمایا آخر شب کی، اور فرض نمازوں کے بعد کی، اور صفحہ ۱۰۳ میں ہے :۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من خاف ان لا یقوم من اٰخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم من اٰخرہ فلیوتر اٰخر اللیل فان صلوۃ اٰخر اللیل مشہودۃ وذلک افضل رواہ مسلم ۔ ترجمہ :۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ڈر ہو کہ آخر رات میں نہیں اُٹھے گا، تو وہ اول ہی رات میں وتر پڑھ لے، اور جس کو امید ہو کہ آخر شب میں اٹھے گا۔ تو وہ وتر آخر شب میں پڑھے کیونکہ آخر شب میں رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور آخر شب کی نماز افضل ہے، اور صفحہ ۱۰۷ میں ہے :۔ عن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلے الرجل لنفسہ

ویصلی الرجل فیصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر انی لو جمعت ھؤلاء علی قاریٔ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی ابن کعب قال ثم خرجت معہ فی لیلۃ اخری والناس یصلون بصلوۃ قارئھم قال عمر نعمت البدعۃ ھذہ والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یرید اٰخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ رواہ البخاری ۔

ترجمہ: صحیح بخاری میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد نے کہا کہ میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کو نکلا تھا۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ مسجد میں کچھ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی اکیلا ہی پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند آدمی شامل ہو کر پڑھ رہے ہیں، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر میں ان لوگوں کیلئے ایک امام مقرر کر دیتا کہ یہ لوگ اسی کے پیچھے پڑھا کرتے تو بلا شبہ یہ بہتر ہوتا پھر ابی بن کعبؓ کو ان کا امام مقرر کر ہی دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ پھر میں اور رات بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا، اور لوگ اپنے امام کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ رہے تھے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیا اچھی بدعت ہے، اور جس وقت سے یہ لوگ غافل ہو کر سو رہتے ہیں، یعنی آخر رات وہ اس وقت یعنی اول رات سے جس میں یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، افضل ہے، اور فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۰۶ میں ہے۔ انما صلوۃ اللیل والافضل فیہا آخرہ ۔ ترجمہ نماز تراویح بھی صلوۃ اللیل ہی ہے، اور اس میں افضل آخر شب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ الغازیپوری

مختصر حالات استاد الاساتذہ حافظ عبداللہ غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ

جن کی ذات پر علم کو فخر اور عمل کو ناز تھا۔ تدریس جن کے دم سے زندہ تھی اساتذہ جن پر اس قدر نازاں کہ حضرت شیخ الکل جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔ میرے درس میں دو عبداللہ آئے۔ ایک عبداللہ غزنویؒ۔ دوسرا عبداللہ غازی پوری۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمد سعید بنارسی رح (۲) مولانا عبدالنور حاجی پوری مظفر پوریؒ (۳) حضرت شاہ عین الحق رح (۴) مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ

(۵) عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ (۶) مولانا محمد یونس پرتاب گڑھی دہلویؒ (۷) مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان۔

لکھنؤ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔

عدد رکعات تراویح

از مولانا محمد داؤد صاحب الغزنوی مرحوم

سوال :۔ ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ یہاں مسجد نیلا گنبد میں ایک مقتدر عالم دین نے مسئلہ تراویح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اٹھ رکعت تراویح بدعت اور گمراہی ہے۔ اور یہ کہ بیس رکعت تراویح پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اب اس میں کمی بیشی کرنا معصیت ہے۔ آج تک ہم یہی سنتے آئے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ سے اسی قدر ثابت ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم اپنے عہد خلافت میں دیا۔ مولانا کے وعظ سے ہم بہت پریشان ہیں۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب :۔ اقول وباللہ التوفیق۔ ایک محقق عالم دین سے اس کی توقع نہیں کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے۔ کیونکہ جو چیز رسول اکرمؐ سے ثابت ہو اسے بدعت کہنا بہت بڑی جرأت ہے۔ اور فقہی مسائل میں غلو کا ایسا مقام ہے جسے کوئی بھی صاحب علم و بصیرت پسند نہیں کر سکتا۔ افسوس ہے کہ آج ہم آٹھ اور بیس رکعت تراویح کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں اور قیام رمضان کا جو اصل مقصد اور اسکی روح تھی اس سے تو بے اعتنائی برت رہے ہیں اور عدد کی بحث اور قیل و قال میں اس درجہ منہمک ہیں کہ بسا اوقات حد اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت جس میں گیارہ رکعت تراویح کا وتروں کے ساتھ ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

سألت عائشة كيف كانت صلوٰة رسول الله فى رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثا (صحيحين)

ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رمضان شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ رمضان اور سوائے رمضان دوسرے

دنوں میں بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ پہلے چار رکعت پڑھتے ان کی کیفیت کے متعلق کچھ نہ پوچھو۔ کتنی اچھی اور کتنی لمبی ہوتی تھیں۔ پھر اسی کیفیت کے ساتھ چار رکعت اور پڑھتے پھر اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے" کیا ہم آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والوں نے اس کیفیت کو قائم رکھا، نہیں! اچھا جس روایت میں حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے۔ اسے بھی دیکھ لیجئے۔ کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطابؓ فی شہر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفانؓ من شدة القیام۔ (بیہقی جلد دوم ص ۴۹۶)

یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان کی قرأت کی حالت یہ تھی کہ سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور لمبے قیام کی وجہ سے لوگ تھک کر اپنے عصا لاٹھی پر ٹیک لگاتے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں۔ اور امام مروزی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن السائب ایضاً انہم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعة۔ ویقرؤن بالمئین من القرآن وانہم کانوا یعتمدون علی العصا فی زمان عمر بن الخطابؓ۔ قیام اللیل ص ۹۱۔

سائب بن یزید سے بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں لمبے قیام کی یہ حالت ہوتی تھی کہ لوگ تھک کر اپنی اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ کیا بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حضرات نے اس کیفیت کو قائم رکھا ہے؟ نہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ آٹھ رکعت پڑھنے والے حضرات ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ میں قیام اللیل ختم کر دیتے ہیں تو بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حضرات بھی گھنٹہ سوا گھنٹہ میں بیس ۲۰ تراویح ختم کر دیتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حضرات اڑھائی گنا زیادہ وقت صرف کرتے، لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے یہی چیز میں نے شروع میں عرض کی ہے۔ کہ کیفیت نماز کو تو ہم نظر انداز

کر رہے ہیں اور گنتی کو مدار کار بنا رکھا ہے اور اس کے لئے بحث و جدل کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اگر معاملہ یہیں تک رہتا کہ افضل کیا ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ افسوس ہم حد اعتدال سے آگے بڑھ گئے اور ایک دوسرے کے عمل کو بدعت یا معصیت اور گمراہی قرار دینے کے درپے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ جس کیفیت نماز ذوقِ عبادت اور خشوع و خضوع کے فقدان کا ذکر کر رہا ہوں۔ ائمہ دین کی تشریحات کو دیکھے وہ اس بارے میں عدد رکعت کو اصل قرار دیتے ہیں یا طول قیام۔ اور اسی کے مناسب رکوع و سجود کو۔ امام مروزیؒ امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں لوگ انتالیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں اور مکہ میں بیس رکعت۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ولیس فی شیئ من ھذا ضیق ولا حد ینتھی الیہ لانہ نافلۃ فان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وھو احب الی وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن۔ (قیام اللیل ص۹۲)

اس میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نہ کوئی حد مقرر کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نفلی عبادت ہے اگر لمبا قیام کریں اور سجدے کم ہوں تو یہ اچھا ہے اور مجھے یہی پسند ہے۔ اور اگر رکوع و سجود زیادہ کریں یعنی قیام مختصر کریں تو یہ بھی درست ہے۔ امام احمد سے اسحاق بن منصور نے دریافت کیا۔ کم من رکعۃ یصلی فی قیام شھر رمضان۔ فقال قد قیل فیہ اقوال نحوا من اربعین انما ھو تطوع۔ (قیام اللیل ص۹۲)

رمضان مبارک کے قیام میں کتنی رکعت پڑھنی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اس میں چالیس کے قریب اقوال ہیں اور یہ تو نفلی عبادت ہے یعنی اس میں تعداد رکعت تشدد نہیں ہونا چاہیے۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کی بنا پر عرض کیا گیا ہے جو حد اعتدال سے تجاوز اور غلو کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب یہ عاجز نفس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

نفس مسئلہ نفس مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تراویح کی نماز گھر پر یا جتنے دن مسجد میں پڑھائی وہ کتنی رکعات تھیں؟

اگرچہ اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں آگیا ہے۔ جو شروع میں ذکر کی گئی ہے لیکن اس میں ذکر صرف گھر کا ہے، مسجد میں جتنے دن نماز آپ نے پڑھائی۔ اس کا ذکر بھی صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم نے ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھائی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی دوسرے دن بھی اسی طرح نماز تراویح باجماعت آپ نے پڑھائی۔ اس دن لوگ پہلے دن سے زیادہ جمع ہو گئے پھر تیسری یا چوتھی رات بھی اسی طرح لوگ نماز تراویح کے لئے جمع ہو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف نہ لائے صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو فرمایا تمہارے شوق کو میں نے دیکھا میں اس خوف کی وجہ سے نہیں آیا کہ مبادا یہ نماز فرض نہ ہو جائے اس حدیث میں عدد رکعات کا ذکر نہیں علامہ عینی شارح بخاری شریف جو نہایت مقتدر اور اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں یہ سوال کرتے ہیں۔ فان قلت لم یبین فی ھذہ الروایات المذکورۃ عدد ھذہ الصلوٰۃ التی صلاھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی تلك اللیالی۔ اگر یہ سوال کرو کہ ان روایات میں اس نماز کی تعداد نہیں بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی ان راتوں میں پڑھیں تو کیا جواب ہے فرماتے ہیں قلت روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔

(عمدۃ القاری ص۱۷۷ جزء ۷)

جواب یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان مبارک میں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اس کے بعد وتر پڑھائے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ علامہ عینی جیسا شخص جو اپنے مسلک

حنفیت کی حمایت کی خاص شہرت رکھتے ہیں۔ غلو سے بچتے ہوئے صاف الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد میں نماز تراویح باجماعت ادا فرمائی تو آٹھ رکعات تراویح اور اس کے بعد وتر پڑھائے۔

ابن الہمام کا فیصلہ دوسری شہادت امام ابن الہمام کی پیش کرتا ہوں اہل علم کو ابن الہمام کا مقام معلوم ہے مولانا عبد الحی لکھنوی نے تعلیقات فوائد بھیہ میں لکھا ہے۔

عدہ ابن نجیم فی البحر الرائق من اهل الترجیح وعدہ بعضهم من اهل الاجتهاد وهو رأی نجیح تشهد بذالک تصانیفه

یعنی بحر الرائق کے فاضل مصنف ابن نجیح نے ابن الہمام کو اہل ترجیح میں شمار کیا ہے جن کا درجہ اہل تخریج کے بعد ہوتا ہے جو ایک حد تک مجتہد ہوتے ہیں اور بعض نے تو ان کو مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بڑی صحیح رائے ہے اس پر ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ امام ابن الہمام ھدایہ کی شرح فتح القدیر میں رکعات تراویح کی بحث کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ بحث پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فتحصل من هذا کله ان قیام رمضان سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله صلی الله علیه وآله وسلم ثم ترکه لعذر وافاد انه لولا خشیة ذالک لواظبت بکم ولاشک فی تحقق الامن من ذالک بوفاته صلی الله علیه وسلم فیکون سنة وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین وقوله صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ندب الی سنتهم ولا یستلزم کون ذلک سنة اذ سنته بمواظبته بنفسه اوالا بعذر و بتقدیر عدم ذالک العذر انما استفدنا انه کان یواظب علی ما وقع منه وهوما ذکرنا فتکون العشرون مستحبا وذلک العذر منها هو السنة کالاربع بعد العشاء مستحبة ورکعتان منها هی السنة وظاهر کلام المشائخ ان السنة عشرون ومقتضی الدلیل ما قلنا۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۳۴)

یعنی اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ قیام رمضان میں سنت نبوی گیارہ رکعت سمیت وتروں کے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ اتنی ہی رکعت پڑھی ہیں۔ کچھ دن کے بعد آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھنا چھوڑ دیا ایک عذر کی وجہ سے اور وہ یہ کہ آپ کو خوف دامن گیر ہو گیا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو آپ اس سنت کو ہمیشہ جاری رکھتے۔ آپ کے فوت ہو جانے کے بعد یہ خوف جاتا رہا اب سنت یہی گیارہ رکعت وتر کے ثابت رہی۔ بیس۲۰ رکعت تراویح یہ سنت خلفاء راشدین کی ہے

اور اس حدیث نبوی میں کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر اس ترغیب کی بنا پر بیس رکعت سنت نبوی نہیں ہو جائے گی کیونکہ آپ کی سنت وہی ہو سکتی ہے جس پر آپ نے مداومت کی ہو۔ سوائے اس کے کہ کوئی عذر پیش آ گیا ہو۔ اور اس عذر کے نہ ہونے کی صورت میں جیسا کہ ہم نے سمجھا ہے کہ آپ گیارہ رکعت پر مداومت فرماتے۔ اس تقریر کی بنا پر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تو مستحب ہوں گی۔ اور آٹھ رکعت (بلا وتر) سنت ہوں گی۔ اس کی مثال دیتے ہیں جیسا کہ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعت اگر کوئی پڑھے تو اس کی دو رکعت تو سنت ہوں گی اور دو رکعت مستحب۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ مشائخ کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت سنت ہیں۔ مگر دلیل کا تقاضا وہی ہے جو ہم نے کہا ہے یعنی آٹھ رکعت تو سنت نبوی ہیں۔ باقی بارہ۱۲ رکعت مستحب ہیں۔

بحر الرائق امام ابن الہمام کی عبارت کی جو تشریح اردو میں ہم نے کی ہے صاحب بحر الرائق نے وہی بیان کی ہے فرماتے ہیں۔

ذکر المحقق فی فتح القدیر ماحاصلہ ان الدلیل یقتضی ان تکون السنۃ من العشرین ما فعلہ صلے اللہ علیہ وسلم منہا ثم ترکہ خشیۃ ان تکتب علینا و الباقی مستحب وقد ثبت ان ذالک کان احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فاذن یکون المسنون منہا علی اصول

مشائخنا ثمانیۃ والمستحب اثنا عشرۃ (البحرالرائق ص ۲ ج ۲ طبع مصر)

یعنی فتح القدیر میں محقق ابن الہمام نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دلیل کا تقاضہ تو یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح میں سے سنت اسی قدر ہو نگی جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی ہیں پھر فرضیت کے خوف سے ان کا پڑھنا جماعت کے ساتھ چھوڑ دیا باقی رکعت مستحب ہو نگی اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے نماز تراویح گیارہ رکعت مع وتر پڑھی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث صحیحین سے معلوم ہوتا ہے پس اس تحقیق کے بعد یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق آٹھ رکعت تراویح تو سنت نبوی ہیں اور بارہ رکعت مستحب ہیں۔ یہ ہیں محققین علماء حنفیہ کی تصریحات آج کے علماء حنفیہ کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کی منصفانہ روش کو دیکھیں اور اپنے غلو پر نظر ثانی کریں افسوس انہوں نے سیدھی سادھی بات کو کس قدر پیچ وار بنا دیا ہے۔

ابن عباس رضؓ کی روایت | محققین علماء کیا حنفی کیا اہلحدیث سب ہی اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں گھر پر یا مسجد میں جتنے دن جماعت کے ساتھ آپ نے نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی وہ وتروں کے ساتھ گیارہ رکعت ہے۔ لیکن بعض حضرات اس بارہ میں حضرت ابن عباس کی ایک روایت کی بنا پر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں وتروں کے علاوہ بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ تخریج الاحادیث زیلعی) اس روایت کے متعلق بھی اکابر علماء حنفیہ ہی کی تصریحات پیش کرونگا اور آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے اس روایت کے متعلق کس قدر محققانہ اور منصفانہ فیصلہ کیا ہے۔

امام زیلعی | ۔ اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم ابن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف

للحدیث الصحیح عن ابی سلمۃ انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلاۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ (تخریج احادیث الھدایۃ للزیلعی ص ۱۰۳ جلد دوم)

کہ یہ روایت معلول ہے اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو مشہور محدث ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے اس قدر ضعیف راوی ہے کہ تمام محدثین اس کے ضعف پر متفق ہیں اور ابن عدی نے کامل میں اسے کمزور قرار دیا ہے اس کے علاوہ یہ روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان سے ابو سلمہؒ نے دریافت کیا کہ رمضان مبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسے ہوتی تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے امام زیلعیؒ نے دو باتیں صاف صاف کہہ دی ہیں بیس رکعت والی روایت ضعیف ہے اور اس درجہ ضعیف ہے کہ تمام محدثین اس کے راوی کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ اس لئے اس روایت کے ضعیف ہونے اور ناقابل حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح اور پکی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح اور تین وتر کل گیارہ رکعت رمضان ہی اور رمضان کے سوا دوسرے دنوں میں بھی یہی پڑھی ہیں۔ کیونکہ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔ اس میں مزید تشریح کے لئے یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے زمانہ کے قریب قریب کے بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ پہلے آپؐ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے پھر آپ نے بیس رکعت پڑھنی شروع کر دی تھیں غلط ہے اگر یہ بات ہوتی تو امام زیلعیؒ جیسا مشہور محدث فقیہ اور عابد و زاہد شخص ضرور کہہ دیتا کہ ہاں آپؐ شروع میں تو آٹھ پڑھتے تھے لیکن بعد میں بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے لیکن نہیں انہوں نے بھی صاف و اشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ بھائی اول تو یہ حدیث ضعیف ہے اور دوم یہ کہ صحیحین کی حدیث کے خلاف ہے علامہ عینی شرح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اسی بیس رکعت والی روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔۔۔

فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس قلت ھذا الحدیث رواہ ایضاً ابوالقاسم البغوی فی معجم الصحابۃ عن ابن عباس الحدیث وابوشیبۃ ھو ابراھیم ابن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم واورد لہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹)

اگر یہ اعتراض کرو کہ ابن عباس سے بیس رکعت تراویح والی حدیث ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ تو اس کا یہ جواب دونگا کہ اس حدیث کو ابوالقاسم بغوی نے بھی اپنی کتاب معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی ابوشیبہ کا حال یہ ہے کہ یہ مقام واسط کا قاضی تھا اور مشہور محدث ابوبکر بن شیبہ کا دادا ہے لیکن شعبہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے امام احمد ابن معین، امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں اس حدیث بیس رکعت والی کو ابوشیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے علامہ عینی جو اکابر علماء حنفیہ میں سے ہے وہ حضرت ابن عباس کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اگر مزید اکابر علماء حنفیہ کی شہادت کی ضرورت ہے تو امام ابن الہمام کی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

واما ماروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعند البیھقی من حدیث ابن عباس انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح نعم ثبت العشرون من زمن عمر (فتح القدیر ص ۳۳۳ جلد اول)

کہ مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کے ایک راوی ابی شیبہ ہیں جس کے ضعف پر ائمہ کا اتفاق ہے علاوہ اس

ضعف کے یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے البتہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ ان اکابر کا یہ فیصلہ کہ ابن عباس کی روایت ضعیف ہے بلکہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ کافی ہے لیکن اس حقیقت کے بے نقاب کرنے کے لئے آج کے علماء جس گروہی تعصب میں مبتلا ہیں بحمد اللہ اس سے ہمارے زمانہ کے قریب کے علماء حنفیہ بھی اس تعصب سے مبرا تھے۔ مولانا احمد علی سہارن پوری محشی صحیح بخاری کی سن لیجئے۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے کہ حاشیہ پر فرماتے ہیں:۔ وما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف مع مخالفۃ للصحیح نعم ثبت العشرون من زمن عمرؓ فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام وترکہ لعذر وافاد انہ لولا خشیۃ ذالک لواظبت بکم ولا شک فی تحقق الامر من ذالک بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ وکونہا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین۔

(صحیح بخاری ص۱۵۴ جلد ۱)

یعنی حضرت ابن عباس کی حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ رمضان میں بیس۲۰ رکعت پڑھتے تھے ضعیف ہے علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کی روایت عائشہؓ کے خلاف ہے ہاں بیس رکعت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھی جاتی رہیں اس ساری بحث سے یہ حاصل ہوا کہ قیام رمضان میں سنت یہ ہے کہ گیارہ رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا آپ اس نماز کا جماعت کے ساتھ چھوڑنا۔ عذر کی وجہ سے تھا آپ کی وفات کے بعد وہ عذر جاتا رہا اب یہ سنت بحال ہو جائے گی اور بیس۲۰ رکعت پڑھنا سنت خلفاء الراشدین ہو گی۔ جیسا کہ ابن الہمام نے کہا ہے امام ابن الہمام کی پوری عبارت اس بارے

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کے حاشیہ میں آگے چل کر اسی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر فرماتے ہیں:۔ اعلم انه لم یوقت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی التراویح عددا معینا بل لایزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث عشرة رکعة لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعهم عمر علی ابی کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث وکان طائفة من السلف یقومون باربعین رکعة ویوترون بثلاث وآخرون بست وثلاثین واوتروا بثلاث وهذا کله حسن واما مارواه ابن شیبة وغیرہ انه صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف (ص۲۶۹)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کے لئے کوئی تعداد خاص متعین نہیں کی۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جب لوگوں کو جمع کیا تو وہ بیس ۲۰ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اور علمائے سلف میں سے بعض چالیس رکعت تراویح اور تین وتر اور بعض چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب درست ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ کی جو روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتروں کے علاوہ بیس ۲۰ رکعت پڑھا یا کرتے تھے یہ ضعیف ہے۔

خلاصہ بحث | پورے التزام کے ساتھ صرف اکابر علمائے حنفیہ کی عبارات سے یہ ثابت کیا ہے کہ (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تراویح کے متعلق یہی ہے کہ آپ وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھتے رہے (۲) جتنے دن آپ ﷺ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی وہ یہی گیارہ رکعت تھی (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں بیس ۲۰ رکعت پڑھا یا کرتے تھے بالاتفاق ضعیف ہے (۴) علاوہ ازیں روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے

تھے۔ (۵) حضرت عمرؓ کے زمانے میں اور آپ کے بعد بیس بھی پڑھی گئیں۔ چھتیس بھی اور چالیس بھی پڑھی گئیں اور یہ سب درست ہے۔ اب بتلائیے کہ اکابر علمائے حنفیہ کی ان تصریحات کے بعد آپکی تنگ نظری اور تعصب کے لیے کیا مقام ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند اب یہ کہہ سکتا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے یا گمراہی ہے اور موجب عذاب ہے أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حالت پر رحم فرما دے۔ اور اقتصاد و میانہ روی کی ہدایت عطا فرما دے میں اعلان کرتا ہوں کہ امام ابن ہمام اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ نے جو پوزیشن لی ہے کہ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول اللہؐ کی ہے اور باقی گیارہ رکعت مستحب ہیں۔ اگر آج کے حنفی بھائی اس پوزیشن کو قبول کر لیں اور غالی حضرات کے غلو کو چھوڑ دیں تو آج تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور ہم آپس میں صلح و آشتی کے ساتھ رہ سکتے ہیں بیس رکعت پڑھنے والے سمجھ لیں کہ ہمارے اہلحدیث بھائی سنت رسول اللہؐ پر عمل کرتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح ہم سے نسبتاً لمبے قیام و رکوع و سجود کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ہمارے حنفی بھائی آٹھ رکعت سنت اور بارہ رکعت بطور مستحب کے پڑھتے ہیں۔ اگر بیس رکعت کی وجہ سے ان کا قیام و رکوع و سجود ہم سے نسبتاً مختصر ہے تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ رکوع و سجود اور قومہ وغیرہ میں اعتدال ارکان محفوظ رہے۔ کیا امید کی جا سکتی ہے کہ امام ابن ہمام اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ کی تصریحات کے مطابق ہمارے حنفی بھائی اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے۔

اجماع کی حقیقت اب سوال کے اس پہلو پر غور کر لیا جائے کہ کیا بیس رکعت تراویح پر اجماع ہو چکا ہے؟ اور اجماع کی خلاف ورزی گمراہی اور ضلالت ہے؟ اس مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اجماع کی حقیقت معلوم کی جائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مسئلہ اجماع میں بہت سے مسائل ہیں۔ اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن یہاں مختصراً صرف اس پر غور کر لیا جائے۔ اجماع کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ تمام مجتہدین کا اجماع ہو؟ اور اگر تمام مجتہدین کا اتفاق نہیں

بلکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے تو یہ اجماع نہیں ہوگا؟۔ انشاء اللہ اس کا جواب کتب اصول فقہ حنفیہ سے ہی دیا جائے گا۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب توضیح جس کے مصنف صدر الشریعت عبید اللہ بن مسعود بخاری جو آٹھویں صدی کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

فان قوما قالوا اجماع اهل المدينة حجة وقوما قالوا اجماع العترة حجة ونحن لا نكتفي بهذا بل نقول لا بد من اتفاق جميع المجتهدين۔

(توضیح ص ۵۱ ج ۲ طبع مصر)

یعنی بعض لوگوں کی رائے ہے کہ صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔ مگر ہم اس پر کفایت نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام مجتہدین کا اجماع ضروری ہے۔ اب آپ کتاب التحریر لابن ہمام مع شرح تیسیر التحریر کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ والمختار انه ليس اجماع الاكثر اجماعا اصلا فلا يكون حجة ظنية ولا قطعية لانه ليس بكتاب ولا سنة ولا اجماع ولا قياس ولا من ادلة المعتبرة عند الامة۔ (ص ۲۳۷ ج ۳)

یعنی ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے کہ اکثر مجتہدین کا اتفاق اجماع نہیں ہے ایسا اجماع نہ تو حجت ظنی ہے اور نہ یقینی اس لئے کہ یہ نہ تو کتاب وسنت ہے اور نہ اجماع وقیاس ہے۔ اور نہ امت کے نزدیک جو معتبر دلائل ہیں ان میں سے یہ کوئی دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ علمائے حنفیہ کے نزدیک اجماع وہی معتبر اور حجت ہو سکتا ہے جس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہو۔ اور زیر بحث مسئلہ میں سب کو معلوم ہے کہ بیس رکعت تراویح پر اتفاق نہیں ہے۔ شروع میں امام احمد کا قول بحوالہ قیام اللیل مروزی دیکھ چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں چالیس کے قریب اقوال ہیں اور یہ نفلی عبادت ہے۔ غرض اس میں تشدد نہیں کیا جا سکتا۔ امام شافعی کا قول بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں بیس اور مدینہ میں انتالیس رکعت پڑھتے ہیں۔ مگر اس میں کسی قسم کا تشدد نہیں ہونا چاہیئے اگر لمبا قیام ہوا اور رکوع وسجود کم ہوں

تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور اگر رکوع وسجود زیادہ ہوں اور قیام مختصر ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ یہ نفلی عبادت ہے، اور امام مالک نے خود اپنے لئے گیارہ رکعت پسند کر رکھی تھیں جیسا کہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس مسئلہ کے متعلق متعدد اقوال آئمہ کے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر العربی عمدۃ القاری ص۱۲۷ ج ۱۱۔

یعنی ایک قول یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں۔ اور یہی امام مالک نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اور مشہور مالکی محدث امام ابوبکر العربی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ علامہ عینی کے بیان کے مطابق امام مالک کا اپنا ذاتی عمل تو وہی تھا جو حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے یعنی گیارہ رکعت۔ لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کے لئے امام مالک فرماتے ہیں۔ استحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلاثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ وھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم۔ (قیام اللیل ص۹۲)

کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ عام لوگ رمضان میں ۳۸ رکعت پڑھیں پھر امام سلام کہے اور امام کے ساتھ مقتدی بھی پھر ایک رکعت وتر امام پڑھائے اور یہ عمل مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ سے پہلے یعنی ایک سو سے زائد برس سے آج تک جاری ہے۔

حضرت نافع فرماتے ہیں۔ لم ادرک الناس الا وھم یصلون تسعا وثلاثین رکعۃ ویوترون منہا بثلاث۔ (مروزی ص۹۲)

میں نے ہمیشہ سے لوگوں کو اس طرح تراویح پڑھتے دیکھا کہ وتروں سمیت انتالیس رکعت پڑھا کرتے تھے مدونہ کبریٰ میں حضرت نافع کے اس قول کے ذکر کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق یہ روایت مذکور ہے:۔ عن عبداللہ بن عمر بن حفص قال اخبرنی غیر واحد ان عمر بن عبدالعزیز امر القراء ان یقوموا بذالک و یقرؤا فی کل رکعت عشرا یات۔ (مدونۃ کبریٰ جلد اول ص۱۹۴)

عبد اللہ ابن عمر بن حفص کہتے ہیں۔ کہ مجھے بہت سے لوگوں نے یہ بتایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاری صاحبان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ انتالیس رکعت پڑھائیں اور ہر رکعت میں دس آیات پڑھا کریں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز۔ کا شمار خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ ان کے متعلق ایک روایت امام مروزی کی یہ ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز کانت تقوم العامة بحضرته فی رمضان بخمس عشرة تسلیمة۔ (قیام اللیل مروزی ص ۹۱)

یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی کی موجودگی میں عام لوگ رمضان مبارک میں تیس رکعات پڑھا کرتے تھے، اور دو رکعت پر سلام کہہ دیتے تھے۔

ان روایات واقوال کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ یہ جو فرمایا جاتا ہے کہ بیس رکعت پر اجماع ہو چکا ہے اور یہی عمل متوارث ہے اور تمام ائمہ دین کا اس پر اجماع ہے یہ علم اور دلیل کی روشنی میں تو صحیح نہیں ہے۔ جب امام مالک حضرت عمر بن عبد العزیز حضرت نافع جیسے ائمہ دین نے اس سے اتفاق نہیں کیا تو اجماع کیسے؟ اور کہاں کا اجماع ہوا جب اجماع ہی نہیں تو بیس رکعت نہ پڑھنے والوں کو گمراہ کہنا کیونکر قرین دانش وعقل ہو سکتا ہے یہ آپ اصول فقہ حنفیہ کی تصریحات سے معلوم کر چکے ہیں۔ کہ اجماع وہی حجت ہو سکتا ہے جس میں تمام مجتہدین متفق ہوں۔ اور حنفیہ کے نزدیک اکثر مجتہدین کا اتفاق بھی اجماع نہیں۔ پھر کس طرح بیس رکعت کے لئے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

خلفاء راشدین کا عمل بیس رکعت تراویح کو سنت خلفائے راشدین بتایا جاتا ہے اس بارہ میں ایک تو وہ نظریہ ہے جو امام ابن الہمام نے پیش کیا ہے کہ سنت نبوی تو آٹھ رکعت ہے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھی گئی ہیں اس لئے بیس میں سے آٹھ تو سنت ہیں اور باقی بارہ مستحب ہیں اس سے ہم تعرض نہیں کرنا چاہئے اور ایک یہ نظریہ ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا، اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے زمانے میں بھی

لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے اور ان کے بعد امت کا یہی تعامل رہا۔ اس کو ہم صحیح نہیں سمجھتے اس بارہ میں سب سے واضح دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ امام بیہقی کی ہے جسے علامہ عینی نے اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے سائب بن یزید کہتے ہیں کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما مثلہ۔ یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور اسی طرح حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے متعلق ادنیٰ یہ عرض ہے کہ بیہقی کی کتاب سنن کبریٰ جس کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس میں موجود نہیں ہے۔ خود علماء حنفیہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس روایت میں یہ ٹکڑا "علی عہد عثمان وعلی مثلہ" حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح بیس رکعت پڑھتے تھے۔ بعد میں کسی نے درج کر دیا ہے اصل کتاب میں نہیں ہے۔ فاضل نیموی (ریوی ھندا) جس نے فقہ حنفی کے لئے احادیث وآثار کے جمع وتحقیق میں نمایاں خدمت سرانجام دی ہے انہوں نے تعلیق آثار السنن میں لکھا ہے لایخفی علیک ان ما رواہ السائب من حدیث عشرین رکعۃ قد ذکرہ بعض اھل العلم بلفظ انھم کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی مثلہ وعزاہ الی البیہقی فقولہ علی عہد عثمان وعلی مثلہ قول مدرج لایوجد فی تصانیف البیہقی۔ (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص۴۳ ج۲)

یعنی سائب بن یزید کی روایت میں یہ ٹکڑا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بھی لوگ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے بعد میں کسی نے درج کر دیا ہے امام بیہقی کی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ صاحب ہدایہ نے بھی لکھا ہے:۔

لانہ واظب علیہ الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیس رکعت تراویح اس لئے سنت ہیں کہ خلفاء راشدین نے ہمیشہ اسی طرح تراویح پڑھیں حافظ ابن حجر درایہ فی تخریج احادیث ہدایہ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں

"لم اجدہ" | مجھے اس روایت کا کہیں اتا پتا نہیں ملا۔ اور امام زیلعی جنہوں نے احادیث ہدایہ کی تخریج کا ذمہ لیا ہے وہ بھی اس روایت کے بارے میں خاموشی سے گذر گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی اس روایت کا کوئی صحیح ماخذ نہیں ہے

اس کے علاوہ اگر خلفائے راشدین کا تعامل یہی ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت نافع، امام مالک اور دوسرے بزرگان سلف بیس۲۰ رکعت تراویح کا عمل کیوں ترک کر دیتے۔ امام مالک خود گیارہ رکعت مع وتر پڑھتے تھے۔ عام لوگوں کو ۳۶ + ۳ پڑھنے کے لئے کہتے۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ (جو ۶۳ھ میں واقع ہوا) سے پہلے مدینہ میں آج تک۔ یعنی ایک سو برس سے زائد عرصہ سے لوگ ۳۹ رکعت مع وتر پڑھتے ہوئے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں، میں نے ہمیشہ لوگوں کو ۳۹ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔

اور اس بارہ علامہ عینی نے متعدد اور مختلف اقوال ائمہ دین کے عمدۃ القاری میں ذکر کیئے ہیں اس لئے یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت عمرؓ کے وقت سے امت کا تسلسل سے بیس۲۰ رکعت پڑھنے کا تعامل رہا ہے دلائل کی روشنی میں صحیح نہیں ہے اس لئے یہ فرمانا کہ بیس۲۰ رکعت پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کا خلاف موجب ضلالت ہے علم و بصیرت کی بات نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں یا آٹھ؟ بڑی تفصیل کا محتاج ہے۔ اسے کسی دوسری صحبت کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے

العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الودود محمد داؤد الغزنوی۔

اخبار الاعتصام جلد نمبر ۹ ش نمبر ۳۸ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۵۸ء

نور العین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی رحمہ اللہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علے سیدنا محمد الامین وعلی الہ المطہرین وصحبہ اجمعین وبعد فقد وقع البحث مع بعض الخلان اھل الفضل والعرفان عن صلوۃ التراویح فی شہر رمضان ھل ثبت فعلہا جماعۃ عن سید ولد عدنان صلے اللہ علیہ وسلم ما دام الملوان فان قلتم نعم فما ھو العدد الوارد من ذلک ومن رواہ من المحدثین المحققین وھل لقیام شہر رمضان عدد مخصوص لا یحصل المطلوب من القیام الا بہ وھل العشرون الرکعۃ المسماۃ بالتراویح ھی نفس قیام رمضان اومما یصدق علیہ ذلک بینوا لنا بیانا شافیا بالدلیل من کلام الحفاظ المحدثین **فاقول** وباللہ استعین فی الجواب ومنہ استمد التوفیق لاصابۃ الصواب **اعلم** ان فی صحیح البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلے فی المسجد وصلے رجال بصلوتہ فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثرمنہم فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فصلے فصلوا بصلوتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ حتی خرج لصلوۃ الصبح فلما قضی الصلوۃ اقبل علی الناس فتشہد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علے مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنہا قال ابن شہاب فتوفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والامر علے ذلک وفی روایۃ عنہا قالت کان الناس یصلون فی المسجد فی رمضان باللیل اوزاعا یکون مع الرجل الشیٔ من القرآن فیکون معہ النفر الخمسۃ او السبعۃ او اقل من ذلک او اکثر یصلون بصلوتہ قالت فامرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان انصب لہ حصیرا علے باب حجرتی ففعلت فخرج الیہ بعد ان صلے العشاء الآخرۃ فاجتمع الیہ من المسجد فصلے بہم وذکرت القصۃ بمعنی ما تقدم غیر ان فیہا انہ لم یخرج الیہم فی اللیلۃ الثالثۃ رواہ احمد وعن عبدالرحمن بن عبد القاری قال

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع منفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر رضی اللہ عنہ انی اری لوجمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلوۃ قارئھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھذہ والتی ینامون عنھا افضل من التی یقومون یعنی اخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ رواہ البخاری قال الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی فی نیل الاوطار قال فیہ جواز صلوۃ النافلۃ جماعۃ فی المسجد ولکن الاختیار فیھا الانفراد الا نوافل مخصوصۃ وھی العید والکسوف والاستسقاء وکذا التراویح عند الجمھور یعتکف فیہ وفیہ جواز النافلۃ فی المسجد وان کان البیت افضل ولعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما فعلھا فی المسجد لبیان الجواز وانہ کان معتکفا وفیہ جواز الاقتداء بمن لاینوا مامتہ قال وھذا ھو الصحیح المشھور من مذھبنا ومذاھب العلماء لکن ان نوی الامام امامتھم بعد اقتدائھم حصلت فضیلۃ الجماعۃ لہ ولھم وان لم ینو حصلت لھم فضیلۃ الجماعۃ ولا تحصل للامام علی الاصح لانہ لم ینوھا والاعمال بالنیات واما الماموموں فقد نووھا وفیہ اذا تعارضت مصلحۃ وخوف مفسدۃ او مصلحتان اعتبر اھمھما لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان رای الصلوۃ فی المسجد مصلحۃ لما ذکرناہ فلما عارضہ خوف الافتراض علیھم ترکہ لعظم المفسدۃ التی یخاف من عجزھم وترکھم للفرض وفیہ ان الامام وکبیر القوم اذا فعل شیئا خلاف ما یتوقعہ اتباعہ وکان لہ فیہ عذر یذکرہ لھم تطییبا لقلوبھم واصلاحا لذات البین لئلا یظنوا خلاف ھذا وربما ظنوا ظن السوء وقولہ اوزاعا ای جماعات وقد استدل البخاری وغیرہ بھذا الحدیث علی صلوۃ التراویح فان البخاری ذکرہ من جملۃ الاحادیث التی ذکرھا فی کتاب التراویح من صحیحہ وفیہ لدلالۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل الصلوۃ فی المسجد

وصلے خلفہ الناس ولم ینکر علیہم وکان ذلک فی رمضان ولم یترکہ الا خشیۃ الافتراض فصح الاستدلال بہ علے مشروعیۃ مطلق التجمیع فی النوافل فی لیالی رمضان واما فعلہا علے الصفۃ التی یفعلونہا الآن من ملازمۃ عدد مخصوص وقراءۃ مخصوصۃ فی کل لیلۃ فسیاتی الکلام علیہا انتہی کلام الشوکانی رحمہ اللہ وفی صحیح مسلم من روایۃ یونس بن شہاب فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی اللیلۃ الثانیۃ فصلوا معہ فاصبح الناس یذکرون ذلک فکثر اہل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فصلوا بصلوتہ فلما کانت الرابعۃ عجز المسجد عن اہلہ ولاحمد من روایۃ معمر عن الزہری امتلأ المسجد حتی اغتص باہلہ ولہ من طریق سفیان بن حسین عنہ فلما کان اللیلۃ الرابعۃ غص المسجد باہلہ وفی الموطا ثم اجتمعوا من اللیلۃ الثالثۃ اوالرابعۃ بالشک فلم یخرج الیہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زاد فی روایۃ لاحمد عن ابن جریج عن ابن شہاب حتے سمعت ناسا منہم یقولون الصلوۃ وفی روایۃ سفیان بن حسین فقالوا ما شانہ وفی حدیث زید بن ثابت ففقدوا صوتہ فظنوا انہ قدنام فجعل بعضہم یتنحنح لیخرج الیہم وفی لفظ عن زید فرفعوا اصواتہم وحصبوا الباب رواہما البخاری قال ابن عبدالبر تفسیر ہذہ اللیالی المذکورۃ فی حدیث عائشۃ بما رواہ النعمان بن بشیر قال قمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان لیلۃ ثلاث وعشرین الی ثلث اللیل ثم قمنا معہ لیلۃ خمس وعشرین الی نصف اللیل ثم قمنا معہ لیلۃ سبع وعشرین حتے ظننا ان لاندرک الفلاح وکانوا یسمون بہ السحور۔

واما عدد ما صلے ففی حدیث ضعیف عن ابن عباس انہ صلے اللہ علیہ وسلم صلے بہم عشرین رکعۃ والوتر اخرجہ ابن ابی شیبۃ وروی ابن حبان انہ صلے بہم ثمان رکعات ثم اوتر وہذا اصح کذا فی الزرقانی علے الموطا وقال الحافظ ابن حجر لم ار فی شئی من طرقہ ای حدیث عائشۃ بیان عدد صلاتہ فی تلک اللیالی لکن روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان

ثمان رکعات ثم اوتر فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ الحدیث فان کانت القصة واحدة احتمل ان جابرا ممن جاء فی اللیلة الثالثة فلذا اقتصر علی وصف لیلتین وکذا ما وقع عند مسلم من حدیث انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبہ فجاء رجل فقام حتی کنا رھطا فلما احس بنا تجوز ثم دخل رحلہ الحدیث فالظاھر ان ہذا کان فی قصة اخری انتہی فثبت قیام رمضان جماعة من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ترک خشیة الافتراض علی امتہ لانہ کان بالمؤمنین رحیما قال الباجی وابن التین وغیرھما استنبط عمر رضی اللہ عنہ ذلک من تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی معہ فی تلک اللیالی وان کرہ لھم ذلک فانما کرھہ خشیة ان یفرض علیھم فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم امن ذلک یعنی انہ خاف جعل التھجد فی المسجد جماعة شرطا فی صحة التنفل ویومی الیہ قولہ فی حدیث زید بن ثابت خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم بہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم منعھم من التجمیع فی المسجد اشفاقا علیھم من اشتراطہ وامن مع اذنہ فی المواظبة علی ذلک فی بیوتھم من افتراضہ علیھم ویحتمل ان یکون لخوف افتراض قیام اللیل علی الکفایة لا علی الاعیان فلا یکون زائدا علی الخمس بل ھو نظر ما ذھب الیہ قوم فی العید ونحوھا ویحتمل انہ خاف فرض قیام ھذا الشھر فعلی ھذا یرتفع الاشکال لان قیام رمضان لا یتکرر کل یوم فی السنة فلا یکون قدرا زائدا علی الخمس واقوی الاجوبة فی نظری الاول قالہ الحافظ فی الفتح وقال ابن عبد البر لم یسن عمر الا ما رضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یمنعہ من المواظبة علیہ الا خشیة ان یفرض علی امتہ وکان بالمومنین رحیما فلما امن ذلک عمر اقامھا واحیاھا فی سنة اربع عشرة من الھجرة ویدل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم سن ذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ فرض علیکم صیام رمضان وسننت لکم قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا واحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم

ولدته امه اخرجه الامام احمد والنسائی وابن ماجة والبیهقی من حدیث عبدالرحمن ابن عوف وقد رغب فیها عمر رضی الله عنه بقوله نعمت البدعة هذه لان نعم کلمة تجمع المحاسن کلها کما ان بئس تجمع المساوی کلها وقد قال صلی الله علیه وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر اخرجه الترمذی والامام احمد فی مسنده من حدیث حذیفة قال الحافظ الشوکانی فی القول المفید فی حکم التقلید وهو حدیث معروف مشهور ثابت فی السنن وغیرها وقوله صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی دهو طرف من حدیث العرباض بن ساریة وهو حدیث صحیح ثابت فی السنن ورجاله رجال الصحیح ففیه ان ما سن الخلفاء الراشدون المهدیون من بعده فالاخذ به لیس الا لامره صلی الله علیه وسلم بالاخذ به فالعمل بما سنوه والاقتداء بما فعلوه هو لامره صلی الله علیه وسلم لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدین والاقتداء بابی بکر وعمر ولم یامرنا بالاستنان بسنة عالم من علماء الامة ولا ارشدنا الی الاقتداء بما یراه مجتهد من المجتهدین فالحاصل انا لم ناخذ بسنة الخلفاء ولا اقتدینا بابی بکر وعمر الا امتثالا لقوله صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی وبقوله اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر فان رسول الله صلی الله علیه وسلم انما خص الخلفاء الراشدین وجعل سنتهم کسنته فی اتباعها لامر یختص بهم لا یتعداهم الی غیرهم ولو کان الالحاق بالخلفاء الراشدین سائغا لکان الحاق المشارکین لهم فی الصحبة والعلم مقدما علی من لم یشارکهم فی مزیة من المزایا بل النسبة بینهم کالنسبة بین الثریا والثری فلولا ان هذه المزیة خاصة بهم مقصورة علیهم لم یخصهم بها رسول الله صلی الله علیه وسلم دون سائر الصحابة وحدیث اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم قد روی من طرق عن جابر وابن عمر صرح ائمة الجرح والتعدیل بانه لا یصح فیها شیئ وان الحدیث لم یثبت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد تکلم علیه الحفاظ بما یشفی ویکفی

فمن رام البحث عن طرقہ وعن تضعیفہ فھو ممکن بالنظر فی کتب ھذا الشان وبالجملہ فالحدیث مما لا تقوم بہ الحجۃ ولو صح لکان فیہ منقبۃ للصحابۃ ومزیۃ لا توجد فی غیرھم وکان الاخذ باقوالھم لیس الا لکونہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشدنا الی ان الاقتداء باحدھم اھتداء فنحن انما امتثلنا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعملنا علی قولہ واتبعنا سنتہ فان ما جعلہ محلا للاقتداء یکون ثبوت ذلک لہ بالسنۃ وھو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نخرج عن العمل بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا قلدنا غیرہ بل ھذا القول من جلۃ ما اتانا بہ فاخذناہ واتبعناہ فیہ ولم نتبع غیرہ ولا عولنا علی سواہ ومثلہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان معاذا قدسن لکم کذلک فافعلوا وذلک فی شان الصلوۃ حیث اخر معاذ قضاء ما فاتہ مع الامام والحدیث فی ابی داؤد فی باب الاذان ولا یخفی علیک ان فعل ھذا انما صار سنۃ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بمجرد فعلہ فھو انما کان السبب بثبوت السنۃ ولم تکن تلک السنۃ الا بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا واضح لا یخفی وبمثل ھذا الجواب علی حدیث اصحابی کالنجوم یجاب عن قول ابن مسعود فی وصف الصحابۃ فاعرفوا لھم حقھم وتمسکوا بھدیھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم ثم ھھنا جواب یشمل جمیع ما تقدم من حدیث علیکم بسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الحدیث وحدیث اقتدوا باللذین من بعدی وحدیث اصحابی کالنجوم وقول ابن مسعود وھو ان المراد بالاستنان بھم والاقتداء ھو ان یاتی المستن المقتدی بمثل ما اتوا بہ ویفعل کما فعلوا وھم لا یفعلون فعلا ولا یقولون قولا الا علی وفق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ فالاقتداء بھم ھو اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاستنان بھم ھو استنان بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما ارشد الناس الی ذلک لانھم المبلغون عنہ الناقلون شریعتہ الی من بعدہ من امتہ فالفعل وان کان لھم فھو علی طریق الحکایۃ لفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافعال الصلوۃ والطھارۃ والحج ونحو ذلک فھم رواۃ لہ وانما کان

منسوبًا الیهم لکونه قائما بهم و فی الحقیقة هو راجع الی ما سنه رسول الله صلی الله علیه وسلم فالاقتداء بهما اقتداء به والاستنان بسنتهما استنان بسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم واذا خفی علیك هذا فانظر ما کان یفعله الخلفاء الراشدون و اکابر الصحابة فی عباداتهم فانك تجده حکایة لما کان یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم واذا اختلفوا فی شیء من ذلك فهو لاختلافهم فی الروایة لا فی الرای وقل ان تجد فعلا من تلك الافعال صادرا عن مذهبهم لمحض رای رأوه بل قد لا تجد ذلك لاسیما فی افعال العبادات وهذا یعرفه کل من کان له خبرة باحوالهم فخاطب صلی الله علیه وسلم ان یقتدوا بما یشاهدونه یفعله من سنته وبما یشاهدون من افعال الخلفاء الراشدین فانهم المبلغون عنه العارفون بسنته المقتدون بها فکل ما صدر فی ذلك صادر عنه ولهذا صح عن جماعة من اکابر الصحابة ذم الرای واهله وکانوا لا یرشدون احدا الا الی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم لا الی شیء من آرائهم وهذا معلوم لا یخفی علی عارف وما نسب الیهم من الاجتهادات وجعله اهل العلم رایا فهو لا یخرج عن الکتاب والسنة اما بتصریح او تلویح وقد یظن خروج شیء من ذلك وهو ظن مدفوع لمن تامل حق التامل واذا وجد نادرا رایت الصحابی یتحرج ابلغ تحرج ویصرح بانه رایه وان الله بریٔ من خطائه وینسب الخطاء الی نفسه والی الشیطان والصواب الی الله وهذا البحث نفیس فتامله حق التامل تنتفع به انتهی کلام الامام الشوکانی فی القول المفید وقال فیه ایضا وقال الامام الشافعی فی تفسیر البدعة المذکورة فی الحدیث الثابت فی الصحیح من قوله صلی الله علیه وسلم خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد صلی الله علیه وسلم وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة ان المحدثات من الامور ضربان احدهما ما احدث یخالف کتابا او سنة او اثرا او اجماعا فهذه البدعة الضلالة والثانیة ما احدث من الخیر لا خلاف فیه لواحد من هذه الامة فهذه محدثة غیر مذمومة وقد

قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام رمضان نعمت البدعۃ ھذہ انتہی وقال ایضاً فی فتاویہ وقد سئل عن حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی مالفظہ ان اھل العلم قد طالوا الکلام فی ھذا واخذوا فی تاویلہ بوجوہ اکثرھا متعسفۃ والذی ینبغی التعویل علیہ والمصیر الیہ ھو العمل بما یدل علیہ ھذا الترکیب بحسب ما یقتضیہ لغۃ العرب فالسنۃ ھی الطریقۃ فکانہ قال الزموا طریقتی وطریقۃ الخلفاء الراشدین وقد کانت طریقتھم ھی نفس طریقتہ فانھم اشد الناس حرصا علیھا وعملا بھا فی کل شئ وعلی کل حال وکانوا یتوقون مخالفتہ فی اصغر الامور فضلا عن اکبرھا وکانوا اذا اعوزھم الدلیل من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم عملوا بما یظھر لھم من الرای بعد الفحص والبحث والتشاور والتدبر وھذا الرای عند عدم الدلیل ھو ایضا من سنتہ لما دل علیہ حدیث معاذ لما قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تقتضی قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتہد رایی قال الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ اوکما قال وھذا الحدیث وان تکلم فیہ بعض اھل العلم بما ھو معروف فالحق انہ من قسم الحسن لغیرہ وھو معمول بہ وقد اوضحت ھذا المبحث فی بحث مستقل فان قلت اذا کان ما عملوا بہ بالرای ھو من سنتہ لم یبق لقولہ وسنۃ الخلفاء الراشدین ثمرۃ قلت ثمرتہ ان من الناس من لم یدرک زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وادرک زمن الخلفاء الراشدین او ادرک زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن الخلفاء الراشدین ولکنہ حدث امر لم یحدث فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم ففعلہ الخلفاء فاشار بھذا الارشاد الی سنۃ الخلفاء الی دفع ما عساہ یتردد فی بعض النفوس من الشک ویختلج فیھا من الظنون واقل فوائد الحدیث ان ما یصدر منھم من الرای وان کان من سنتہ کما تقدم ولکنہ اولی من رای غیرھم عند عدم الدلیل وبالجملۃ فکثیرا ما

کان صلے اللہ علیہ وسلم بنسب الفعل او الترک الیہ او الی اصحابہ فی حیاتہ مع انہ لا فائدۃ لنسبتہ الی غیرہ مع نسبتہ الیہ لانہ محل القدوۃ ومکان الاسوۃ فھذا ما ظہر لی فی تفسیر ھذا الحدیث ولم اقف عند تحریرہ علی ما یوافقہ من کلام اھل العلم فان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان واستغفر اللہ انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری البدعۃ اصلہا ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع علی مقابلۃ السنۃ فتکون مذمومۃ والتحقیق انہا ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فہی حسنۃ وان کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فہی مستقبحۃ والا فہی من قسم المباح وقد ینقسم الی الاقسام الخمسۃ انتہی وفی الزرقانی علی الموطا وصفہا عمر رضی اللہ عنہ بقولہ نعمت البدعۃ لان اصل ما فعلہ سنۃ وانما البدعۃ الممنوعۃ خلاف السنۃ وقال ابن عمر فی صلوۃ الضحی نعمت البدعۃ وقال تعالیٰ رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ قال ابن عبد البر قال الباجی وھذا تصریح منہ بانہ اول من جمع الناس فی قیام رمضان علی امام واحد لان البدعۃ ما ابتدا بفعلہا المبتدع ولم یتقدمہ غیرہ فابتدعہ عمر وتابعہ الصحابۃ والناس وھلم جرا وھذا یبین صحۃ القول بالرای والاجتہاد انتہی قال الزرقانی فسماھا بدعۃ لانہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یسن الاجتماع لہا ولا کانت فی زمن الصدیق واذا اجمع الصحابۃ علی ذلک مع عمر زال عنہ اسم البدعۃ انتہی قال الحافظ ابن حجر واما ما رواہ ابن وھب عن ابی ھریرۃ قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واذا الناس یصلون فی ناحیۃ المسجد فقال ما ھذا فقیل ناس یصلی بہم ابی بن کعب فقال اصابوا ونعم ما صنعوا ذکرہ ابن عبد البر فیہ مسلم بن خالد وھو ضعیف والمحفوظ ان عمر ھو الذی جمع الناس علی ابی بن کعب کانہ اختارہ عملا بقولہ صلے اللہ علیہ وسلم یؤمہم اقرؤھم لکتاب اللہ انتہی وقال الحافظ فی الفتح ایضا المراد من قیام رمضان قیام لیالیہ مصلیا وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح

یعنی انہ یحصل لہا المقصود من القیام لان قیام رمضان لایکون الا بھا واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علے ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح انتہی وفی نیل الاوطار للشوکانی والمراد بقیام رمضان قیام لیالیہ مصلیا ویحصل بمطلق ما یصدق علیہ القیام ولیس من شرطہ استغراق جمیع اوقات اللیل انتہی وقول عمر رضی اللہ عنہ لوجمعت ھؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل قال الحافظ قال ابن التین وغیرہ استنبط عمر ذلک من تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلے معہ فی تلک اللیالی وان کان کرہ لھم ذلک فانما کرھہ خشیۃ ان یفرض علیہم وکان ھذا ھو السر فی ایراد البخاری حدیث عائشۃ عقب حدیث عمر فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم حصل الامن من ذلک وترجح عند عمر رضی اللہ عنہ لما فی الاختلاف من افتراق الکلمۃ ولان الاجتماع علی قارئ واحد انشط لکثیر من المصلین والی قول عمر ذھب الجمھور وقال ابن بطال قیام رمضان سنۃ لان عمر رضی اللہ عنہ اخذہ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ترکہ خشیۃ الافتراض انتہی کلام الحافظ رحمہ اللہ وفی السیل الجرار علے الازھار للامام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ ما لفظہ۔ اما صلوۃ التراویح فقد ثبت عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ صلے فی لیالی رمضان وائتم بہ جماعۃ وعلم بھم فترک ذلک مخافۃ ان یفرض علیھم وھذا ثابت فی احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وبھذا القدر ان صلوۃ النوافل فی لیالی رمضان جماعۃ سنۃ لابدعۃ لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لم یترک ذلک الا لذلک العذر وثبت ایضا عند احمد واھل السنن وصححہ الترمذی ورجالہ رجال الصحیح عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال صمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یصل بنا حتی بقی سبع من الشھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذھب شطر اللیل فقلنا یارسول اللہ لونفلتنا بقیۃ لیلتنا ھذہ فقال انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ ثم لم یقم بنا حتی بقی ثلاث من الشھر فصلے بنا فی الثالثۃ ودعا اھلہ

ونساءه فقام بنا حتى تخوفنا الفلاح قلت له وما الفلاح قال السحور ففي هذا الحديث انه صلى الله عليه وسلم صلى بهم في النافلة في ليالي رمضان جماعة فكيف تكون الجماعة بدعة كما قال المصنف يعني صاحب الازهار ولم يفهم من عمر رضي الله عنه الا انه لما خرج الى المسجد نوجد الناس اوزاعا متفرقين يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط فقال اني ارى لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على ابي بن كعب فقد كانت الجماعة في المسجد موجودة بعد موت النبي صلى الله عليه وسلم وقبل ان يجمعهم عمر رضي الله عنه وبهذا تعرف ان التجميع في النوافل في ليالي رمضان سنة لا بدعة واما ما استحسنه جماعة من اهل العلم من جعل هذه الصلوة عشرين ركعة وجعل القراءة في كل ركعة شيئا معينا فهذا لم يكن ثابتا بخصوصه لكنه من جملة ما يصدق عليه انه صلوة وانه جماعة وانه في رمضان انتهى وفي نيل الاوطار شرح منتقى الاخبار للشوكاني ايضا ما لفظه واما العدد الثابت عنه صلى الله عليه وسلم في صلاته فاخرج البخاري وغيره عن عائشة رضي الله عنها انها قالت ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة واخرج ابن حبان في صحيحه من حديث جابر انه صلى الله عليه وسلم صلى بهم ثمان ركعات واخرج البيهقي عن ابن عباس انه صلى الله عليه وسلم كان يصلي في شهر رمضان في غير جماعة عشرين ركعة والوتر زاد سليم الرازي في كتاب الترغيب له ويوتر بثلاث قال البيهقي تفرد به ابو شيبة ابراهيم بن عثمان وهو ضعيف واما قدر القراءة في كل ركعة فلم يرد به دليل والحاصل ان الذي دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام في رمضان والصلوة فيه جماعة وفرادى فقصر الصلوة المسمى بالتراويح على عدد معين وتخصيصها بقراءة مخصوصة لم ترد به سنة انتهى وقال الحافظ في فتح الباري واما ما رواه ابن ابي شيبة من حديث ابن عباس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في رمضان في غير جماعة عشرين ركعة والوتر فاسناده

ضعیف ضعفہ ابن عبدالبر والبیہقی بروایۃ ابی شیبۃ جد ابن ابی شیبۃ وقد عارضہ حدیث عائشۃ الصحیح ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ مع کون عائشۃ اعلم بحال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لیلا من غیرھا وفیہ ان صلوتہ صلے اللہ علیہ وسلم کانت متساویۃ فی جمیع السنۃ ولاینافی ذلک حدیثھا کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر یتھجد مالا یتھجد فی غیرہ لانہ یحمل علی التطویل فی الرکعات دون الزیادۃ فی العدد فظھر لی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ رکعۃ ان التھجد والوتر مختص بصلوۃ اللیل وفرائض النہار الظھر والعصر وھی اربع اربع والمغرب وھی ثلاث وتر النہار فناسب ان تکون صلوۃ اللیل کصلوۃ النہار فی العدد جملۃ و تفصیلا واما مناسبۃ ثلاثۃ عشر فبضم صلوۃ الصبح لکونھا نھاریۃ الی ما بعدھا انتہی قال الزرقانی وتعقب بان الصبح نھاریۃ لقولہ تعالی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر والمغرب لیلیۃ لحدیث اذا اقبل اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم ورد بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ المغرب وتر النہار فاوتروا صلوۃ اللیل اخرجہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عمر واسنادہ صحیح کما قال الحافظ العراقی فاضیفت الی النہار لوقوعھا عقبۃ فہی نھاریۃ حکما لیلیۃ حقیقۃ انتہی واما المنقول عن الصحابۃ رضی اللہ عنھم فی زمن عمر رضی اللہ عنہ ومن بعدہ من التابعین ففی سنن البیہقی باسناد صحیح کما قال ابن العراقی عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کانوا یقومون علے عہد عمر رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ واخرج الامام مالک فی الموطا عن محمد بن یوسف الکندی عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ قال السائب وکان القاری یقرا بالمئین حتی کنا نعتمد علے العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فروع الفجر قال الباجی لعل عمر اخذ ذلک من صلوۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ففی

حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا سئلت عن صلاتہ فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ قال ابن عبدالبر روی غیر مالک فی ھذا الحدیث احدی وعشرین رکعۃ وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرۃ الا مالکا ویحتمل ان یکون ذلک اولا ثم خفف عنہم طول القیام ونقلھم الی احدی وعشرین الا ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم انتہی ولا وھم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب وبہ جمع البیہقی ایضا وقولہ ان مالکا انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرۃ کما قال مالک وروی سعید بن منصور عن عروۃ ان عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بالرجال وکان تمیم الداری یصلی بالنساء ورواہ محمد بن نصر عن عروۃ فقال بدل تمیم سلیمان بن ابی خیثمۃ قال الحافظ ولعل ذلک کان فی وقتین واخرج مالک فی الموطا عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین قال الزرقانی جمع البیہقی وغیرہ بین ھذا وسابقہ بانہم کانوا یقومون باحدی عشرۃ واحدۃ منہا الوتر ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث قال الباجی فامرھم اولا بتطویل القراءۃ لانہ افضل ثم ضعف الناس فامرھم بثلاث وعشرین تخفف من طول القراءۃ واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات انتہی وقال الشوکانی فی نیل الاوطار اخرج مالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ قال ابن اسحق ھذا اثبت ما سمعت فی ذلک ووھم السید حسن بن احمد الجلال فی ضوء النہار فقال ان فی سندہ ابا شیبۃ ولیس الامر کذلک لان مالکا فی الموطا ذکرہ کما ذکرہ صاحب المنتقی والحدیث الذی فی اسنادہ ابو شیبۃ ھو حدیث ابن عباس المتقدم کما فی البدر المنیر والتلخیص وفی الموطا ایضاً عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہا احدی عشرۃ رکعۃ وروی محمد بن

نصر من طریق عطاء قال ادرکنا فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ وثلاث رکعات الوتر
قال الحافظ والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذلک
الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفھا فحیث تطول القراءۃ تقلل الرکعات
وبالعکس وبہ جزم الداودی وغیرہ قال والاختلاف فیما زاد علی العشرین راجع الی
الاختلاف فی الوتر فکانہ تارۃ یوتر بواحدۃ وتارۃ یوتر بثلاث وقد روی محمد بن
نصر من طریق داود بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن
عبد العزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال
مالک الامر عندنا بتسع وثلاثین وبمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی شیء من ذلک ضیق
قال الترمذی اکثر ما قیل انہ یصلی احدی واربعین رکعۃ برکعۃ الوتر ونقل ابن عبد البر
عن الاسود بن یزید اربعین یوتر بسبع وقیل ثمان وثلاثین ذکرہ محمد بن نصر عن
مالک قال الحافظ وھذا یمکن ردہ الی الاول بانضمام ثلث الوتر لکن صرح فی روایتہ
بانہ یوتر بواحدۃ فتکون اربعین الا واحدۃ قال مالک وعلی ھذا العمل منذ بضع
ومائۃ سنۃ وروی عن مالک ست واربعون وثلاث الوتر قال فی الفتح وھذا
ھو المشہور عنہ وقد رواہ ابن وھب عن العمری عن نافع قال لم ادرک الناس الا
وھم یصلون تسعا وثلاثین ویوترون منھا بثلاث وعن زرارۃ بن اوفی انہ
کان یصلی بھم بالبصرۃ اربعا وثلثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین
وقیل ست عشرۃ غیر الوتر ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح من الاختلاف فی ذلک
انتہی ما نقل الشوکانی فی نیل الاوطار قال الحافظ فی فتح الباری ولم یقع فی ھذہ
الروایات عدد الرکعات التی کان یصلی بھا ابی بن کعب وقد اختلف فی ذلک وفی
الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید احدی عشرۃ ورواہ سعید بن
منصور من وجہ اخر وزاد فیہ وکانوا یقرؤن بالمئین ویقومون علی العصی من
طول القیام ورواہ محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف

فقال ثلاث عشرة رکعۃ ورواہ عبدالرزاق من وجہ اٰخر عن محمد بن یوسف فقال احدی وعشرین وروی مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید عشرین رکعۃ وھذا المحمول علی غیر الوتر وعن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بثلاث وعشرین وروی محمد بن نصر من طریق عطاء ادرکتہم فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ وثلاث رکعات الوتر والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان یکون ذلک الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفہا فحیث یطیل القراءۃ یقل الرکعات وبالعکس وبذلک جزم الداودی وغیرہ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ والثانی مرتب منہ والاختلاف فیما زاد علی العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر فکانہ تارۃ یوتر بواحدۃ وتارۃ بثلاث وروی محمد بن نصر من طریق داود بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال ھو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رایت الناس بالمدینۃ یقومون بتسع وثلثین وبمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی شیء من ذلک ضیق وعنہ قال ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القراءۃ فحسن والاول احب وقال الترمذی اکثر ما قیل فیہا انہا تصلی احدی واربعین رکعۃ یعنی بالوتر کذا قال وقد نقل ابن عبدالبر عن الاسود بن یزید تصلی اربعین ویوتر بسبع وقیل ثمان وثلثین ذکرہ محمد بن نصر عن ابن ایمن عن مالک وھذا یمکن ردہ الی الاول بانضمام ثلث الوتر لکن صرح فی روایتہ بانہ یوتر بواحدۃ فتکون اربعین الا واحدۃ قال مالک وعلی ھذا العمل منذ بضع ومائۃ سنۃ وعن مالک ستۃ واربعین و ثلاث الوتر وھذا ھو المشہور عنہ وقد رواہ ابن وھب عن العمری عن نافع قال لم ادرک الناس الا وھم یصلون تسعا وثلاثین ویوترون بثلاث وعن زرارۃ بن اوفی انہ کان یصلی بھم بالبصرۃ اربعا وثلاثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین وقیل ست

عشرۃ غیر الوتر وروی عن ابی مجلز عن محمد بن نصر واخرج من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ قال ابن اسحاق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی صلوۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم من اللیل انتہی کلام الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ وفی فتاوی الامام ابن القیم رحمہ اللہ ان نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فیہ عددا معینا بل کان صلے اللہ علیہ وسلم لا یزید فے رمضان ولا فی غیرہ علے ثلاث عشرۃ رکعۃ کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر رضی اللہ عنہ علی ابی بن کعب کان یصلے بہم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث وکان یخفف القراءۃ بقدر ما زاد من الرکعات لان ذلک اخف علے المامومین من تطویل الرکعۃ الواحدۃ ثم کان طائفۃ من السلف یقومون باربعین رکعۃ ویوترون بثلاث واٰخرون قاموا بست وثلاثین واوتروا بثلاث وھذا سائغ فکیف ما قام فی رمضان من ھذہ الوجوہ فقد احسن والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیہم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات وثلاث بعدھا کما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصلے لنفسہ فی رمضان ھو الافضل وان کان لا یحتملون فالقیام بعشرین ھو الافضل وھو الذی یعمل بہ اکثر السلف فانہ وسط بین العشرین والاربعین وان قام باربعین وغیرھا جاز ذلک ولا یکرہ شیٔ من ذلک وقد نص علے ذلک غیر واحد من الائمۃ کاحمد وغیرہ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا یزاد علیہ ولا ینقص فقد اخطأ فاذا کانت ھذہ السعۃ فے نفس عدد القیام فکیف الظن بزیادۃ القیام لاجل القراءۃ فکل ذلک حسن سائغ وقد ینشط الرجل فیکون الافضل فے حقہ تطویل العبادۃ وقد لا ینشط فیکون الافضل فے حقہ تخفیفہا وقد کانت صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معتدلۃ اذا اطال القیام اطال الرکوع والسجود واذا خفف القیام خفف الرکوع والسجود ھکذا

کان یفعل فی المکتوبات قیام اللیل صلوۃ الکسوف وغیر ذلک وقد تنازع الناس
هل الافضل طول القیام اوکثرۃ الرکوع والسجود اوکلاهما سواء علی ثلاثۃ اقوال
اصحها ان کلیهما سواء فان القیام اختص بالقراءۃ وهی افضل من الذکر والدعاء
والسجود نفسه افضل من القیام فینبغی اذا طول القیام ان یطول الرکوع والسجود
وهذا طول القنوت الذی اجاب به النبی صلے اللہ علیہ وسلم لما قیل له ای الصلوۃ
افضل فقال طول القنوت فان القنوت هو ادامۃ العبادۃ سواء کان فی حال القیام
او الرکوع او السجود کما قال تعالیٰ امن هو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما فسماہ قانتا
فی حال سجودہ کما سماہ قانتا فی حال قیامه انتهی المنقول من فتاوی ابن القیم رح
وقال الحافظ الترمذی فی جامعه واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم
ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وهو قول اهل المدینۃ والعمل علی هذا عندهم
بالمدینۃ واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلے اللہ
علیہ وسلم عشرین رکعۃ وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال
الشافعی وهکذا ادرکت الناس ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ وقال احمد روی
فی هذا الوان لم یقض فیه بشیء وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعۃ علی
ماروی عن ابی بن کعب اختار ابن المبارک واحمد واسحاق الصلوۃ مع الامام فی شهر
رمضان واختار الشافعی ان یصلی الرجل وحدہ اذا کان قارئا انتهی وقال الحافظ
فی الفتح وعن مالک فی احدی الروایتین وابی یوسف وبعض الشافعیۃ الصلوۃ فی البیوت
افضل عملا بعموم قوله صلے اللہ علیہ وسلم افضل صلوۃ المرء فی بیته الا المکتوبۃ
وهو حدیث صحیح اخرجه مسلم من حدیث ابی هریرۃ وبالغ الطحاوی فقال ان
صلوۃ التراویح فی الجماعۃ واجبۃ وعند الشافعیۃ فی اصل المسئلۃ ثلثۃ اوجه
من کان یحفظ القرآن ولا یخاف من الکسل ولا تختل الجماعۃ فی المسجد بتخلفه فصلوته
فی الجماعۃ والبیت سواء فمن فقد بعض ذلک فصلوته فی الجماعۃ افضل انتهی

وفی نیل الاوطار للشوکانی قال النووی واختلفوا فی ان الافضل صلاتها فی البیت منفردا او فی جماعة فی المسجد فقال الشافعی وجمهور اصحابہ و ابی حنیفة واحمد وبعض المالکیة وغیرهم الافضل صلوتها جماعة کما فعله عمر بن الخطاب والصحابة رضی الله عنهم واستمر عمل المسلمین علیه لانه من الشعائر الظاهرة فاشبه صلوة العید الی الخ الطحاوی فقال ان صلوة التراویح فی الجماعة واجبة علی الکفایة وقال مالك وابو یوسف وبعض الشافعیة وغیرهم الافضل فرادی فی البیت لقوله صلی الله علیه وسلم افضل الصلوٰة صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة متفق علیه وقالت العترة ان التجمیع بدعة انتهی وفی القسطلانی واستدل بقوله صلی الله علیه وسلم خشیت ان تفرض علیکم علی ان الافضل فی قیام رمضان ان یفعل فی المسجد جماعة لکونه صلی الله علیه وسلم صلی معه ناس فی تلك اللیالی واقرهم علی ذلك وانما ترکه لمعنی وقد امن بوفاته صلی الله علیه وسلم وهو خشیة الافتراض وبهذا قال الشافعی وجمهور اصحابه وابو حنیفة واحمد وبعض المالکیة وروی ابن ابی شیبة فعله عن علی وابن مسعود وابی بن کعب وسوید بن علقمة وغیرهم وامر به عمر ابن الخطاب واستمر علیه عمل الصحابة رضی الله عنهم وصار من الشعائر الظاهرة کصلوة العید وذهب آخرون الی ان فعلها فرادی فی البیت افضل لکونه صلی الله علیه وسلم واظب علی ذلك وتوفی والامر علی ذلك حتی مضی صدرا من خلافة عمر وقد اعترف عمر رضی الله عنه بانها مفضولة بقوله والتی ینامون افضل من التی یقومون وکان الناس یقومون اوله وبهذا قال مالك وابو یوسف وبعض الشافعیة واجیب بان ترك المواظبة علی الجماعة فیها انما کان لمعنی وقد زال وبان عمر رضی الله عنه لم یعترف بانها مفضولة وقوله والتی ینامون عنها افضل لیس فیه ترجیح الانفراد ولا ترجیح فعلها فی البیت وانما فیه ترجیح آخر اللیل علی اوله کما صرح به الراوی بقوله یرید آخر اللیل وفرق بعضهم بین من یثق بانتباهه وبین من لا

بشق یہ انتہی وقال الحافظ قولہ والتی تنامون عنہا افضل ھذا تصریح منہ بان الصلوۃ فی اٰخر اللیل افضل من اولہ لکن لیس فیہ ای الصلوۃ فی قیام اللیل فرادی افضل من التجمیع انتہی ومن مجموع مانقلناہ من کلام الحفاظ المحققین یعلم الجواب علی جمیع اطراف السوال انشاء اللہ تعالی وفی ھذا المقدار کفایۃ لمن لہ ھدایۃ فان کان صوابا فمن اللہ والحمد للہ وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان واستغفر اللہ۔

وان تجد عیبا فسد الخللا   فجل من لا عیب فیہ وعلا

واللہ المسئول ان یجذبنا بتوفیقہ الی سنن السنۃ وان یرزقنا العمل بما علمناہ منہا انہ اہل الفضل والمنۃ وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا الی یوم الدین سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین امین قال المولف رحمہ اللہ تعالی وقد فرغت من تبییض ھذہ الرسالۃ ثالث عشر فی شہر رمضان المعظم عام الف ومائتین وخمس وتسعین من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبہا افضل الصلوۃ وازکی التحیۃ۔

سوال:۔ کیا نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔ اگر ثابت ہے تو کتنی رکعتیں ہیں؟ اور انہیں کسی محقق محدث نے روایت ہے؟۔ اور کیا قیام رمضان کے لئے کوئی مخصوص عدد ہے کہ جس کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا؟۔ اور کیا بیس رکعتیں جنہیں تراویح کہتے ہیں نفس قیام رمضان ہی ہے؟ یا اس پر قیام رمضان کا لفظ صادق آتا ہے؟ حفاظ محدثین کے کلام سے بیان فرمائیں؟۔

جواب:۔ میں اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے کہتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اور نماز پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ان نمازیوں نے صبح ہونے پر دوسرے لوگوں کو بھی بتایا تو دوسری رات مجمع بہت

بڑھ گیا۔ اور آنحضرت کے ساتھ لوگوں نے نماز ادا کی تیسری رات باتیں سن کر لوگ بہت اکٹھے ہو گئے ؛ حتیٰ کہ مسجد کی تنگ دامانی ظاہر ہونے لگی۔ اس شب صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ اور پھر تم اسے پڑھ نہیں سکو گے۔ (اھ ملخصاً)

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے ہیں تو اس وقت یہی حکم تھا۔ مائی عائشہ رض ہی کی ایک روایت مسند احمد میں ہے۔ اس میں ہے کہ رمضان کی راتوں میں لوگ گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ جس شخص کو کچھ قرآن یاد ہوتا وہ پانچ، سات یا اس سے کم وبیش آدمی لے کر جماعت کرواتا۔ آنحضرت علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے حجرے کے دروازے پر ایک چٹائی بچھاؤں میں نے تعمیل ارشاد کی آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہاں آئے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ تو آپ نے نماز پڑھائی الخ اس روایت میں تیسری رات کا ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت عبدالرحمان بن عبدالقاری کی ہے، وہ کہتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک رات رمضان المبارک میں مسجد آیا لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ کوئی اکیلا تھا تو کوئی دو، چار کے ساتھ حضرت عمر نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر میں انہیں قاری پر جمع کر دوں تو اس سے بہتر ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو جماعت کرانے کا حکم دے دیا، ایک رات پھر میں حضرت عمر رض کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے، تو عمر نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ایک اچھی چیز ایجاد ہوئی ہے۔ (نعمت البدعۃ ھذہ) اور رات کا وہ حصہ جس میں یہ سو جاتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے جس میں یہ قیام کرتے ہیں (یعنی پچھلی رات) لوگ پہلی رات قیام کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

امام شوکانی نیل الاوطار میں کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ جائز ہے، لیکن پسندیدہ نوافل میں انفرادی صورت میں پڑھنا ہی ہے، مگر مخصوص نوافل جیسے عیدین، کسوف، اور استسقاء ہے۔ اور اسی طرح جمہور

کے نزدیک نماز تراویح بھی جب کہ معتکف ہو اس حدیث میں مسجد میں نوافل کا جواز بھی ہے۔ اگرچہ گھر بہتر ہے۔ شاید نبی علیہ السلام نے بیان جواز کے لئے ہی مسجد میں ادا کی ہوں یا آپ معتکف ہوں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس نے امامت کی نیت نہ کی ہو۔ اس کی بھی اقتدا ء جائز ہے، شوکانی کہتے ہیں کہ مشہور اور صحیح ہمارے مذہب میں یہی ہے لیکن اگر امام نے مقتدیوں کی اقتداء کے بعد ان کی امامت کی نیت کر لی۔ تو امام اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب حاصل ہو گا۔ اور اگر نیت نہ کی تو ثواب نہیں ہو گا۔ (علی الاصح) چونکہ اس نے نیت نہیں کی۔ اور اعمال کے ثواب کا دار و مدار نیتوں پر ہے، مقتدیوں نے چونکہ نیت کی ہے، اس لئے انہیں ثواب ہو گا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب مصلحت اور فساد کا تعارض ہو تو زیادہ اہم کا اعتبار کیا جائے گا۔ چونکہ نبی علیہ السلام مسجد میں نماز کو مصلحت سمجھتے تھے، جب اس کے مقابلے میں فرض ہونے کا خوف دیکھا تو اسے ایک عظیم فساد کے خطرے کے پیش نظر ترک کر دیا کہ وہ فرض ہونے پر اسے ترک کریں گے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب امام یا قوم کا سردار کوئی خلاف توقع کام کرے۔ اور اس میں اسے کوئی عذر ہو تو وہ لوگوں کو بتا دے تاکہ وہ کسی بدظنی میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت امام بخاری وغیرہ نے اس حدیث سے نماز تراویح پر استدلال کیا ہے، امام نے کتاب التراویح میں منجملہ دیگر احادیث کے اسے بھی ذکر کیا ہے، اور وجہ دلالت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے مسجد میں نماز ادا کی لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے آپ نے منع نہیں کیا۔ اور چھوڑا بھی نہیں مگر فرض ہونے کے ڈر سے مطلق جمع ہو کر رمضان کی راتوں میں نوافل ادا کرنے کی مشروعیت پر اس سے استدلال صحیح ہے، لیکن موجودہ زمانے میں رائج صورت یعنی مخصوص رکعتیں اور مخصوص قرأت اور باقاعدگی کے ساتھ پڑھنے پر بحث آگے آئیگی اھ۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رات نکلے تو لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی الخ۔ مسند احمد میں ہے، کہ مسجد تنگ ہو گئی۔ اس کی ایک روایت بطریق سفیان بن حسین میں ہے کہ چوتھی رات لوگ مسجد میں نہ سما سکے۔ موطا میں ہے کہ تیسری یا چوتھی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ نکلے۔ مختلف روایات کے الفاظ مختلف ہیں کسی میں ہے کہ لوگوں نے تیسری رات آپ کی تاخیر کی وجہ سے کھانسنا شروع کر دیا کسی میں ہے کہ لوگوں نے دروازہ کھٹکھٹایا کسی میں ہے کہ تیسری رات ہم نے خیال کیا کہ آج سحریاں بھی نہیں کھا سکیں گے۔ (اس قدر لمبا قیام کیا) یہ تھیں نبی علیہ السلام کی اجتماعی شکل میں رمضان میں مطلق قیام کی حدیث کی مختلف سندیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں ادا کیں

ابن عباس کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں بیس رکعتیں پڑھائیں، اور وتر بھی پڑھایا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ) ابن حبان میں ہے کہ آٹھ رکعتیں اور وتر یہی زیادہ صحیح ہے، کذا فی الزرقانی علی الموطا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ کی کسی سند میں بھی آنحضرت سے قیام کی تعداد مذکور نہیں ہے، لیکن ابن خزیمہ وابن حبان نے جابرؓ کی حدیث روایت کی ہے، جس میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ رمضان میں آٹھ رکعتیں اور وتر ادا کئے۔ جب اگلی رات ہوئی تو ہم پھر جمع ہوئے، اور آپ کے نکلنے کی امید کرتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی ہم آپ کے پاس داخل ہوئے، اور عرض کی اے اللہ کے رسول ص ا لخ اگر (عائشہؓ و جابرؓ کی حدیث میں) ایک ہی قصہ ہے تو پھر ممکن ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ تیسری رات آئے ہوں۔ اسی لئے انہوں نے دو راتوں کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح انسؓ کی ایک روایت مسلم میں ہے، کہ آنحضرتؐ رمضان میں نماز ادا کر رہے تھے۔ پس میں آیا۔ اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک اور آ گیا حتیٰ کہ ایک جماعت ہو گئی جب آپ کو ہمارا پتہ چلا تو آپ نے نماز مختصر کر دی، اور پھر تشریف لے گئے۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی اور قصہ ہے، جماعت کے ساتھ قیام رمضان آنحضرت کے قیام سے ثابت ہو گیا، آپ نے فرض ہونے کے ڈر سے اسے چھوڑا ہے، چونکہ آپ مومنوں پر رحم اور شفقت فرماتے تھے۔

ابوالولید باجی اور ابن التین کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تقریر سے استنباط کیا تھا کہ آپ۔ نے پڑھنے والوں کو منع نہیں فرمایا۔ جو مکروہ جانا تو صرف

فرضیت کے خوف کی وجہ سے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تو یہ خوف نہیں رہا تھا یعنی مسجد اور جماعت کی شرطِ صحت نوافل میں اسی طرف اشارہ ہے۔ زید بن ثابت کی حدیث میں (خشیت ان یکتب علیکم الخ) ممکن ہے کہ فرض کفایہ کی صورت میں فرضیت کا ڈر ہو اس صورت میں صلوٰۃ خمسہ پر زائد فرض نہ ہوتا۔ ممکن ہے کہ صرف قیام رمضان کی فرضیت کا خوف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ چونکہ قیام رمضان کی تکرار سال بھر نہیں ہے۔ پھر بھی یہ صلوٰۃ خمسہ پر قدر زائد نہ ہوتی۔

حافظ نے فتح الباری میں ابن عبدالبر سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے صرف اسی چیز کو سنت قرار دیا تھا۔ جو آنحضرتؐ کو پسند تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت (یعنی باقاعدگی) سے تو صرف اس لئے منع فرمایا تھا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے، جب فرضیت کا خوف باقی نہ رہا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں اس سنت کو پھر سے زندہ کر دیا، اور آنحضرتؐ سے اسے سنت قرار دینے پر یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا ان اللہ فرض علیکم قیام رمضان سنت لکم قیامه الخ اخرجه احمد و النسائی و ابن ماجة والبیهقی عن عبدالرحمٰن بن عوف۔

حضرت عمرؓ نے اس میں رغبت دلانے کے لئے فرمایا (نعمت البدعة هذه) چونکہ کلمہ نعم۔ جمیع محاسن کو مشتمل ہوتا ہے، جیسا کہ کلمہ بئس جمیع برائیوں کو متضمن ہوتا ہے، آنحضرت کا ارشاد ہے اقتداکرو۔ ان کی جو میرے بعد ہیں۔ یعنی ابوبکر و عمر یہ حذیفہ کی حدیث کے الفاظ ہیں، جو مسند احمد اور ترمذی میں ہے۔

حافظ شوکانی "القول المفید فی حکم التقلید" میں فرماتے ہیں یہ حدیث سنن میں معروف، مشہور اور ثابت ہے۔

اور سنن کی کتابوں میں عرباض بن ساریہ کی صحیح اور ثابت حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی" اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ اس حدیث میں ہے۔ کہ خلفاء راشدین جب کسی چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد سنت قرار دیں۔ اس پر عمل پیرا ہونا آنحضرتﷺ کے فرمان پر عمل کی وجہ سے ہے کہ آپ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے اور ابوبکر و عمر کی اقتداء کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ امت کے کسی عالم کی اقتداء کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ہی ائمہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کی اقتداء کا حکم فرمایا حاصل کلام یہی ہے کہ ہم جو ابوبکر و عمر کی اقتداء کرتے ہیں۔ تو صرف آنحضرتﷺ کی تعمیل ارشاد کے لئے آپ نے فرمایا۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهديين من بعدی نیز فرمایا اقتدوا بالذين من بعدى ابو بكر و عمر۔ آنحضرت نے خلفاء راشدین کی تخصیص فرمائی۔ اور ان کی سنت کو اپنی سنت کی مانند قرار دیا۔ (اتباع میں) اگر خلفاء راشدین کے ساتھ دوسروں کا اطلاق درست ہوتا تو ان کے صحبت و علم کے ساتھی (دیگر صحابہ) مقدم ہوتے ان لوگوں پر جو خلفاء کے ساتھ ان کی کسی فضیلت میں بھی شریک نہیں ہیں بلکہ ان کی باہمی نسبت ایسے ہی ہے جیسے خاک اور ثریا کی نسبت ہے۔ اگر یہ فضیلت انہیں کے ساتھ خاص اور انہیں میں محصور نہ ہوتی تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت سے دیگر صحابہ کے علاوہ ذکر نہ کرتے۔

جہاں تک حدیث۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم[1] کا تعلق ہے (میرے صحابہ ستاروں کی مانند جس کی ان میں سے تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) یہ حدیث حضرت جابر اور ابن عمر کے طرق سے مروی ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس فن کے اماموں نے اس پر کافی و شافی بحثیں کی ہیں۔ غرضیکہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو اس میں صحابہ کرام کی غیر صحابہ پر فضیلت کا ثبوت ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی کے قول کو لیں گے۔ تو صرف اس لئے کہ حضورﷺ نے ہمیں ہدایت فرمائی

---

[1] اس حدیث پر تفصیلی اور تحقیقی بحث اور عمدہ نقد کے لئے ملاحظہ ہو حضرت النواب سید صدیق الحسن رحمہ اللہ م ۱۳۰۷ھ کی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۱۳۵۔ (عبدالرشید سلفی)

ہے کہ ان کی اقتدا میں ہدایت ہے، اس صورت میں بھی ہم اتباع سنت اور عمل با لحدیث سے خارج نہیں ہوں گے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ کے بارے میں کہا تھا۔ اس نے تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے، تم ویسے ہی کرو (ابوداؤد باب الاذان)

وہ صرف حضرت معاذ کے کرنے سے نہیں۔ بلکہ آنحضرت ؐ کے فرمانے سے سنت ہوتی ہے۔ یہی جواب ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا جو انہوں نے صحابہ کی تعریف میں فرمایا

یعنی رفاعہ فوالھم حقھم و تمسکوا بھدیھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔

پس پہنچانو صحابہ کا حق اور چمٹے رہو ان کے طریقے سے بے شک وہ صحیح راستہ پر تھے۔

ہاں ایک جواب ان تمام احادیث وآثار سے یہ بھی دیا جا سکتا ہے، کہ ان صحابہ کی سنت کو سنت پکڑنے اور ان کی اقتدا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک وہی کچھ کرتا تھا جو آنحضرت ؐ نے کیا۔ وہ جو کچھ کرتے اور کہتے تھے۔ وہ آنحضرت ؐ کے افعال و اقوال کا عکس ہوتا تھا۔ ان کے اقوال و افعال آنحضرت ؐ کے افعال و اقوال کی گویا کہ حکایت ہی تھے، ان کی اقتدا آنحضرت کی اقتدا ٹھہری اور ان کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا مطلب ہے، آنحضرت کی سنت پر عمل کرنا اس کے لئے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کے عبادات و معاملات میں عمل کی طرف توجہ کر کے دیکھ لیں، جہاں کہیں ان میں اختلاف ہے، وہ روایت کرنے میں ہے ا رائے میں نہیں ہے۔ صحابہ سے صادر ہونے والے افعال خصوصاً عبادات میں آپ کوئی ایسا فعل نہیں دیکھیں گے۔ جس کی بنیاد ان کی رائے پر ہو۔ وہ صرف اسی پر عمل کرتے تھے۔ جس کا آنحضرت ؐ یا خلفاء راشدین میں مشاہدہ کرتے تھے۔ وہ تو صرف مبلغ تھے، اسی لئے اکابر صحابہ سے رائے کی مذمت مروی ہے۔ وہ سنت کے سوا اور کسی چیز کی طرف لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتے تھے۔ جہاں کہیں ان کے اپنے اجتہادات کا ذکر ہے، وہ کتاب وسنت سے خارج نہیں ہیں، بلکہ یا تو بتصریح یا بتلویح کتاب وسنت میں موجود ہیں اور جہاں کہیں کسی صحابی کو رائے اور اجتہاد سے کام لینا پڑا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ صحابی

بہت تنگی محسوس کرے گا۔ اور ساتھ ہی تصریح بھی کرے گا۔ کہ یہ میری اپنی رائے ہے، خطاء کو اپنے نفس اور شیطان کی طرف منسوب کرے گا۔ اور صواب و درستی کو اللہ کی طرف یہ بڑی نفیس بحث ہے، اس پر مزید غور خوض کرنا چاہیئے۔ اھ

اسی "القول المفید" میں امام شوکانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس بدعت کی تفسیر میں جو آنحضرت سے صحیح اور ثابت حدیث میں مروی ہے۔ دخیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" فرماتے ہیں۔ تمام نئی امور دو قسم پر ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات نکال لیں یہ تو بدعت ضلالت ہے، دوسرے جو قرآن و سنت سے مستنبط ہوں کسی کو اس میں خلاف نہ ہو۔ یہ محدث مذموم نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمر نے فرمایا نعمت البدعۃ ھذہ۔ اھ نیز آپ کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ آپ سے حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کے متعلق لوگوں نے بہت طویل کلام کئے ہیں۔ اس کی صحیح تاویل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صحیح بات قابل عمل وہی ہے، جس پر یہ ترکیب عربی لغت کی رو سے دلالت کرتی ہے۔ لغت میں سنت کا معنی طریقہ کا ہے۔ گویا کہ آپ نے فرمایا۔ الزموا طریقتی وطریقۃ الخلفاء الراشدین۔ تو صحابہ کرام کا طریقہ نفس آنحضرت ؐ کا طریقہ ہی تو تھا وہ اس پر عمل کرنے میں سخت حریص تھے۔ وہ معمولی امور میں بھی آپ کی مخالفت سے ڈرتے تھے کجا بڑے معاملات۔

اور جب انہیں کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ملتی تو وہ باہمی بحث و مشاورۃ سے جس نتیجے پر پہنچتے اس پر عمل کرتے۔ اور یہ بھی آنحضرت ؐ کی سنت ہی ہے، جیسا کہ اس پر معاذ والی حدیث سے دلیل ملتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے کہا تھا۔ کہ کیسے فیصلہ کرو گے۔ عرض کی کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر عرض کی حدیث سے فرمایا اگر حدیث بھی نہ ملے تو عرض کیا اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ الحمدللہ

جس نے میرے پیامبر کو توفیق دی (او کما قال) اگرچہ بعض اہل علم کو اس حدیث میں کلام ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حسن لغیرہ کی قسم سے ہے، اور حسن لغیرہ معمول بہ ہے، میں نے ایک مستقل بحث میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پس اگر آپ یہ کہیں کہ اگر جمیع صحابہ کا اپنی آراء پر عمل سنت ہے، تو پھر حضور ؐ کے قول و سنۃ الخلفاء الراشدین کا کیا فائدہ ہے، جواب یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں نے حضور کا زمانہ نہیں پایا۔ صرف خلفاء راشدین کا زمانہ ہی پایا ہے، یا پھر زمانہ تو آنحضرت اور خلفاء کا پایا۔ مگر امر حادث حضور کے زمانے کے بعد خلفاء کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا۔ پس خلفاء نے اس پر عمل کیا تو سنۃ خلفاء راشدین کی قرار پائے گی۔ اس حدیث سے اسی طرف اشارہ ہے۔

اسی بناء پر بعض امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبت فعل اپنی ذات اور اپنے صحابہ کیطرف کی ہے۔ حالانکہ اپنی طرف نسبت کے بعد کسی غیر کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (ان محل القدح ومکان الاسوۃ)

مجھے اس حدیث کی یہی تفسیر سمجھ آئی ہے، اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اگر خطا ہے۔ تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اھ۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں، کہ دراصل حدث اُسے کہتے ہیں جس کی پہلے مثال نہ ہو۔ اور شرع میں اس کا اطلاق سنت کے مقابل پر ہوتا ہے۔ پس یہ مذموم ہوگی۔ اھ۔

زرقانی میں ہے کہ حضرت عمر نے اسے نعمت البدعۃ کہا ہے، چونکہ اس فعل کا اصل سنت سے ثابت ہے، بدعت ممنوعہ تو وہ ہے، جو خلاف سنت ہو۔ ابن عمر نے چاشت کی نماز کے بارے میں فرمایا نعمت البدعۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ۔

ابن عبدالبر باجی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمر نے خود ہی تصریح کردی ہے، کہ سب سے پہلے قیام رمضان میں ایک امام پر انہوں نے جمع کیا۔ اور پھر صحابہ نے اس کی پیروی کی۔ اور یہ رائے اور اجتہاد کی صحت کی دلیل ہے اھ۔

زرقانی کہتے کہ عمر نے اسے اس لئے بدعت کہا کہ یہ سنت حضورؐ اور ابوبکرؓ کے اوقات میں نہیں تھی۔ لیکن جب عمر کے زمانے میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا۔ تو اس سے بدعت کا لفظ زائل ہو گیا۔ اھ۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن وہب نے جو ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ مسجد کے کونے میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی یہ ابی بن کعب لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا کر رہے ہیں اھ۔ ابن عبدالبر نے اسے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں مسلم بن خالد راوی ضعیف ہے، اور محفوظ بات یہی ہے کہ اولاً حضرت عمر نے ہی ابی بن کعب پر لوگوں کو جمع کیا تھا۔ حدیث یؤمھم اقرؤھم کتاب اللہ ۔ کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اھ۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے، قیام رمضان سے مراد اس کی راتوں کا قیام نماز کی حالت میں ہے۔ نووی نے ذکر کیا ہے۔ کہ قیام رمضان سے مقصود نماز تراویح ہے، شوکانی نیل میں کہتے کہ قیام کے لئے ساری رات نماز میں مشغول رہنا مراد نہیں ہے، بلکہ صرف اسی قدر جس پر لفظ قیام صادق آ سکے اھ۔ حافظ نے ابن تین کے حوالے سے حضرت عمر کے فرمان لوجمعت ھؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ۔ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عمر نے آنحضرت کی تقریر سے استنباط کیا ہے۔ مگر وہ آپ نے صرف اس وجہ سے جانا تھا کہ فرضیت کا ڈر تھا۔ آنحضرت کی وفات کے بعد امن ہو گیا۔ اسی لئے جمہور بھی حضرت عمر کے قول کی طرف گئے ہیں۔ ابن بطال نے تو کہا ہے کہ تراویح سنت ہے۔ چونکہ عمر نے اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہی اخذ کیا ہے، امام بخاری کی حدیث عائشہ کو حدیث عمر کے بعد لانے میں بھی یہی راز ہے۔

"سبیل الجرار علی الازہار" میں امام محمد بن علی شوکانی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ چونکہ حضرت عمر نے اسے آنحضرت کے فعل سے اخذ کیا ہے، اس لئے یہ سنت ہے بدعت نہیں ہے، آنحضرت سے رمضان کی راتوں میں نوافل باجماعت ثابت ہیں انہوں

نے مذکورۃ الصدر احادیث کا ذکر بھی کیا ہے۔

تعداد رکعات آخر میں کہتے ہیں کہ بعض اہل علم نے جو بیس رکعتوں کو مستحسن کہا اور ہر رکعت میں مخصوص قرأت کو معین کر دیا ہے، یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیل الاوطار میں شوکانی کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ تعداد رکعات کے بارے میں بخاری شریف میں عائشہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ابن حبان میں جابر کی روایت میں ہے آپ نے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ سلیم رازی نے کتاب الترغیب میں زیادہ کیا ہے کہ تین وتر بھی پڑھتے تھے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان متفرد ہے، اور وہ ضعیف ہے، گویا حدیث ضعیف ہے۔

قرأت ہر رکعت میں مخصوص قرأت کے اندازے کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی حاصل کلام یہ ہے، کہ باب کی احادیث سے قیام رمضان کی مشروعیت جماعت کے ساتھ اور اکیلے اکیلے ثابت ہے، مخصوص عدد اور مخصوص قرأت کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی اھ۔ ابن عباس کی جو حدیث ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، اسے ابن عبدالبر اور بیہقی نے ابن ابی شیبہ کے دادے ابی شیبہ کی روایت سے ضعیف قرار دیا ہے، اور اس کے مقابلے میں حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت بھی ہے، کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور عائشہؓ آپ کے رات کے امور کی زیادہ واقف ہیں۔ مجھے گیارہ رکعت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے۔ کہ چونکہ دن کے فرائض آٹھ ہیں چار ظہر کے چار عصر کے اور مغرب دن کے وتر ہیں۔ تو اس مناسبت سے رات کی نماز بھی دن کی نماز کے برابر رکھی گئی۔ اور جہاں تیرہ ۱۳ کا ذکر ہے تو اس میں فجر کو شامل کر لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے۔ تو حضرت کے زمانے میں اور اس کے بعد زمانہ تابعین کے بارے میں سنن بیہقی میں ہے، صحیح سند کے ساتھ کہ عمر کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا۔ کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں، اور حضرت عائشہؓ کی بھی گیارہ رکعت والی روایت مؤطا میں موجود ہے۔ لیکن دوسروں نے عائشہ رضؓ کی روایت میں احدی وعشرین کے لفظ روایت کئے ہیں۔ صرف مالک نے احدی وعشرۃ کا لفظ ذکر کیا ہے ابن حجر کہتے ہیں اھ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مالک اس کے ساتھ اکیلے ہیں۔ سعید بن منصور نے محمد بن یوسف کی روایت سے بھی احدی عشرۃ ذکر کیا ہے، جیسے مالک نے کہا ہے۔ مالک نے یزید بن رومان سے ذکر کیا ہے، کہ عمر کے زمانے میں تیئیس رکعتیں تھیں۔ زرقانی کہتے ہیں کہ بیہقی نے تطبیق دی ہے، کہ پہلے طول قیام کے ساتھ گیارہ کا حکم دیا تھا پھر لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے تخفیت کے ساتھ تیئیس کا حکم دیا اھ۔ لمبی بحث کے بعد شوکانی نے نیل میں بھی یہی خلاصہ نکالا ہے، اور اپنی تائید میں داؤدی کا ذکر بھی کیا ہے۔

محمد بن نصر نے بطریق داؤد بن قیس ذکر کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو ریان اور عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں مدینہ میں ۳۶ رکعت پڑھتے پایا۔ اور تین وتر پڑھتے تھے۔ مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ۳۹ ہیں اور مکہ میں ۲۳ ہیں۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام ترمذی نے زیادہ سے زیادہ ۴۱ کا ذکر کیا ہے۔ شوکانی نے نیل میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں لمبی بحثیں کی ہیں۔ جو اوپر عربی میں ذکر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی عدد معین نہیں ہے طول قیام کے ساتھ کم رکعتیں پڑھتے۔ اور اگر قیام تھوڑا کرتے تو رکعتیں زیادہ پڑھتے یہی صورت افضل دالی ہے۔ امام ابن قیم کے فتاویٰ میں ہے کہ نفس قیام رمضان میں آپ نے کوئی عدد متعین نہیں فرمایا۔ صرف یہی ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں ادا کرتے تھے۔ قیام لمبا فرماتے تھے۔ جب حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا تو اس نے بیس رکعتیں پڑھائیں۔ اور قیام مختصر کیا پھر سلف میں سے بعض نے چالیس اور

بعض نے چھتیس پڑھیں۔ بہتر صورت یہی ہے کہ دس رکعتیں اور تین وتر ہوں، اور قیام طویل ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کوئی تعداد مقرر ہے، اس کی غلطی ہے۔ اھ ملخصاً۔ شافعی قاری کے لئے اکیلا پڑھنے کو اختیار کرتے ہیں۔ حافظ نے بھی فتح الباری میں مالک کے ایک قول ابو یوسف اور بعض شافعیہ کے حوالے سے یہی لکھا ہے۔ چونکہ حدیث میں ہے، افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (مسلم) طحاوی نے مبالغہ کیا اور کہا ہے، کہ نماز تراویح جماعت کے ساتھ واجب ہے اھ۔ شافعی اور اس کے جمہور ساتھیوں نے اور ابو حنیفہ اور احمد نے جماعت کے ساتھ پڑھنے کو افضل کہا ہے۔ جیسا کہ عمرؓ نے حضرات صحابہ کو جمع کیا تھا۔ بعض شافعیہ، مالک اور ابو یوسف کا خیال ہے کہ گھر میں افضل ہے۔ اھ۔ ہم نے جو حفاظ متقنین کے کلام کے خلاصے درج کئے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے سوال کے تمام اطراف پر روشنی پڑ گئی ہوگی۔ اللہ توفیق عمل سے نوازے مؤلف کہتا ہے، کہ اس کی ترتیب سے ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۲۹۵ھ میں فراغت ہوئی۔ مترجم کہتا ہے کہ اس کے ترجمہ و تلخیص سے ۱۳؍ شعبان المعظم کو فراغت میسر آئی۔ صلی اللہ علی حبیبہ محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر عبد الرشید بن عبد العزیز السلفی عفی اللہ عنہما مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

تراویح کی تعداد

مولانا محمد یحییٰ صاحب منڈی عثمانوالہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؟

الجواب بعون الوہاب:- واضح باد کہ احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعت ثابت ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے:-

عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدیٰ عشرۃ رکعۃ الحدیث - ترجمہ:- ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی۔ تراویح کی نماز کئے رکعت پڑھتے تھے، پس عائشہ رض نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں، یعنی آنحضرت کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی۔ صحیح بخاری جلد ۱ و مسلم جلد ۱ میں ہے:-

عن عروۃ عن عائشۃ اخبرتہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلی فی المسجد فصلی رجال بصلوتہ فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منہم فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فصلی فصلوا بصلوٰتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ حتی خرج بصلوۃ الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشہد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنہا فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم و ذٰلک فی رمضان۔

ترجمہ:- عروہ بن زبیر سے عائشہ رض نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ایک

رات مسجد میں نماز پڑھی، اور کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدار کی صبح کو انہوں نے اور لوگوں سے ذکر کیا۔ دوسری رات کو کچھ لوگ زیادہ جمع ہوئے، جن کی گنجائش مسجد میں نہ رہی، اس رات کو آپ نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے، اور نماز صبح کے بعد "خطبہ" پڑھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کا اس نماز کو جماعت سے پڑھنے کے شوق میں جمع ہونا معلوم ہے۔ لیکن میں نے جماعت سے اس لئے نہیں پڑھی، کہ مجھ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں یہ جماعت تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم سے ادا نہ ہو سکے۔ غرض آپ نے اس نماز میں جماعت موقوف کر دی، اور اصل نماز قائم رکھی، اور فرمایا کہ تم لوگ اس نماز کو گھروں میں پڑھا کرو، صحیح بخاری جلد اصفحہ ۱۹۸ و ۲۶۹ فتوفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والامر علےٰ ذلک ثم کان الامر علےٰ ذلک فی خلافۃ ابی بکرؓ وصدرا من خلافۃ عمرؓ۔ یعنی آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ جماعت قائم نہ ہوئی، اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ابتدائے عہد خلافت تک بھی یہی حال رہا، اگر کوئی سوال کرے کہ اس حدیث میں اس بات کا بیان نہیں ہوا۔ کہ ان راتوں میں آنحضرتؐ نے کتنی رکعت نماز پڑھائی تھی۔

جواباً عرض ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بذیل شرح اس حدیث کے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے بروایت جابرؓ نقل فرماتے ہیں کہ آں حضرت نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ فتح الباری کی عبارت یہ ہے۔ لم ار فی شیئ من طرقہ بیان عدد صلوٰتہ فی تلک اللیالی لکن روی ابن خزیمۃ و ابن حبان من حدیث جابرؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر علامہ عینی حنفی نے بھی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان سے نقل فرمایا ہے، عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے:۔ فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورۃ عدد الصلوٰۃ التی صلاھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی قلت روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔ ترجمہ:۔ اگر تو سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی، اس کی تعداد روایات مذکورہ بالا میں بیان نہیں ہوئی۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا۔ کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابر رضی کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد اصفحہ ۲۹۳ میں اس کو بحوالہ صحیح ابن حبان بدیں عبارت نقل فرمایا ہے،

عند ابن حبان فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ انہ علیہ السلام قام بھم فی رمضان فصلے ثمان رکعات ثم اوتر۔ الحدیث۔ علامہ موصوف نے صفحہ ۲۷۶ میں یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ابن حبان کس جگہ واقع ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، رواہ فی النوع التاسع والستین من القسم الخامس ابن حبان نے حدیث مذکورہ بالا کو اپنی صحیح کی پانچویں قسم کی انہترویں نوع میں روایت کیا ہے،

یہ روایت قیام اللیل مروزی کے صفحہ ۱۶۰ معجم الصغیر طبرانی مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۱۰۸۔ سبل السلام جلد ۲ صفحہ ۱۰ میں بدیں الفاظ مروی ہے:۔ عن جابر قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی رمضان ثمان رکعۃ والوتر الی ان قال اسنادہ وسط۔

اور نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ میں علامہ شوکانی رح فرماتے ہیں:۔ واما العدد الثابت عنہ صلے اللہ علیہ وسلم فی صلاتہ فی رمضان فاخرج البخاری وغیرہ عن عائشۃ ما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ واخرج ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر انہ صلے اللہ علیہ وسلم صلے بھم ثمان رکعات ثم اوتر۔

ترجمہ:۔ ان رکعات کی تعداد جو آنحضرت ص سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے اس کو امام بخاری وغیرہ نے عائشہ رض سے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ابن حبان نے جابر رض سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع وتر گیارہ رکعت پڑھائی تھیں آنحضرت ص کے زمانہ مبارک میں کسی صحابی سے بھی بیس ۲۰ رکعت یا بیس ۲۰ رکعت سے زیادہ

تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں، بلکہ صحابہ نے اپنی تراویح کی کبھی تصریح کی تو اس قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی آٹھ رکعت اور وتر جیسا کہ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۰ میں ہے:۔ وبہ عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اللیلۃ شئ قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بہن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ کان شبہ الرضاء۔ ترجمہ:۔ ابی بن کعب رمضان میں آں حضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات ایک بات ہوگئی، آپؐ نے فرمایا کون سی بات ہوگئی اے ابی! انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور تمہاری اقتداء کریں، تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دیے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر سکوت فرمایا، اور گویا اس بات کو پسند کیا۔ الحاصل مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، اور آپ نے رمضان تین رات نماز پڑھائی تھی، ان راتوں میں آٹھ تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے، آپ کے سامنے صحابہ کرامؓ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲۲

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

توضیح الکلام:۔ علامہ عینی حنفی المذہب نے بذیل شرح اس حدیث عائشہ صدیقہؓ کے چند سوال مع جواب، بغرض توضیح مطلب اس حدیث کے لکھتے ہیں۔ سوال اول مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب عشرہ آخیر آتا تو آپ رات کو بیدار رہتے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے، اور اپنی کمر عبادت کے لیے چست باندھتے اور عبادت میں بھی بہت کوشش فرماتے، ان دونوں حدیثوں سے ثابت

ہوتا ہے کہ آپ آخر عشرہ رمضان میں اپنی عادت مستمرہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے، اس صورت میں مذکورہ بالا حدیث اور ان دونوں حدیثوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، اس میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

جواب:۔ آپ آخری عشرہ میں صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے، یعنی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے، اور رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے۔ رکعتوں کی تعداد اسی قدر تھی جو حدیث بالا میں مذکور ہوئی، یعنی گیارہ رکعت زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سوال:۔ جس قدر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں رکعتیں پڑھا تے تھے، ان کی تعداد میں خود عائشہ صدیقہؓ سے مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کسی میں تو گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے، اور کسی میں ہے تیرہ رکعت پڑھتے تھے، اور کسی میں ہے کہ سات اور نو ہی پڑھ لیا کرتے تھے، اس اختلاف کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ جس روایت میں تیرہ کا ذکر آیا ہے، اس میں فجر کی سنت بھی شامل ہے، اور جس میں سات اور نو کا ذکر ہے، وہ کبر سنی کی حالت میں عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۶۶۸ بحوالہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی للعلامۃ عبدالرحمٰن المبارک پوری صفحہ ۱ جلد ۲ صفحہ ۳، علامہ عینی حنفی نے دوسرے سوال کے جواب میں حضرت کا گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا تجویز نہیں کیا، اور یہ فرمایا ہے، کہ جس روایت میں تیرہ رکعت کا پڑھنا آیا ہے، اس میں فجر کی سنت بھی شامل۔ لیکن حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھیں ہیں۔ چونکہ ان میں سے اول کی دو رکعتیں آپ ہلکی پڑھتے تھے، اور عام طور پر یہی آپ نے فرمایا ہے، کہ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھنی چاہئے، لہٰذا کبھی ان رکعتوں کا شمار کیا گیا۔ اور کبھی نہیں کیا گیا۔ جب شمار کیا گیا تو تیرہ ورنہ گیارہ پہلی دو رکعت ہلکی پڑھنے کا ثبوت مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ میں زید بن خالد عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ سے مروی ہے، ملاحظہ کر لیں۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲۲

سوال :۔ خلفاء راشدین کا کیا عمل رہا ہے، انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا ہے ؟

جواب :۔ صحیح سند سے خلفاء راشدین میں بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے کچھ ثابت نہیں ہے، کہ وہ حضرات کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، یا کتنی رکعتیں پڑھنے کا حکم دیتے تھے، ومن ادعی فعلیه البیان ہاں حضرت عمرؓ سے البتہ بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے عن السائب بن یزید انه قال امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة۔

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں، سند اس کی بہت صحیح ہے، اور مصنف بن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے، جب حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنی رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے، مگر جب صحیح حدیث سے ثابت کہ آنحضرتؐ گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور جن راتوں میں آپؐ نے صحابہ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ رکعت پڑھنا ثابت ہے، تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے، امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے، قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما الناس باحدی عشرة رکعة، اسی طرح امام محمد بن نصر مروزی کی قیام اللیل میں بھی اور زمانہ عمر کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے، حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطابؓ باحدی عشرة رکعة یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، حافظ سیوطیؒ اس روایت

کی سند کی نسبت فرماتے ہیں۔ سندہ فی غایۃ الصحۃ۔ سند نہایت صحیح ہے، نہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، واللہ اعلم

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲۳

۲۴/۲/ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

سوال:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کسی صحیح حدیث سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت نہیں اس سلسلہ میں ایک ضعیف احادیث اور منقطع اثر پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے، حالانکہ ایسی احادیث اور آثار کو فقہائے عظام نے ضعیف اور منقطع قرار دے کر ناقابل اعتبار بنا دیا ہے مسئلہ کے ثبوت کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے، وہ احادیث اور آثار نقل کر کے ان کا ضعف اور انقطاع درج کیا جاتا ہے، وھو ھذا

۱:۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلی التراویح عشرین رکعۃ یغفر اللہ لہ عشرین الف ذنوبہ، واعطے لہ اجر عشرین شہیداً واعتق عشرین بلاحوالہ ہے۔

۲:۔ عن ابن عمرؓ انہ قال قال علیہ السلام من صلے عشرین رکعۃ من التراویح قبل الوتر اعطی اللہ لہ نورا عشرین مرتبۃ فی الجنۃ فکل مدینۃ شھر وکل شھر من ثلثین ایام ویوم مقدار سنۃ۔ فقد المتین بحوالہ فتاوی شنا ثیہ ج ۱ ص ۲۴۳

یہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں، آج تک کسی مستند کتاب میں نہیں دیکھیں۔ بلکہ وہ حنفی مسلک کے ذمہ دار علماء نے بھی کہیں نقل نہیں کی ہیں۔

۲۔ عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ الحدیث فتاوی ثنائیہ۔ رواہ البیہقی باسناد صحیح بذل المجھود شرح ابی داؤد للعلامہ خلیل احمد حنفی ج ۲ ص ۳۰۲ لکن فی اسنادہ ابو عبداللہ بن فنجولۃ الدینوری ولم اقف علی ترجمتہ فمن یدعی صحۃ ھذا الاثر فعلیہ ان یثبت کونہ ثقۃ قابل للاحتجاج۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

۴۔ و فی روایۃ اخری للبیہقی عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب عشرین رکعۃ والوتر الخ اس اثر کی سند میں ابو عثمان بصری۔ عمرو بن عبداللہ۔ علامہ نیموی حنفی نے اپنی قابل قدر کتاب آثار سنن میں کہا ہے، لم اقف من ترجم لہ کہ میں ابو عثمان کے حالات سے ناواقف ہوں۔ نیز اسی سند میں ابو طاہر فقیہ ہے، اس کے ثقہ ہونے میں شبہ ہے، علاوہ ازیں روایت صحیح مرفوع حدیثوں کے اور جو حضرت سائب بن یزید کی مندرجہ ذیل صحیح ترین روایتوں میں مخالف ہیں۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہ قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ۔ علامہ سیوطیؒ نے اس اثر کے نقل کے بعد لکھا ہے، اسنادہ فی غایۃ الصحۃ وھو ایضاً معارض بما رواہ محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب ابن یزید انہ قال نصلی زمن عمرؓ فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ وھو ایضاً معارض بما رواہ مالک فی المؤطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطابؓ ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

ان تینوں روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھا کرتے تھے،

فاثر السائب بن یزید رواہ البیہقی۔ (فی اثبات عشرین رکعۃ) لا یصلح للاحتجاج تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۵ حنفیہ ۲۰ رکعت تراویح کے ثبوت میں یہ اثر بھی پیش

کرتے ہیں:۔ عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر ابن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ رواہ مالک ۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۶۲ء میں کسی مسئلہ تراویح کے سائل کے جواب میں اس منقطع اثر کو سامنے رکھ، صحیح احادیث و آثار سے دانستاً اعراض کر کے محض اپنے مسلک کی حمایت کی خاطر ۲۰ تراویح کا فتویٰ دیا گیا ہے، جو محض دھوکا ہے، کاش کہ مفتی صاحب علامہ جمال الدین زیلعی حنفیؒ کا نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ اور علامہ عینی حنفی کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ و دیگر فقہائے عظام و علمائے احناف کو سامنے رکھ کر فتویٰ ارشاد فرماتے۔ اس کے منقطع ہونے کا حال سنیئے۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایۃ میں فرماتے ہیں۔ یزید بن رومان لم یدرک عمرؓ اسی طرح علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں فرماتے ہیں۔ ویزید لم یدرک عمرؓ ففیہ انقطاع یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ یہ روایت سنداً صحیح نہیں، بلکہ منقطع السند ہے۔ اس لئے کہ یزید بن رومان جو اس حدیث کے راوی ہیں، انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ میں فرماتے ہیں۔ رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع۔ بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں بڑے شد و مد سے ایک مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو یہ ہے:۔ روی ابن شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی و البیہقی من حدیث ابراھیم بن عثمان ابی شیبۃ عن الحکم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

یہ حدیث خود محققین احناف کے نزدیک قابل حجت نہیں۔ بلکہ ضعیف ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام حنفیؒ فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ اما ما رواہ ابن شیبۃ فی مصنفہ ... ... النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح یعنی یہ حدیث ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان جو امام ابی بکر کا دادا ہے، باتفاق ائمہ

ضعیف ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث صحیح حدیث کے مخالف ہے، اسی طرح علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ اور علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ پر اس حدیث کو بوجہ ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان ضعیف اور معلول قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ یحییٰ بن معین۔ امام بخاری۔ اور امام نسائی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱۷ پر فرماتے ہیں۔ کہ ۲۰ رکعت والی حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کے مخالف ہے، جو صحیحین میں ان سے مروی ہے، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی اس ۲۰ رکعت والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تعلیق الممجد علی موطا محمد صفحہ ۱۴۲ مولانا ظہیر احسن نیموی بھی اس حدیث کو ضعیف تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے ضعیف پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب حنفی حدیث ابن عباسؓ کے متعلق فرماتے ہیں، واما النبی فصح عنہ علیہ السلام ثمان رکعات واما عشرون رکعۃ فھو عنہ علیہ السلام بسند ضعیف و علی ضعفہ اتفاق (عرف الشذی ص ۳۳) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر آٹھ ہی رکعات تراویح ثابت ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت بالاتفاق سنداً ضعیف ہے، ان حضرات کے علاوہ اور بے شمار ائمہ حدیث نے حدیث ابن عباس کو ضعیف کہہ کر ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل ان عمر بن الخطاب امر رجلا فیصلے بھم عشرین رکعۃ۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا یہ روایت ضعیف ہے۔ مولانا ظہیر احسن نیموی حنفی اپنی قابل قدر کتاب آثار السنن میں فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات لکن یحیی بن سعید الانصاری لم یدرک عمر (تحفۃ الاحوذی)

یحییٰ بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں۔ جو تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے، جس نے صرف ایک دو صحابہ کو دیکھا ہے، حضرت عمرؓ ۲۳ھ کو شہید ہو چکے تھے، اور یحییٰ بن سعید انصاری ۲۳ھ یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں، نیز یہ روایت ان صحیح مرفوع حدیثوں اور آثار صحابہ کے مخالف ہے، جو گیارہ رکعت تراویح

مع وتر کے منقول ہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل

اخرج ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۷۵)

یعنی ابی بن کعب مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے، قال النیموی عبدالعزیز بن رفیع لم یدرک ابی بن کعب۔ یہ اثر منقطع السند ہے، کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع جو اس واقعہ تراویح کے راوی ہیں۔ انہوں نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔ کیونکہ ابی بن کعب کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی، اور عبدالعزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ تقریب التہذیب ومع ھذا فھو مخالف لما ثبت بسند صحیح عن عمرؓ انہ امر ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ وایضاً مخالف لما ثبت عن ابی بن کعب انہ صلی اللہ رمضان دارہ ثمان رکعۃ واوتر (تحفۃ الاحوذی ص۷۵) ان دونوں کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل

فی قیام اللیل قال الاعمش کان ای ابن مسعود یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۷۵)

یعنی الاعمش کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے، جواب یہ روایت بوجہ منقطع سند ہونے کے صحیح اور قابل اعتبار نہیں اس روایت کی سند میں ایک راوی اعمش ہیں، جو عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کا زمانہ بھی نہیں پایا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۳۲ھ میں فوت ہوجاتے ہیں۔ اور حضرت اعمش ۶۱ھ کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ملاحظہ تقریب التہذیب لہٰذا یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل

ناخرجہ البیہقی فی سننہ دابن ابی شیبۃ عن ابی الحسناء ان علی ابن ابی طالب امر رجلا ان یصلی بالناس خمس

ترویحات عشرین رکعۃ۔ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۱ یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ نماز پڑھائے لوگوں کو پانچ تراویح سے ۲۰ رکعتیں۔

جواب:۔ قال النیموی فی آثار السنن مدار ھذا الاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف اس اثر کی سند کا ایک راوی ابوالحسناء ہے، جو حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے، حالانکہ ابوالحسناء کی ملاقات حضرت علیؓ سے نہیں ہوئی، علاوہ ازیں مجہول بھی ہے، اور اس سند کا دوسرا راوی ابوسعد بقال ہے، جو ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت علاوہ ضعیف ہونے کے منقطع ہے، قابل اعتبار نہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل

ان علیاً دعا القراء فی رمضان فامر رجلا منھم یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر لھم۔

یعنی حضرت علیؓ قاریوں کو بلایا، اور ان میں ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں بیس رکعت پڑھایا کرے، اور حضرت علی اُن کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

جواب:۔ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہے، جو ضعیف ہے، قال النیموی ضعیف تحفۃ الاحوذی $\frac{۷۵}{۲۹}$ یحیی بن معین اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے، میزان الاعتدال تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۵، حضرت علیؓ کے ان دونوں سے دلیل قائم کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے بیس تراویح کا حکم دیا، اور خود بیس تراویح پڑھیں۔ حالانکہ دونوں اثر ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں۔ تحفۃ الاحوذی کا جلد ۲ صفحہ ۷۵ نیز صحیح مرفوع حدیثوں کے خلاف ہیں، مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ علامہ خلیل احمد نے اپنی قابل قدر کتاب بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ میں عطا بن نافع بن عمر سعید بن عبید وغیرہ۔ حضرات سے بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں نقل فرمائے ہیں، جو مرسل اور منقطع السند ہونیکے باعث ناقابل استدلال ہیں، یاد رکھیں اس مسئلہ میں جتنی بھی روائتیں آئی ہیں۔ ان میں کوئی بھی وہم سے خالی نہیں کما قال النیموی وفی الباب روایات اخری اکثرھا لاتخلوا عن الوھم۔

بذل المجہود ص ۳۰۵

(اخبار الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ نمبر ۴۲، ۲۵ یکم شوال ۱۳۸۶ھ)

سوال:۔ حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو آئمہ کو کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ ماہ نامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ ستمبر ۶۴ء میں سوال ۲۵۲ کے جواب میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب مسجد والوں کو ابی بن کعب کے پیچھے اقتداء کرنے کا حکم فرمایا۔ اور سب اہل مسجد مل کر باجماعت تراویح ادا کرنے لگے یہ زمانہ تراویح کی نماز کے اہتمام اور اظہار کا ہے اسوقت جس جو بات بالآخر مقرر ہوئی وہ بیس رکعت تراویح ہیں۔ جیسے یزید بن رومان سے امام مالک نے روایت کیا کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ الخ۔ صحیح ہے یا غیر صحیح

جواب:۔ بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۹۸ و ۲۴۷ میں ہے فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علی ذلک ثم کان الامر علی ذلک فی خلافۃ ابی بکر وصدرا من خلافۃ عمرؓ۔ یعنی آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ تراویح کی جماعت قائم نہیں ہوئی حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت اور حضرت عمر فاروقؓ کے ابتداء عہد خلافت تک یہی حال رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ فاروق اپنی خلافت کے زمانہ جب کہ آپ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بھی تھا ماہ رمضان المبارک کی ایک رات مسجد میں تشریف لائے۔ فاذا الناس اوزاع متفرقون فصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر انی اری لوجمعت ھولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخریٰ و الناس یصلون بصلوۃ قارءھم قال عمرؓ نعمت البدعۃ ھذہ والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون یرید اٰخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ۔ (بخاری۔ موطا امام مالک)

ترجمہ پس ناگہاں لوگ متفرق اور جدا جدا تھے۔ نماز پڑھتا تھا ایک آدمی اکیلا اور نماز پڑھتا تھا ایک آدمی پس نماز پڑھنے تھے ساتھ نماز اس کی کے لوگ پس کہا حضرت عمرؓ نے تحقیق میں دیکھتا ہوں کہ جمع کروں لوگوں کو ایک قاری پر تو البتہ بہتر ہو پھر قصد کیا پس جمع کیا لوگوں کو ابی بن کعب پر کہا عبدالرحمٰن نے پھر نکلا میں حضرت عمرؓ کے ساتھ دوسری رات اور لوگ نماز پڑھتے تھے ساتھ نماز امام اپنے کے کہا عمرؓ اچھی ہے یہ بدعت اور وہ

ساعت کہ سورہتے ہو اس میں بہتر ہے اس ساعت سے کہ وہ قیام کرتے ہو اور ارادہ کیا آخری رات کا۔ اس حدیث سے معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ جماعت تراویح کا اہتمام فرمایا تو اماموں کو کتنی رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ابی بن کعب کو تراویح کی جماعت کا امام مقرر فرمایا۔ مؤطا امام مالک میں ہے: عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ۔ مشکوٰۃ........ مؤطا امام مالک قیام اللیل ص۱۹۱۔ حضرت عمرؓ فاروق نے ابی بن کعبؓ اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ قال الشافعی رح اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضؓ نے ابی بن کعب رضؓ اور تمیم دار کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت پڑھایا کریں اور ایک روایت سائب بن یزید میں کہ تیرہ رکعت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے یہ گیارہ رکعت والی روایت کے مخالف نہیں ہے۔ کہ بعض لوگ تنہا دو رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے کتاب معرفۃ آثار السنن جلد اول ص۴۴۲ میں امام بیہقی فرماتے ہیں:۔ قال الشافعیؒ اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی اُنھوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی۔ انہوں نے سائب بن یزید سے کہ سائب بن یزید نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت لوگوں کو پڑھایا کریں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المصابیح فی صلوۃ التراویح میں فرماتے ہیں کہ سنن سعید منصور میں ہے حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔۔۔

ہم کو عبد العزیز بن محمد نے خبر دی انہوں نے کہا مجھ کو محمد بن یوسف نے خبر دی انہوں نے کہا میں نے سائب بن یزید سے سُنا وہ فرماتے تھے ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور علامہ ممدوح صٓ۲ میں اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ سند نہایت ہی صحیح ہے۔ سائب بن یزید سے اس کے خلاف بھی کچھ روایتیں آئی ہیں لیکن وہ روایتیں اس گیارہ رکعت والی روایت کے ہم پلہ نہیں جیسا کہ محمد بن اسحاق سے قیام اللیل صٓ۱۹۳ میں ہے:۔ قال محمد بن اسحٰق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھوا ثبت عندی ولا احری بان یکون کان من حدیث السائب وذلک ان صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث سے زیادہ اچھی ہو نہیں سُنی اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ ہی رکعت تھی عمدۃ القاری جلد ۵ صٓ۳۵۷ میں ہے وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابو بکر بن العربی۔ امام مالک اپنے لئے گیارہ ہی رکعت کو پسند کیا اور ابو بکر بن عربی نے بھی اس کو اختیار رکھا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ رسالۃ المصابیح صٓ۲ میں فرماتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

ہمارے اصحاب میں سے ابن جوزی نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا جتنی رکعتوں پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا وہ مجھ کو زیادہ پیاری ہیں اور وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے ان سے پوچھا گیا۔ گیارہ رکعت ہے وتر کہا ہاں اور تیرہ رکعت قریب ہے اور کہا میں نہیں جانتا کہ اتنے زیادہ رکوع کہاں سے ایجاد کئے گئے ان حوالجات سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب نماز

تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو یہ صحیح سند سے ثابت ہوتا ہے۔ آئمہ کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا ہے بلکہ امام مالک اور ابن العربی نے انہی رکعات تراویح کو اختیار کیا اور امام مالکؒ نے اس سے زیادہ سنت سمجھ کر پڑھنے کو ناپسند فرمایا اور جو روایتیں اس کے خلاف ہیں آتی ہیں وہ یا تو صحیح الاسناد نہیں یا ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس پڑھانے کا حکم صادر فرمایا ہو۔ ومن ادعی فعلیه البیان واللہ اعلم بالصواب۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ ش ۲۴/۲۵ یکم شوال ۱۳۸۶ھ

سوال:۔ تعداد رکعت تراویح میں علماء امت کے درمیان کیا اختلافات ہیں دلیل کی روسے راجح قول کونسا ہے۔ جواب بحوالہ کتب محدثین وفقہاء کرام تحریر فرمائیں۔

حکیم محمد حسین از منڈی عثمانوالہ ضلع لاہور

جواب:۔ سائل کو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے مفتی صاحب کے اس جملے سے دھوکا لگا ہے جو انہوں نے یزید بن رومان کے منقطع السند اثر کو پیش کر کے حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح پر اجماع اور کثرت صحابہ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ بالکل باطل ہے جو ایسے ذمہ دار اور مفتی حضرات کی شایان شان نہیں کما قال صاحب تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۶ قد ادعی بعض الناس انه قد وقع الاجماع علی عشرین رکعة فی عهد عمرؓ واستقر الامر علی ذالك فی الامصار۔ یعنی بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پر اجماع تھا اور دوسرے شہروں میں بھی یہی حکم مقرر تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ دعوی الاجماع علی عشرین رکعة۔ یعنی بیس رکعت تراویح پر اجماع کا دعویٰ اور پھر استقرار الامر علی ذالك فی الامصار باطل جدا۔ بالکل باطل ہے کما قال العینیؒ عمدۃ القاری

فی شرح صحیح بخاری عدد رکعات تراویح میں کئی قول ہیں قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ (۱) فقیل احد و اربعون و قال الترمذی رای بعضھم ان یصلی احدی و اربعین رکعۃ مع الوتر و ھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ قال شیخنا رحمہ اللہ وھو اکثر ما قیل فیہ قلت ذکر ابن عبد البر عن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین و یوتر بسبع۔

علماء نے قیام رمضان تراویح کی رکعتوں کے بارے میں کہ اس میں کون عدد مستحب ہے بہت کچھ اختلاف کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اکتالیس رکعت ہے ترمذیؒ نے کہا ہے کہ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ اکتالیس رکعت مع وتر پڑھے اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اکتالیس سے زیادہ کسی کا قول نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ عبد البر نے اسود بن یزید سے نقل کیا ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے اور سات وتر یعنی مع وتر سنتالیس رکعت پڑھتے تھے

وقیل ثمان وثلاثون رواہ محمد بن نصر من طریق ابن ایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلثین رکعۃ ثم یسلم الناس ثم یوتر بھم بواحدۃ وقال ھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم۔

اور کہا گیا ہے کہ اڑتیس رکعت ہے۔ امام محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعت پڑھیں۔ پھر امام مالک نے کہا کہ زمانہ حرہ کے قبل ایک سو کئی برس سے اب تک اہل مدینہ کا اسی پر عمل چلا آتا ہے۔ وقیل ست وثلثون وھو الذی علیہ عمل اھل المدینۃ وروی ابن وھب قال سمعت عبد اللہ بن عمر یحدث عن نافع قال ما ادرک الناس الا وھم یصلون تسعا و ثلثین رکعۃ ویوترون منھا بثلث۔ ترجمہ کہا گیا ہے کہ چھتیس رکعت ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ بن وہب نے کہا کہ میں عبد اللہ بن عمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے نافع

نے کہا کہ میں لوگوں کو نہیں پایا مگر اس حالت پر کہ تراویح انتالیس رکعتیں پڑھتے تھے جن میں سے تین رکعت وتر کی تھیں۔ وقیل اربع وثلثون علی ما حکی عن زرارة بن اوفی انہ کذالک کان یصلی بھم فی العشر الاخیر۔ ترجمہ چونتیس رکعت ہے جب کہ زارہ بن اوفیٰ سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح چونتیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل ثمان وعشرون وھو المروی عن زرارة ابن اوفی۔ زارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح، چونتیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل ثمان وعشرون وھو المروی عن زرارة بن اوفی فی العشرین الاولین من اشھرو کان سعید بن جبیر یفعلہ فی العشر الاخر۔ کہا گیا ہے۔ اٹھائیس رکعت ہے یہ قول بھی زارہ بن اوفی سے رمضان کے پہلے دو عشروں میں منقول ہے اور سعید بن جبیر آخری عشرہ میں اٹھائیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل اربع وعشرون وھو مروی عن سعید بن جبیر۔ کہا گیا ہے چوبیس رکعت ہے اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے قیل عشرون وحکاہ الترمذی عن اکثر اھل العلم فانہ روی عن عمرؓ وعلیؓ وغیرھما من الصحابة وھو قول اصحابنا الحنفیة۔ کہا گیا ہے کہ بیس رکعت ہے ترمذی نے اس کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ ودیگر صحابہ سے منقول ہے اور یہی قول ہم احناف کا ہے۔ بیس رکعت کے متعلق جو حضرت عمرؓ کا قول ہے خود علامہ عینی کو اعتراف ہے کہ وہ منقطع الاسناد ہے، عمدة القاری کی عبارت یہ ہے اما اثر عمرؓ بن الخطاب فرواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع حضرت علیؓ کے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے جو آثار نقل ہوتے ہیں وہ سابقہ سوالوں کے جوابات میں بحث ہو چکی ہے وقیل ست عشرة وھو مروی عن ابی مجلز انہ کان یصلی بھم اربع ترویحات ویقرأ لھم سبع القرآن فی کل لیلة رواہ محمد بن نصر من روایة عمران بن حدید کہا گیا ہے کہ سولہ رکعت ہے اور ابو مجلز سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو چار تراویحہ پڑھایا کرتے

تھے اور ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ میں پڑھا کرتے تھے اس امام محمد بن نصر نے عمران بن حریر کے طریق سے روایت کیا ہے وقیل ثلث عشرة واختارہ محمد بن اسحاق روی محمد بن نصر من طریق ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمان عمرؓ بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرة رکعة الی قول، قال ابن اسحق وما سمعت فی ذلک حدیثا هو اثبت عندی ولا احری بان یکون من حدیث السائبؓ ذلک ان صلوٰة رسول الله کانت من ترجمہ کہ تیرہ رکعت ہے۔ اور اسی کو محمد بن اسحاق نے اختیار کیا ہے۔ امام محمد بن نصر نے روایت کیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا کہ محمد بن یوسف نے مجھے خبر دی کہ دادا سائب بن یزید نے کہا کہ ہم لوگ عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کے زیادہ لائق ہو، نہیں سُنی اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ کی رات کی نماز بھی تیرہ رکعت تھی اسی طرح علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

(م اللیل ثلث عشرة رکعة)

قال ابن اسحاق وهذا اثبت ما سمعت فی ذلک وهو موافق لحدیث عائشة رضی الله عنها فی صلوة النبی فی اللیل ۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ میں نے جس قدر حدیثیں اس باب میں سُنی ہیں ان سب میں یہ حدیث موافق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ کی رات نماز کے بارے میں مروی ہے وقیل احدی عشرة رکعة وهو اختیار مالک لنفسه واختارہ ابو بکر بن العربی ۔ کہا گیا ہے کہ گیارہ رکعت ہے اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اس کو ابو بکر بن عربی نے بھی پسند کیا۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۳ ص ۲۰۶ میں فرماتے ہیں فی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة رکعة ورواه سعید بن منصور من وجه اٰخر و رواه محمد بن نصر من ابن اسحاق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرة رکعة والعدد الاول موافق لحدیث عائشة ولثانی قریب منه۔

ترجمہ امام مالک نے مؤطا میں محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے اور سعید بن منصور نے ایک اور سند سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے۔ اور امام محمد نصر مروزی نے محمد بن اسحاق کی سند سے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہے اور اول عدد یعنی گیارہ حضرت عائشہ رضی صدیقہ کی حدیث کے موافق ہے اور ثانی۔ تیرہ۔ اس سے قریب ہے علامہ عینی حنفی کی وضاحت سے یہ بات محقق ہو گی ہے کہ بعض الناس کا دعویٰ اجماع علی العشرین بالکل باطل ہے علامہ عینی حنفی کے پیش کردہ اقوال سے آخری قول۔ گیارہ۔ تراویح عن حیث الالیل قوی اور راجح ہے کما قال فی تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۳ قول راجح مختار عن حیث الالیل قوی قول ہے جس کو امام مالک نے اپنے لئے پسند فرمایا۔ گیارہ رکعت اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہے اور حضرت عمر رضی نے بھی گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ گیارہ رکعت کے علاوہ باقی اقوال کے متعلق علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں۔ فلم یثبت واحد منہا عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بسند صحیح ولم یثبت الامر بہ عن احد من الخلفاء الراشدین بسند صحیح خال عن الکلام۔

یعنی باقی اقوال سے کوئی بھی بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت نہیں جو کہ کلام سے خالی ہو۔ تحفہ۔ ہم کیوں کہتے ہیں کہ گیارہ رکعت سنت ہے دلیل نمبر۱ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت ہی ثابت ہے جیسا کہ بخاری، مسلم وغیرہما کتب احادیث میں ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے جب عائشہ صدیقہ رضی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کا سوال کیا۔ فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثا۔ الحدیث۔

تو آپ نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ام المومنین نے کہا کہ آپ نے بڑی عمدگی اور طویل قرائت کے ساتھ چار

رکعتیں پڑھیں پھر تین رکعت وتر پڑھے۔ علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں فهذا الحدیث نص صریح فی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ تحفۃ الاحوذی۔ جلد ۲ ص ۳۔ یعنی یہ حدیث صحیح نص صریح ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ دلیل ۲ عن جابر رض قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر ولما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتمعنا البارحۃ فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم رواہ الطبرانی فی الصغیر وقیام اللیل۔ وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما۔

ترجمہ طبرانی۔ قیام اللیل مروزی۔ صحیح ابن خزیمہ۔ اور صحیح ابن حبان بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۴ میں جابر رض سے روایت ہے کہ رمضان المبارک میں آپ نے ہم کو آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے اگلی رات اس امید پر ہم مسجد میں زیادہ اکٹھے ہوئے کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم کو گذشتہ رات کی طرح نماز پڑھائیں گے مگر آپ تشریف نہ لائے۔ صبح جب آپ سے ملے تو ہم نے مسجد میں اپنے اجتماع کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈر کر مبادا یہ نماز تم پر فرض ہو جائے۔ دلیل ۳ عن جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان منی اللیلۃ شیء یعنی فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھم ثمان رکعات واوترت فکانت شبہ الرضا ولم یقل شیئا قال الھیثمی فی مجمع الزوائد رواہ ابو یعلی وقیام اللیل۔

ترجمہ۔ ابو یعلی میں جابر رض بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ابی بن کعب آپ کی خدمت اقدس

میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اب آج رات رمضان المبارک میں ایک بات ہو گئی ہے آپ نے فرمایا ابی وہ کیا بات ہے کہا کہ میرے گھر کی مستورات نے جمع ہو کر مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں لہذا ہم تو آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گی تو میں نے انکو آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے تو آپ خاموش ہو گئے یہ خاموشی آپ کی رضا کی دلیل تھی ۔

دلیل ۵ :۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ رواہ مالک فی الموطا و سعید بن منصور و مصنف ابن ابی شیبۃ ۔ ومعرفۃ السنن والآثار للبیہقی وقیام اللیل ۔ و رسالہ المصابیح للسیوطی رحمہ ۔

ترجمہ موطا امام مالک وسعید بن منصور اور مصنف ابن ابی شیبہ معرفت السنن والآثار بیہقی ۔ قیام اللیل مروزی رلمصابیح سیوطی ۔ میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے ابی بن کعب رضی اور تمیم الداری رضی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں ۔

قال النیموی فی آثار السنن اسنادہ صحیح علامہ نیموی حنفی نے آثار السنن میں سائب بن یزید کی روایت کو صحیح سند کہا ہے تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۷۴ مندرجہ بالا دلائل کے بعد ضرورت تو نہیں تھی کہ کسی امام محدث فقیہ اور عالم کا قول پیش کیا جائے مگر آپ حضرات کی مزید تسلی کیلئے اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک فقہائے حنفیہ محدثین عظام اور علماء کرام کے اقوال بطور تائید پیش کئے جاتے ہیں ۔

مسلک امام ابو حنیفہ امام مالک ۔ امام شافعی ۔ امام احمد بن حنبل کی تصانیف تو موجود ہیں مگر بقول علامہ شبلی میزان شعرانی امام ابو حنیفہ رحمہ کی کوئی تصنیف نہیں یہ قدوری ہدایہ ۔ کنز الدقائق ۔ شرح وقایہ ۔ وغیرہ کتب فقہ جو درسی کتابیں سمجھی جاتی ہیں اور جن پر حنفی مذہب کا دارومدار ہے ان کتابوں کے مصنف حضرت امام

ابوحنیفہؒ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ کے صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان مصنفین کی وفات بالترتیب سنہ ۴۲۸ھ سنہ ۵۹۲ھ سنہ ۷۱۰ھ سنہ ۷۴۵ھ میں واقع ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین کی حضرت امام کے شاگردوں سے بھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن فقہی سلسلہ کو مضبوط کرنے کے لئے فقہائے احناف میں ایک ضرب المثل مشہور ہے جو بلفظہٖ ملاحظہ ہو۔ ان الفقہ زرعہ عبداللہ بن مسعودؓ وسقاہ علقمۃ وحصدہ ابراہیم النخعی وداسہ حماد وطحنہ ابوحنیفۃ وعجنہ ابویوسف وخبزہ محمد وسائرالناس یاکلون وتمہید الفاروق لمن طالع کنز الدقائق مطبوعہ قاسمی دیوبند۔

ترجمہ فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعودؓ نے بویا علقمہ نے سینچا ابراہیم نخعی کاٹا حماد نے بھوس جو کی ابوحنیفہ نے پیسا ابویوسف نے آٹا۔ گوندھا اور امام محمد نے روٹیاں پکائیں باقی سب کھانے والے ہیں۔ اس مثل سے ظاہر ہے کہ باب "قیام شہر رمضان میں تراویح پڑھنے کا بیان اس کے پیچھے حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ والی روایت یوں تحریر فرماتے ہیں۔

اخبرنا مالك حدثنا سعید المقبری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ

الحدیث موطا امام محمد ترجمہ گذر چکا ہے اس باب کے خاتمے پر فرماتے ہیں و بھذا ناخذ کلہ۔ یعنی ہمارا ان سب حدیثوں پر عمل ہے۔ تعداد رکعت میں سوائے حدیث عائشہ رضؓ کے آپ نے کوئی حدیث نقل نہیں کی جس سے ثابت ہوا کہ امام محمد بھی اس حدیث کے مطابق گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے۔ اگر فقہ حنفی کو امام ابوحنیفہؒ کے ارشادات گرامی کا مجموعہ سمجھا جائے تو فقہ حنفیہ میں گیارہ رکعت تراویح معہ وتر موجود ہے ملاحظہ ہدایہ جلد اوّل ص۵۶۳ تراویح اٹھ رکعت سنت اور بیس رکعت مستحب۔ شرح وقایہ ص۱۳۷ میں ہے۔ آٹھ رکعت تراویح علاوہ وتر سنت ہیں اور بیس

رکعت مستحب۔ شرح وقایہ صـ۱۲۳ میں ہے کہ تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں تئیس۲۰ رکعت تراویح نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعت علاوہ وتر پڑھا کرتے تھے۔ شامی، شرح فقہ اکبر میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر موجود ہے۔ مندرجہ بالا حوالہ جات فقہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی صحیح مسلک گیارہ رکعت تراویح مع وتر پڑھنے کا کہا ہے۔

مسلک امام مالک موطا امام مالک میں ہے۔ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اس حدیث کی بنا پر امام مالک نے گیارہ رکعت تراویح مع وتر پسند فرمائی ہیں، جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں احدی عشرہ رکعۃ ھو اختیار مالک لنفسہ عینی جلد ۳ صـ۳۵۷۔ یعنی گیارہ رکعت تراویح کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا۔

مسلک امام شافعی امام شافعی کا مسلک بھی گیارہ رکعت تراویح مع وتر کا ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ کتاب معرفۃ السنن والآثار جلد اول صـ۴۴۴ فرماتے ہیں قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ ھذا من ھبنا۔

امام شافعی فرماتے ہیں ہم کو امام مالک نے خبر دی انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے اور سائب بن یزید نے کہا کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی میرا مذہب ہے۔

مسلک امام احمد بن حنبلؒ خیر احمد بن حنبل بین احدی عشرۃ وثلث وعشرین رکعۃ، امام احمد حنبلؒ نے گیارہ اور تئیس ۲۳ کے درمیان اختیار دیا مصفی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ائمہ مجتہدین کے فیصلہ جات سے نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعت

پڑھنا ثابت ہوگیا۔ آٹھ رکعت تراویح کے سنت نبویہ ہونے کی بسبب علمائے احناف کے چند شہادتیں بطور تائید پیش کی جاتی ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں

نمبر۱ امام محمدؒ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید اور فقیہ احناف ہیں۔ انہی کی کتابوں سے آج حنفیت زندہ ہے ان کی ایک مایہ ناز کتاب موطا امام محمد ہے اس میں یوں باب باندھتے ہیں باب قیام شہر رمضان اس کے محشی۔ مولنا عبدالحی لکھنویؒ۔ نے قیام شہر رمضان پر حاشیہ لکھ کر بتایا ہے۔ یسمٰی التراویح۔ یعنی قیام شہر رمضان ہی کا نام تراویح ہے اس باب کے نیچے عائشہ رضی صدیقہ رضی والی حدیث لائے ہیں جس میں آنحضرت کی تراویح با جماعت کا ذکر ہے۔ چونکہ اس میں رکعت کی تعداد کا ذکر نہیں اس لئے اس کے بعد حضرت عائشہ رضی کی دوسری روایت لائے ہیں جو مسلک امام ابوحنیفہؒ کے بیان میں گذر چکی ہے جس میں رکعت کی تعداد کا بیان ہے جس سے گیارہ رکعت مع وتر کا سنت نبوی ہونا ثابت کیا ہے فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔

نمبر۲ امام ابن ہمام حنفیوں میں ایک جید عالم ہوئے ہیں ایسے عالموں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں جن کا شیوہ حق بیانی رہا ہے آپ آٹھ اور بیس تراویح کی تحقیق میں فرماتے ہیں فتحصل من ھذا کلہ أن قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ مع الوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وترکہ لعذر الخ فتح القدیر جلد اول ص

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ قیام رمضان۔ تراویح۔ جو سنت ہے وہ تو وتر سمیت گیارہ رکعت ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے با جماعت ادا کیا اور فرضیت کے عذر سے چھوڑ دیا۔

نمبر۳ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری جلد نمبر۳ ص۵۹۷ میں لکھتے ہیں فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورۃ عدد الصلوٰۃ التی صلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی قلت روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعۃ ثم اوتر۔

ترجمہ اگر تو سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی اس کی تعداد روایات مذکورہ میں نہیں ہوئی تو میں اسے جواب میں کہوں گا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رمضان میں وتر علاوہ اٹھ رکعتیں پڑھائے تھیں۔

۴ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ کلام بلا کسی رد وانکار کے نقل کرتے ہیں۔

اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا کوئی خاص عدد، قولاً۔ مقرر نہیں فرمایا لیکن عملاً رمضان وغیر رمضان گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نیز ابن ہمام حنفیؒ کے مندرجہ بالا کلام متخلص من ھذا کلہ الخ پر بھی ان کو کوئی اعتراض نہیں

واللہ اعلم

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ ش ۲۴، ۲۵ یکم شوال ۱۳۸۶ھ

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں ماسوا گیارہ رکعتوں مع وتر کے آنحضرت سے ثابت نہیں۔ ہاں وجوہ شب قدر میں نوافل پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ سو جا سکتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے۔ مگر شب قدر جس کے فضائل حدیثوں میں کثرت سے موجود ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک رات کی عبادت ہزار راتوں کے برابر ہے۔ خصوصاً رمضان میں نوافل کا درجہ فرائض کے برابر ہے۔ اس لئے نوافل کا پڑھنا ازبس ضروری ہے۔ کیا شب قدر میں تراویح کے علاوہ علیحدہ علیحدہ نوافل پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ (ایک خریدار)

جواب:۔ نوافل پڑھنے کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں ہے۔ حدیث شریف میں عام ارشاد ہے کہ بندہ نفل پڑھنے سے خدا کا مقرب ہو جاتا ہے۔ اس لئے تراویح کے علاوہ ہر رات نفل پڑھنے جائز ہیں، بحکم مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ شب قدر ہو یا دوسری طاق راتیں ہوں اس کام کے لئے سب برابر ہیں۔ بحکم حدیث إنما الأعمال بالنيات صورت مسئولہ بھی جائز ہے، منع کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ اعلم (اہلحدیث ۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۲ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۶۲ طبع اول)

سوال:۔ صحابہ کرام میں کسی صحابی نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں کہ نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ انفرادی طور پر بعض صحابہ نے بیس بھی پڑھی ہیں۔ چالیس بھی پڑھی ہیں، مگر جماعت آٹھ ہی کی ہوتی تھی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے تراویح کے امام کو حکم دیا تھا کہ آٹھ رکعت تراویح تین وتر مجموعہ گیارہ رکعت پڑھائیں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ مضمون موطا امام مالک اور قیام اللیل مروزی میں بتصریح ملتا ہے۔ واللہ اعلم (اہل حدیث ۲۳ شوال ۱۳۶۵ھ) مفصل بحث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ (راز) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۱۳۸)

سوال:۔ نابینا حافظ قرآن کی امامت نماز فرض اور تراویح کرانی جائز ہے یا ناجائز؟ چونکہ اس کے متعلق تین گروہ ہیں۔ ایک کہتا ہے، تراویح ہو سکتی ہے، فرض نہیں ہو سکتی، دوسرا گروہ کہتا ہے، (تراویح بھی فرض بھی دونوں ہو سکتے ہیں)۔ تیسرا گروہ کہتا ہے، نہ فرض ہو سکتے ہیں۔

نہ تراویح ہو سکتی ہے، نابینا حافظ کی امامت ہی کسی صورت میں درست نہیں ہے۔
(حکیم اللہ بخش جالندھری بگڑا، بنگال)

جواب :۔ نابینا کے پیچھے ہر نماز جائز ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کو امام پنج وقتہ بنایا تھا۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)
(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۱۱)

سوال :۔ حافظ قرآن کو جو تراویح میں قرآن شریف ختم کرتے ہیں، گویا انجن جوڑ دیتے ہیں، انجن بھی اس رفتار پر کہ اخیر کے درجہ پر چلاتے ہیں پیچھے لقمہ دینے والا کوئی حافظ موجود نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ (سائل مذکور)

جواب :۔ قرآن مجید کو باہستگی پڑھنا چاہئے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً جو لوگ اتنا جلدی پڑھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنی ایک رسمی چیز ہے، اصلی نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)
(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۱۱)

سوال :۔ رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں، یا تہجد کے بدل تراویح ؟ (سائل مذکور)

جواب :۔ اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے، تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)
(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۱۱)

سوال :۔ تراویح میں ایک شخص تو حافظ قرآن سناتا ہے، لیکن سامعین جماعت میں کوئی حافظ سامع نہیں، اگر ایسے وقت کوئی ناظرہ قرآن شریف صف اول میں بیٹھ کر سنتا ہے، اور ٹوکتا بتاتا رہے، اور وقت رکوع و سجود شریک جماعت ہو جایا کرے، تو از روئے شرع جائز ہے، یا ناجائز ؟ (محمد عثمان ماستی)

جواب :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام تراویح میں امام ہوتا تو قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا تھا۔ اور حضرت ممدوحہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھتی تھیں، اس واقعہ پر قیاس کیا

جائے، تو صورت مرقومہ جائز ہے، واللہ اعلم۔ (۳۰ رجنوری ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص۱۳۲)

سوال:۔ حضور اکرم صلعم نے تین یوم نماز تراویح با جماعت مع الوتر صحابہ کرام کو پڑھائی یا وتر اس وقت آپ نے نہیں پڑھا، اور کیا نماز تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟۔

جواب:۔ نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے، تراویح خاص رمضان میں ہے، اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے، آخر وقت میں پڑھے، تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی۔ اور تراویح بھی زیادہ کر یاد کرنے کی ضرورت نہیں، آنحضرت علیہ السلام نے جن تین دنوں میں قیام رمضان کیا تھا۔ ان میں وتروں کا ذکر مجھے نہیں ملتا۔ اللہ اعلم۔ (۲۲ر رمضان ۱۳۶۴ھ) اس کے متعلق گزارش ہے کہ وتروں کا ذکر صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے۔ عن جابرؓ انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم ثمان رکعات و الوتر ثم انتظروا فی القابلۃ فلم یخرج الیھم (سبل جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۲، قیام اللیل ص۹۱ معجم صغیر طبرانی ص۱۰۸ وغیرہ)

(ابو الحسنات علی محمد سعیدی صدر دری فیروز پوری ۱۲ر شوال ۱۳۶۴ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۱۳۱)

سوال:۔ جو شخص نماز عشاء بغیر جماعت کے ادا کرے، اور علاوہ فرض کے سنت اور نفل بھی پڑھے تو اس شخص کو نماز تراویح کس وقت میں پڑھنی چاہیئے۔ یعنی کیا وہ پہلے نماز عشاء کی بارہ رکعت پڑھ کر پھر تراویح پڑھ کر پھر وتر اور اس کے بعد نفل ادا کرلے؟۔

جواب:۔ بعد نماز عشاء کے تراویح پڑھے، یا بعد نیند بوقت سحری پڑھے، ہر دو جائز ہے۔ (۷ار شوال ۱۳۳۹ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۴۳۱)

سوال:۔ نماز تہجد محدثین کے نزدیک کتنی رکعت ہے؟۔

جواب:۔ کم سے کم ۸ رکعت اور زیادہ گیارہ رکعت پایا گیا ہے مع آخری نفلوں کے تیرہ

رکعت سفر السعادت میں جمیع طریق جمع کئے گئے ہیں۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۲۹ھ)
(فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۴۲۰)

سوال:۔ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۲۹ھ) (فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۴۳۱)

سوال:۔ عورتوں کو نماز تراویح پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ جائز بلکہ سنت ہے مثل مردوں کے۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۲۹ھ) (فتاوی ثنائیہ جلد ا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور خلفائے راشدین کا کیا عمل رہا ہے، اور حنفی نہ ماننا بعض بعض آٹھ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں، اور بعض نے بیس رکعت پر مذمت کرتے کو زیادہ ثواب جانا ہے، افعال واقوال جو آپ کے اور آپ کے خلفا کے ہوں بیان فرمائیں۔

جواب:۔ صورت مذکورہ فی السوال میں حال تراویح کا یہ ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے، بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں، لیکن زمانہ حضرت عمرؓ بن عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ترجمہ:۔ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو گا، خاص کر صحابہ کرام کا اجماع اور صحاح میں یہ حدیث ہے، علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[1]

---

[1] تم میری سنت اور خلفائے مہدیین کی سنت پر عمل کرنا۔

المھدیین جو شخص بیس رکعت سے انکار کرے، وہ شخص حدیث علیکم بسنتی الخ کا منکر ہوگا۔ اور جس حدیث سے بیس رکعت ثابت ہیں، وہ یہ ہے۔ فی الموطا[1] عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ جو شخص کہ اجماع سے انکار کرے، اس کی تنبیہ کے واسطے یہ حدیث کافی ہے، من[2] شذ شذ فی النار یعنی جو مسلمانوں کے گروہوں سے جدا ہوا وہ دوزخ میں تنہا ہوگا۔ العبد المجیب محمد وصیت مدرس مدرسہ حسین بخش۔

ہو المصوب:۔ سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے، بالکل غلط ہے، اب پہلے سوال مذکور کا صحیح جواب لکھا جاتا ہے، پھر مجیب کے جواب کے غلط ہونے کی وجوہ لکھی جائیں گی، پس واضح ہو کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کی مع وتر کے گیارہ رکعتیں ثابت ہیں۔ صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن[3] ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انه سأل عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احد عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی، یعنی آپ تراویح کی نماز کتنی رکعت پڑھتے تھے، پس عائشہ رض نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں یعنی آنحضرت ص کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی، جیسا کہ اس مدعیٰ کو ابن حبان وغیرہ کی یہ روایت خوب صراحت کے ساتھ

---

[1] یزید بن رومان نے کہا، حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں لوگ تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔

[2] جو الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

[3] ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسے ہوا کرتی تھی، آپ نے کہا رمضان ہو یا غیر رمضان آپ کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

ثابت کئے دیتی ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما ھکذا فی المفاتیح وسبل السلام ونیل الاوطار یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی، پھر وتر پڑھے، روایت کیا اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں یہ حدیث صحیح و قابل احتجاج ہے کسی محدث نے اس کو ضعیف نہیں کہا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اُبیؓ اور تمیم داری کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا نہ زیادہ نہ کم موطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔ سند اس کی بہت صحیح ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے، اور جب حضرت عمرؓ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنی رکعت پڑھتے تھے، مگر جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور جن راتوں میں آپ نے صحابہؓ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ ہی رکعت پڑھنا ثابت ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تراویح گیارہ رکعت ثابت ہے، اور خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی گیارہ ہی رکعت ثابت ہے، اور بقیہ خلفائے راشدین سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں، مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، واللہ اعلم مجیب مذکور کے جواب مذکور کے غلط ہونے کیوجہ

یہ ہے کہ انہوں نے دو دعوے کئے ہیں، اور دونوں دعوے باطل ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ کیا ہے کہ "زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے۔ بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں، بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں۔" اس دعویٰ کا بطلان بالکل ظاہر ہے، اس واسطے کہ زمانہ نبوی میں ثبوت تراویح کا ہرگز مختلف طور سے نہیں ہے، نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابی سے اوپر معلوم ہوچکا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور آپ سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت جو بیہقی وغیرہ میں مروی ہے، وہ بالکل ضعیف ہے، اس کے ضعیف ہونے کی تصریح خود حنفیہ نے بھی کی ہے، اور آپ سے بیس سے زیادہ پڑھنے کی تو کوئی روایت ہی نہیں آئی ہے، اور زمانہ نبوی میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس سے زیادہ پڑھنا ہرگز کوئی ثابت نہیں کر سکتا، پس مجیب کا یہ پہلا دعویٰ سراسر غلط و باطل ہے، اور دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہوگیا ہے۔" یہ دوسرا دعویٰ بھی بالکل غلط و سراسر باطل ہے، زمانہ حضرت عمرؓ میں گیارہ رکعت پر اجماع ہونا، البتہ ثابت ہے، جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے، و نیز مؤطا کی اس روایت سے ظاہر ہے، عن داؤد بن الحصین انہ سمع الاعرج یقول ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان وکان القاری یقرء البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بہا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ خفف یعنی داؤد بن حصین سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اعرج سے سنا وہ کہتے تھے، کہ نہیں پایا میں نے لوگوں کو مگر اس حالت میں کہ وہ کافروں پر لعنت کرتے تھے، رمضان میں اور قاری پڑھتا تھا۔ سورہ لبقرہ آٹھ رکعتوں میں اور جب کبھی سورہ لبقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج اس نے تخفیف کی، اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی، اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھی، اور مجیب نے جو بیس رکعت

کے ثبوت میں اور بیس رکعت پر اجماع ہونے کے ثبوت میں یزید بن رومان کی حدیث موطا سے نقل کی ہے، سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع ہے، یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، امام زیلعی حنفی تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ ویزید بن رومان لم یدرك عمر انتہی الحاصل مجیب مذکور کا جواب دو دعوؤں پر مشتمل ہے، اور دونوں دعوے غلط و باطل ہیں، لہٰذا مجیب کا جواب مذکور غلط ہے، اور ہاں مجیب کا جواب مذکور خود اجلہ فقہائے حنفیہ کے قول سے بھی باطل ہے، علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ جو مذہب حنفی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ فتح القدیر میں صاف لکھتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعت سنت ہے۔ فتحصل من هذا ان قیام رمضان احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام انتہی ما فی فتح القدیر بقدر الحاجة۔ یعنی تحریر بالا سے یہ بات حاصل ہوئی کہ تراویح گیارہ رکعت مع وتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے، اور ایسا ہی بحر الرائق شرح کنز الدقائق و طحطاوی میں ہے کہ تراویح اسی قدر سنت ہے جس قدر آنحضرت سے ثابت ہے یعنی گیارہ رکعت مع وتر۔ اور فتح المعین شرح الشرح کنز کی ہے، اس میں فتاوے شرنبلالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی، وہ گیارہ ہی رکعت تھی، اور وہ حدیث جو روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، سو یہ حدیث ضعیف ہے۔ وفی الشرنبلالیة الذی فعله علیه السلام بالجماعة احدی عشرة رکعة بالوتر وما روی انه کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف انتہی ما فی فتح المعین، دیکھو ان اجلہ فقہا کے قول سے مجیب کا جواب مذکور کیسا صاف باطل ہوتا ہے، واللہ تعالے اعلم بالصواب حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ فی الواقع احادیث صحیحہ سے گیارہ ہی رکعت تراویح مع وتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ مجیب ثانی نے لکھا ہے، اور کسی حدیث صحیح

سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں، اور بیس رکعت کی حدیث جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، وہ ضعیف و ناقابل احتجاج ہے، اور باوجود ضعیف ہونے کے حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعت والی حدیث صحیح کے خلاف ہے، علمائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، علامہ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۲۰۵ جلد ۱ میں لکھتے ہیں۔ واما ما روی ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی و البیہقی من حدیث ابن عباس انه علیه السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح انتهی۔ یعنی جو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے کہ ,, رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے، سو یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کا دادا ہے، باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے، علاوہ بریں یہ حدیث صحیح کے مخالف بھی ہے، اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ فان قلت روی ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر قلت هذا الحدیث رواه ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابة قال حدثنا منصور بن مزاحم حدثنا ابو شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبة هو ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبة کذبه شعبة وضعفه احمد وابن معین والبخاری والنسائی و غیرهم واورد له ابن عدی هذا الحدیث فی الکامل فی مناکیره انتهی یعنی اگر تم سوال کرو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں اس کے جواب میں

کہوں گا۔ کہ اس حدیث کو ابوالقاسم بغوی نے بھی معجم صحابہ میں روایت کیا ہے، اور ابو شیبہ جو اس حدیث کا ایک راوی ہے، اس کا نام ابراہیم بن عثمان ہے، اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے، اور امام احمد اور بخاری اور نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے، اور علامہ زیلعی حنفی تخریج ہدایہ صفحہ ۲۹۳ جلد اس میں لکھتے ہیں۔ روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعندہ البیہقی من حدیث ابراھیم بن عثمان بن ابی شیبہ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر الی قولہ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح انتہی، یعنی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے، سوی وتر کے اور یہ حدیث معلول ہے، یعنی ضعیف ہے، اس وجہ سے کہ اس کا ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بالاتفاق ضعیف ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس کو ضعیف کہا ہے، پھر باوجود ضعیف ہونے کے عائشہ رض کی حدیث صحیح کے مخالف ہے، دیکھو علامہ ابن الہمام اور علامہ عینی اور حافظ زیلعی جیسے جلیل القدر علماء حنفیہ نے بیس رکعت والی حدیث کی کس طرح پر صاف صاف تضعیف کی ہے، اور علاوہ ان علمائے حنفیہ کے علمائے محدثین نے بھی تضعیف کی ہے دیکھو تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۹ اور فتح الباری صفحہ ۲۱۷ جلد ۲ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۹۹ جلد ۲ حاصل یہ کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے، اور آپ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں، اور بیس رکعت والی حدیث بالکل ضعیف و غیر معتبر ہے، اس کے راوی ابو شیبہ کو شعبہ نے جھوٹا کہا ہے، اور شعبہ کے سوا اور محدثین نے اس کو ضعیف و غیر معتبر بتایا ہے، اور

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کی کوئی حدیث ہی نہیں آئی ہے، نہ ضعیف اور نہ غیر ضعیف اور زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں کسی صحابیؓ سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے، بلکہ صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے، تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، یعنی آٹھ رکعت اور وتر۔ امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۰۶ میں ہے۔ وبہ عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذاك یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفك بصلوتك فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنه وکان شبه الرضا۔ یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رمضان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یارسول اللہ رات کو ایک بات ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا کون سی بات ہوگئی ہے، اے اُبیؔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں۔ پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور تمہاری اقتدا کریں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت کیا۔ اور گویا، اس بات کو پسند فرمایا۔ ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہے کہ مجیب اول کی یہ بات کہ در زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے۔ بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں، اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں، غلط بات ہے، اور فی الواقع خلفائے راشدین میں سے بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے بسند صحیح کچھ ثابت نہیں کہ وہ حضرات کتنے رکعت تراویح پڑھتے تھے، یا کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، ہاں حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ مجیب ثانی نے موطا کی بہت

صحیح روایت سے اس کو ثابت کیا ہے، اور امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے۔ قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں اور اسی طرح پر امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۲ میں بھی ہے، اور زمانہ عمر بن الخطاب میں حسب حکم حضرت عمرؓ کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ فی صلوٰۃ التراویح میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے۔ حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، حافظ سیوطی اس روایت کی سند کی نسبت لکھتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ۔ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے، دیکھو نہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ خود کتنی رکعت تراویح پڑھتے تھے، سو بالکل ظاہر ہے کہ جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تو خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، اور مجیب اول نے جو موطا سے یہ روایت نقل کی ہے، عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ۔ یعنی یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، سو یہ روایت منقطع ہے، اس وجہ سے ضعیف وغیر معتبر ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس روایت کے منقطع ہونے کی تصریح کی ہے، علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۸۰۳ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ ویزید لم یدرک عمر فالقطاع

یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، پس اس کی سند منقطع ہے، و نیز اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۶ جلد ۵ میں لکھتے ہیں، رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع یعنی امام مالک نے اس کو مؤطا میں سند منقطع سے روایت کیا ہے، اور حافظ زیلعی نے بھی اس روایت کی سند کو منقطع بتایا ہے، حاصل یہ کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے، اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا تئیس رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہو گیا کہ مجیب اول کی یہ بات کہ "زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا" بالکل غلط ہے، اور گیارہ رکعت تراویح کے قائلین کی نسبت مجیب اول نے جو تعریضاً ایک بے جا اور نا ملایم تقریر لکھی ہے، وہ خود انہیں پر اور ان کے ہم خیالوں پر عائد ہو گئی۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ا ص ۶۳۴)

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تراویح سنت مؤکدہ است یا غیر مؤکدہ و تعریف سنت مؤکدہ در اصول فقہ چہ می نویسند و بر فعلیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مواظبت فرمودہ اند سنت مؤکدہ است یا نہ ہر چہ محقق نزد جناب باشد موافق اصول فقہ تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ باید دانست کہ در تمام کتب اصول فقہ تعریف سنت مؤکدہ ہمیں قدر می کنند کہ ھی ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مواظبت صحابہ رضی اللہ عنہم را کسے از اصولیین سنت مؤکدہ ننوشتہ پس بریں تقریر تراویح بر مواظبت رسول اللہ علیہ السلام کی شارع اند و ہر فعل کہ بر آن مواظبت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ثابت نہ شدہ گو بر آں مواظبت صحابہ ثابت شدہ باشد آں فعل سنت مؤکدہ نخواہد شد و تراویح از ہمیں قسم است پس مؤکدہ نخواہد شد علاوہ آنکہ مواظبت خلفائے راشدین بر بست رکعت

تراویح چنانکہ فقہاء می نویسند از کتب احادیث ثابت نمی شود ۔ واللہ اعلم ۔

محمد اسد علی

سید محمد نذیر حسین

سید شریف حسین

سوال :۔ چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در صورت خواندن مردمان بالغ و عاقل نماز فرض و سنت و نفل خصوصاً تراویح برائے سماعت ختم قرآن خلف صبیان نابالغ جائز است یا نہ ۔ بینوا توجروا ۔

جواب :۔ امامت نابالغ در فرائض نزد فقہاء حنفیہ جائز نیست و در تراویح و سنن مطلقہ نزد ائمہ بلخ وغیر ہم جائز است لکن از حدیث صحیح بخاری وغیرہ صحت امامت نابالغ در فرائض ثابت است و چوں در فرائض جائز شد پس در تراویح و سنن بدرجہ اولی جائز خواہد شد ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے یا نہیں ، ایسی تراویح کا ثواب ہوگا یا نہیں ؟

جواب :۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے ۔ اور ثواب ہوگا ۔ عند الائمۃ الثلاثۃ و عامۃ اہل حدیث خلافاً للحنفیہ کما فی الکتب الدینیۃ واللہ اعلم بالصواب ۔

سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام غفرلہ

سید محمد ابو الحسن

ہو الموفق :۔ بعض ائمہ سلف سے ثابت ہے کہ وہ اجرت کے ساتھ تراویح کا پڑھنا ، اور سننا جائز نہیں رکھتے تھے ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس امام کے بارے میں سوال کیا گیا ، جو لوگوں سے کہے کہ اتنے روپیہ پر تم لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھاؤں گا آپ نے فرمایا اللہ تعالی سے عافیت کا سوال کرتا ہوں ، ایسے امام کے پیچھے کون نماز پڑھے گا

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ اجرت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، اور فرمایا ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہو مصعب نے عبداللہ بن معقل کو حکم کیا کہ رمضان میں جامع مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس جب کہ افطار کیا تو مصعب نے پانچ سو درہم اور ایک حلہ عبداللہ بن معقل کے پاس بھیجا، تو انہوں نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ میں قرآن پر اجرت نہیں لیتا۔ کذا فی قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی، میرے نزدیک انہیں بعض ائمہ سلف کا قول قابل قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ تراویح کے جلسوں میں بعد سلام کے جو اذکار مسنونہ ہیں، وہ کیا ہیں؟

جواب:۔ تراویح کے جلسوں میں سلام کے بعد وہی اذکار ہیں، جو دیگر نمازوں میں ہیں، کسی حدیث سے کوئی تخصیص وطریق ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبدالجبار عمر پوری فتاویٰ۔ ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین صفحہ ۲۷۔

سوال:۔ کیا آٹھ ہی رکعت تراویح سنت ہے؟

جواب:۔ ہاں مگر باقی مستحب ہے، رد المحتار صفحہ ۴۷۳ میں ہے۔ وذکر[1] فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منہا ثمانیۃ والباقی مستحبا وتمامہ فی البحر اہ۔ حررہ مولوی عبدالغفور رمضان پوری بہاری۔ فتاویٰ مفید الاحناف صفحہ ۱۱۱

---

[1] اور ذکر کیا ہے، فتح القدیر شرح ہدایہ میں یہ کہ مقتضیٰ ہو دلیل کا ہونا مسنون اُس سے آٹھ ہی رکعت ہے، اور باقی مستحب اور پوری بحث اس کی بحر الرائق میں ہے۔ ۱۲۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس بارہ میں کہ جو لوگ آٹھ رکعت تراویح امام کے ساتھ پڑھ کر وتروں میں شریک نہیں ہوتے، اور وتر آخر رات میں اُٹھ کر پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل موافق سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ افضل یہی ہے کہ تراویح پڑھنے والا امام کے ساتھ وتر پڑھ کر جاوے حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی امام کی فراغت تک امام کے ساتھ پڑھتا رہے۔ اُس کو اللہ عزوجل قیام اللیل کا ثواب دے گا یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب قیام شہر رمضان کی فصل ثانی میں ہے۔ اسی واسطے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یقوم مع الناس حتی یوتر معہم ولا ینصرف حتی ینصرف الامام یعنی لوگوں کے ساتھ ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ اُن کے ساتھ وتر پڑھے، اور امام کے فارغ ہونے سے پہلے نہ جاوے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی عنہما فتاویٰ غزنوی جلد اوّل صفحہ ۱۰۴۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اگر ایک شخص پہلے ایک جگہ نماز تراویح پڑھاتا ہے، پھر وہی دوسری جگہ دوسرے لوگوں کو بھی پڑھا دے یہ جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اہل حدیث کے نزدیک اگر فرض نماز بھی ایک شخص دو دفعہ پڑھا دے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ یہ تو یعنی نماز تراویح تطوع ہے حررہ عبدالجبار الغزنوی عفی عنہ۔ فتاویٰ غزنویہ جلد اوّل صفحہ ۱۰۵

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر یا دس رکعت تراویح اور تین وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہیں، اور امیر المؤمنین خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے بھی اسی گیارہ یا تیرہ کا حکم دیا ہے۔ صحیح ابن حبان اور قیام اللیل مروزی میں جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، سے روایت ہے۔

صلّٰی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلمّا کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

وعن جابرؓ قال جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان منی اللیلۃ شئی قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلاتک وصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا اخرجہ المروزی فی کتاب قیام رمضان۔

اور موطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے۔ امر عمرؓ ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ کنا نصلی فی

---

۱ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھائے، پس جس وقت دوسری رات ہوئی، ہم مسجد میں جمع ہو گئے، اور ہم نے اس بات کی خواہش کی کہ آج رات بھی آپ (نماز پڑھانے کے واسطے) ہماری طرف نکلیں گے، ہم اسی جگہ ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا اور میں نے اسکو مکروہ جانا کہیں تمہارے اوپر فرض نہ ہو جاوے،

۲ اور جابرؓ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ آپ کے پاس رمضان میں ابی بن کعب آیا۔ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آج رات کچھ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیان کر تو۔ کہا میرے محلہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں ہم تیرے پیچھے نماز پڑھیں۔ اور تیری نماز کی اقتدا کریں۔ تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ اور وتر بھی (پڑھائے) آپ (یہ سنکر) چپ ہو رہے اور آپ کا سکوت مشابہ رضا کے ہے۔ اس حدیث کو مروزی نے کتاب قیام رمضان میں اخراج کیا ہے۔ ۱۲۔

۳ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا یہ کہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھایا کریں اور ایک روایت میں ہے کہ ہم عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تیرہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ قیام اللیل اور قیام رمضان میں اسی طرح ہے ۱۲۔

رمضان زمن عمرؓ بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ کذا فی کتاب قیام اللیل وقیام رمضان۔

جابرؓ کی دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان میں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی، وہ گیارہ رکعت تھیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابی بن کعب نے بھی عورتوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائی، اور امیر المومنین خلیفہ ثانی نے بھی اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا، جیساکہ سائب بن یزید کی حدیث کو جو مذکور ہوئی ہے، سب سے اصح و اثبت جانتے ہیں، جیساکہ ابن اسحاق نے لکھا ہے، ماسمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی والاحری من حدیث السائب بن یزید وذلک ان صلوۃ رسول اللہ کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ کذا فی کتاب قیام اللیل وقیام رمضان للمروزی۔

شیخ عبد الحق دہلوی حنفی محدث ماثبت بہ السنۃ میں لکھتے ہیں۔ والصحیح[۲] ماروتہ عائشۃ انہ صلے احدی عشرۃ رکعۃ کما ھو عادتہ فی قیام اللیل وروی انہ کان بعض السلف فی عہد عمر بن عبد العزیز یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ قصدا التشبیہ برسول اللہ۔

الغرض گیارہ رکعت تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اعلام سے ثابت ہے، پس جو کوئی اس سے انکار کرے یا برا جانے وہ بلاریب علم حدیث سے جاہل اور بے خبر ہے سنت مؤکدہ یہی گیارہ رکعت ہیں، باقی نفل ہیں بیس پڑھے یا چھتیس یا چالیس اختیار ہے ممانعت

---

[۱] کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی کہ وہ سائب بن یزید کی روایت ہے، بہت صحیح اور عمدہ ہو، اور یہ اس واسطے ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ رکعت ہوتی تھی۔ قیام اللیل اور قیام رمضان مروزی میں اسی طرح ہے ۱۲۔

[۲] اس بارے میں صحیح وہ روایت ہے جس کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ کہ آپ نے گیارہ رکعت نماز پڑھی، جیساکہ آپ کی قیام اللیل میں عادت تھی۔ اور نقل کیا گیا ہے، کہ بعض سلف عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے، تاکہ ان کی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو جاوے۔ ۱۲۔

(علوی لودھیانوی)

شرعی کوئی نہیں۔ فقط حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔

(فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۸۹ و ۹۰)

سوال: تراویح میں پورا قرآن شریف ختم کرنا ضروری ہے؟

جواب: تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا سنت ہے۔ ضروری نہیں ہے، حافظ قرآن کو اس سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جو حافظ نہیں ہیں۔ وہ حافظ کی اقتدا میں پورا قرآن سنیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں لوگ نماز تراویح پڑھتے تھے، واللہ اعلم (شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی

(ترجمان دہلی صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء)

سوال: رمضان میں تراویح کے بعد ایک رکعت وتر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعت پڑھتے تھے، پہلی چار رکعتیں پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے موطا امام مالک کی روایت ہے کہ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعبؓ تمیما الداری ان یقوم للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔ یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ اس روایت سے بھی وتر کی تین رکعتیں ثابت ہوئیں لیکن بعض دوسری روایتوں سے ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے، جب تین رکعت وتر پڑھا جائے۔ تو پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ۔ دوسری میں سورہ کافرون۔ اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے۔

(ترجمان دہلی ماہ صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء)

(شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی

توضیح الکلام:۔ لیکن ایک وتر کو رمضان شریف میں عادت نہ بنانا چاہیئے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت صحیح بخاری اور حضرت عمرؓ کی روایت موطا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اکثر تعامل نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا گیارہ رکعت پر ہے، اور یہی افضل ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ چھ سال سے ایک مسجد میں نماز تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے۔ الحمد للہ زید نماز۔ روزہ کا پابند ہے، قرآن مجید بھی ٹھیک پڑھتا ہے، سامعین اس سے خوش ہیں۔ لیکن مسجد کے ایک متولی صاحب کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے چاہتے ہیں۔ کہ زید آئندہ سے مسجد میں قرآن مجید نہ سنائے۔ بلکہ کوئی دوسرا سنائے۔ کیا شرعاً اُن کو زید کو رد کرنے کا حق ہے، اگر متولی جبراً زید کو روکے تو عند اللہ اس کی پکڑ ہے۔ یا نہیں؟۔

جواب:۔ جب کہ زید مذکور نماز۔ روزہ کا پابندہ اور حافظ قرآن اور قاری و نیک سیرت اور پابند شرع ہے، اور عرصہ سے یہ نماز پڑھاتا ہے، اور آج تک اس کی امامت کے بارے میں کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ سارے نمازی اس کے تراویح پڑھانے سے خوش ہیں۔ اور سوائے ایک کے تمام متولی اور نگران مسجد راضی ہیں۔ تو یہی زید مذکور تراویح پڑھانے کا مستحق ہے، اور جو ذاتی عناد کی وجہ سے زید کو نماز تراویح پڑھانے سے روکتا ہے وہ آیت کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا میں داخل ہے، یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو خدا کی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کے درپے ہو۔ علامہ شوکانی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ فرماتے ہیں ۔ والمراد بمنع المساجد ان یذکر فیہا اسم اللہ منع من یاتی الیہا للصلوۃ والتلاوۃ والذکر وتعلیمہ الخ۔

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسجدوں میں نماز پڑھنے سے اور قرآن مجید کی تلاوت سے اور ذکر الٰہی سے اور قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے سے لوگوں کو روکے وہ بڑا ہی ظالم ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں متولی مذکور کو زید کو نماز تراویح پڑھانے سے روکنے کا شرعاً حق نہیں ہے، اور اگر روکے گا تو آیت مذکورہ میں داخل ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ترجمان دہلی جلد ۷ شمارہ ۱۶) (عبدالسلام بستوی دہلی)

حنفی مذہب کا فتویٰ

محررہ مولانا مولوی عبدالصمد رحمانی
مفتی۔ خانقاہ رحمانیہ۔ مونگیر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں اگر کوئی اہلحدیث یا شافعی المسلک تراویح کے بعد وترکی نماز جماعت سے پڑھاوے۔ جس میں وہ تیسری رکعت میں خلاف طریقہ حنفیہ رکوع کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھے۔ پھر سجدے میں جاوے۔ تو ایسے امام کی اقتداء میں حنفی المذہب مقلد کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ نماز درست ہوگی۔ اور حنفی المذہب مقلد کو امام کی متابعت میں قنوت کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(اخبار محمدی دہلی جلد ۵ شمارہ ۱۲)

سوال:۔ اگر کوئی شخص تراویح چار چار رکعت پڑھنا چاہیئے۔ تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ جس طرح چار نفل یا چار سنت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح پڑھیں کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵، ۲۹ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ)

سوال:۔ تراویح کی نماز کھڑی ہے، ایک شخص آیا جس نے ابھی عشاء کے فرض پڑھنے ہیں۔ کیا وہ تراویح میں مل جائے یا فرض الگ پڑھ لے۔

جواب:۔ اس کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر فرض الگ پڑھ لے، تو بھی جائز ہے، کیونکہ جماعت فرضوں کی نہیں۔ نفلوں کی ہو رہی ہے، اور فرض جماعت کے پاس الگ نفل یا سنت پڑھنا ممنوع ہے، دوسری صورت یہ ہے۔ کہ تراویح میں شامل ہو جائے، در جب امام چار تراویح کے بعد درمیانی وقفہ کرے تو وہ اس وقفہ میں اپنے فرض پڑھ لے۔
(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ شمارہ ۴۸، ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ)

توضیح:۔ حدیث کے مطابق چونکہ نفلوں کے پیچھے فرض جائز بلکہ ثابت ہیں۔ اس لئے تراویح کی جماعت کے ساتھ ہی فرض پڑھ سکتا ہے، آج کل ہر چار رکعت کے بعد وقفہ نہیں کیا جاتا۔ یا پھر صورت اول اختیار کرے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کوئی اہلحدیث کسی حنفی کے پیچھے آٹھ تراویح پڑھ کر اپنے وتر الگ پڑھ سکتا ہے، جب کہ مسجد میں جماعت تراویح بھی ہو رہی ہو۔

جواب:۔ اُسے وتر گھر جا کر پڑھنے چاہئیں۔ جماعت کے پاس نہیں پڑھنے چاہئیں۔
(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۱، ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ)

توضیح:۔ وتر سنت اور نفل میں شامل ہیں۔ اسلئے گھر پڑھنے افضل ہیں۔ ورنہ جماعت کے ہوتے ہوئے مسجد میں بھی جائز ہیں۔ کیونکہ جماعت فرض نماز کی نہیں ہے، واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ بعض لوگ آٹھ تراویح پڑھتے ہیں، بعض بیس، بندہ متردد ہے کہ کیا کرے۔

جواب:۔ اول درجہ کی صحیح احادیث سے آٹھ تراویح کا ثبوت ہی ہے۔ سنت نبوی کے

مطابق سکون و راحت سے آٹھ تراویح پڑھنا کارِ ثواب ہے، چہ جائیکہ پورے آرام سے بیس پڑھی جائیں۔ آپ متردد نہ ہوں جہاں کہیں قرآن کریم سنایا جا رہا ہو۔ اور وہ لوگ آٹھ تراویح پڑھتے ہوں، آپ ان کے ساتھ آٹھ پڑھ لیں۔ بعد میں زائد نوافل جتنے پڑھنے چاہیں۔ اسی تسلی اور سکون سے پڑھیں۔ اور تجربہ کریں کہ کتنے پڑھ سکتے ہیں۔ یوں نہ کریں کہ بیس پڑھنے والوں کے ساتھ آٹھ پڑھ کر فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنے لگیں، یہ داؤ اور دھوکہ ہوگا۔

(اہل حدیث سوہدرہ ج ۱۵ ش ۲۱، نومبر ۱۹۶۲ء)

سوال: احناف کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں، اور بیس ہی کا حکم دیا کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب: حضرت عمرؓ فاروق کا خود بیس تراویح پڑھنا یا بیس کا حکم دینا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ جو دلیل وہ دیتے ہیں بہت ہی کمزور ہے، اہل علم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ا صفحہ ۵۲۲ میں ہے کہ۔ فَغَلَطٌ مُّبِيْنٌ لَا يلتفت اليه لانه لم يثبت قط ان ابا بكر الصديق وعمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنهما صلے عشرين ركعة مَرَّةً وَاحِدَةً۔

یعنی ایک بار بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ کا بیس تراویح پڑھنا ثابت نہیں سی طرح غایۃ المقصود شرح ابی داؤد میں مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی نے لکھا ہے،

اخبار اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ رجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۵۷ء)

سوال: حدیث شریف کی رُو سے نماز تراویح کی تعداد کس قدر ثابت ہے؟۔

جواب: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صلے بنا رسول اللہ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر (ابن خزیمۃ مفاتیح۔ سبل السّلام۔ نیل الاوطار، حضور نے رمضان شریف میں ہمیں

نماز تراویح، پڑھائیں۔ پھر وتر یہ اول درجہ کی صحیح حدیث ہے، کسی محدث نے اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔ امام مالکؒ اپنے مؤطا میں اول درجہ کی صحیح حدیث لکھتے ہیں۔ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت اُبی اور تمیمؓ کو حکم دیا تھا۔ کہ لوگوں کو گیارہ رکعات تراویح مع وتر پڑھائیں۔ عمل نبوی اور عمل صحابہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی لئے آٹھ رکعت سنت کے مطابق ادا کریں۔ زائد نوافل کوئی جس قدر چاہے پڑھے،

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۲۔ ۱۴ شعبان ۱۳۸۰ھ)

سوال:۔ ایک شخص حافظ قرآن ہے، جو اُسترا سے اپنی ڈاڑھی منڈواتا ہے، تاش بھی کھیلتا ہے، سگریٹ بھی پیتا ہے، گا ہے گا ہے سینما شو بھی دیکھتا۔ کیا رمضان المبارک میں اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا جائز ہے،؟

جواب:۔ ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حدیث میں ہے۔ اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ۔ اپنا امام بہترین آدمی کو بناؤ۔

محمد گوندلوی　　　　(الاعتصام جلد ۲ شمارہ ۱۴)

سوال:۔ حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں، اور ہم خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ واقعی حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھی ہیں۔ اگر خود بیس رکعت پڑھتے تھے، تو انہوں نے ابی ابن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم کیوں دیا۔ مؤطا امام مالکؒ۔ کیا بیس رکعت والی روایت درست ہے؟

جواب:۔ حضرت عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا۔ جیسا کہ مؤطا میں ہے، بیس رکعت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھی گئیں۔ مگر حضرت عمرؓ شامل نہیں ہوئے۔ اُن کی شمولیت کا

کہیں ذکر نہیں۔ | محمد گوندلوی |

(الاعتصام جلد نمبر۲۰ شمارہ نمبر ۸)

سوال نمبر(۱) :۔ ماہِ رمضان کی ۲۷ ویں رات کو جامع مسجد اہل حدیث میں قرآن شریف کی تلاوت ایک حافظ صاحب نے پوری کی ان کے لئے مسجد میں اہلحدیث اور غیر اہلحدیث سے چندہ جمع کیا جاتا ہے، اور وہ رقم تقریباً ۵۰۰ روپیہ حافظ صاحب کو دیتے ہیں۔ اور باقی دو تین سو روپیہ کی مٹھائی خرید کر تقسیم کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے، یا ناجائز۔ سنت ہے، یا بدعت بعض حضرات یہ چندہ زکوٰۃ سے ادا کرتے ہیں۔ کیا ان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟۔

سوال نمبر(۲) :۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں نے تلاوت قرآن پاک پوری کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کر دیا۔ اور اُس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے، تحریر فرمائیں یہ صحیح ہے، یا غلط؟۔

جواب نمبر(۱) :۔ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر اتفاقی طور پر کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر سنت سمجھ کر کیا جائے۔ یا سنت کی طرح التزام کیا جائے، تو ٹھیک نہیں ہے۔

جواب نمبر(۲) :۔ کسی وقتی خوشی کے وقت بطورِ شکرانہ کچھ صدقہ کرنا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص قرآن مجید حفظ کر لیتا ہے، یا کوئی کتاب حدیث کو ختم کرتا ہے، تو بطورِ شکرانہ اگر صدقہ کرے یا دعوت کرے تو کوئی حرج نہیں مگر سنت نہ سمجھئے۔

| محمد گوندلوی |

(اخبار الاعتصام جلد نمبر۲ شمارہ ۲۷، و ۲۸)
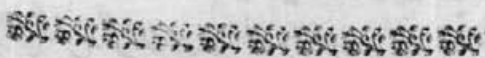
سوال:۔ حافظ قرآن امام تراویح کے پیچھے ناظرہ خواں نیت باندھ کر اپنے سامنے قرآن کھول کر رکھ لیتے ہیں۔ اگر حافظ بھول جاتا ہے۔ یا بھٹک جاتا ہے۔ تو یہ ناظرہ خواں اس کو بتا دیتے ہیں۔ اور خود ہی ورق بھی الٹتے ہیں کیا ناظرہ خواں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں:

جواب۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان حضرت عائشہؓ اور بعض دیگر صحابہ و تابعین کو قرآن دیکھ کر تراویح کی نماز پڑھاتے تھے"۔ ابوداؤد فی کتاب المصاحف وابن ابی شیبۃ والشافعی وعبدالرزاق۔ اسی اثر کی رو سے امام اعظم یعنی امام مالکؒ اور صاحبین کے نزدیک غیر حافظ شخص کا قرآن سے تراویح پڑھانا جائز ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ وابن حزم اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لکون عملا کثیرا ولان عمر کان ینہیٰ عنہ۔ العینی۔ وتاول اثر عائشۃ بعض الحنفیۃ انہ کان یحفظ من المصحف فی النہار ویقرأہ فی اللیل فی الصلوٰۃ عن ظہر قلب

بعض لوگ اس اثر کو سامنے رکھ کر امام تراویح کے پیچھے ناظرہ خواں کے قرآن کھول کر سامنے رکھنے۔ اور اوراق الٹنے اور بوقت نسیان امام کو تلقین کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اس کے جواز میں تامل و تردد ہے قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں...... اس کی نظیر نہیں ملتی اور جو صورت منقول ہے، قطع نظر اس بات کے کہ وہ محض ایک اثر ہے، اس کے خلاف حضرت عمرؓ کا ایک قول مروی ہے، و نیز اس کے جواز میں عندالائمہ اختلاف ہے، پس اس پر صورت مسئولہ کا قیاس کرنا محل تامل ہے،

(محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۴)

سوال:۔ حافظ محمد اسداللہ عتیق جن کی عمر تیرھویں سال میں ہے، ہم اس سے نماز تراویح میں قرآن مجید سننا چاہتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ جائز ہے، تراویح اور دوسرے نوافل کے علاوہ آپ فرائض بھی نابالغ

مگر باہوش لڑکے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں۔ بالخصوص نوافل میں بچوں کی امامت احناف میں سے مشائخ بلخ۔ یہی جائز سمجھتے ہیں۔ (ہدایہ باب الامامۃ) امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ سے مشہور یہ ہے کہ نوافل میں ان کی اقتداء جائز ہے، وقال فی الفتح والمشھور عنھما الاجزاء فی النوافل دون الفرائض (نیل الاوطار ص۱۴۰ باب ما جاء فی امامۃ الصبی۔)

ا۔ حضرت عمرو بن سلمہ جب کہ وہ ابھی چھ یا سات سال کے تھے۔ نبی اکرمؐ کے عہد میں ساری نمازیں پڑھایا کرتے تھے (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۰ باب الامامت فصل ثالث) حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں۔ فرض نمازیں ہوں یا نماز جنازہ ہمیشہ وہی اپنی قوم کو پڑھاتے رہے ہیں، فلم یزل امام قومہ فی الصلوٰۃ وعلیٰ جنائزھم۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۷۳) معلوم رہے کہ حضرت عمرو بن سلمہؓ صحابی ہیں۔ عمر میں کم سن ہیں۔ ۸۵ھ میں وفات پائی تھی، (دول الاسلام صفحہ ۴۳ للذہبی المتوفی صفحہ ۴۶ ۷)۔

(۱۱)۔ حضرت اشعث بن قیسؓ صحابی ہیں، وہ اپنے قبیلہ کندی کے رؤساء میں تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں وزیر رہے، آذربیجان کے گورنر اور صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے سپہ سالار تھے۔ اور ان کے چالیس دن بعد ۴۰ھ میں وفات پائی تھی۔ (دول الاسلام ذہبی) انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں ایک کم سن بچے کو تراویح کے لئے امام مقرر کیا تھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ میں نے قرآن کی بنا پر اس کو آگے کیا۔ الشعث بن قیس انہ کان امیرا تقدم غلاما صغیرا فامر الناس فعابوا علیہ فقال انی انما قدمت القرآن (قیام اللیل ص۱۴۲) مطبع اثریہ

(۱۱۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ اپنا اور صحابہ کا یہ تعامل پیش کرتی ہیں۔ کہ ہم مدارس عربیہ سے بچوں کو لے آتے اور ان کے پیچھے نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ عن عائشۃ کنا ناخذ الصبیان من الکتاب ونخدمھم یصلون لنا شھر رمضان الخ (قیام اللیل ص۱۴۲)

(۱۱) ۔ حضرت امام زہری (ف ۱۲۴ھ) فرماتے ہیں، کہ ہمیں شروع سے یہی خبر پہنچتی رہی ہے، کہ جو نابالغ بچے نماز پڑھ جانتے تھے، اور ان کو قرآن بھی آتا تھا، وہ لوگوں کو سب نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ لم یزل یبلغنا ان الغلمان یصلون بالناس اذا عقلوا الصلوٰۃ وقرؤا القراٰن فی رمضان وغیرہ وان لم یحتلموا (قیام اللیل ص۱۶۷ مطبع اثریہ)

(۱۲) ۔ امام حسن بصری (ف ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اگر بچے نماز اچھی طرح پڑھ سکتے ہوں، تو بچوں کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لا باس بامامۃ الغلام الذی لم یحتلم اذا احسن الصلوٰۃ ۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۶۷) مطبع اثریہ حضرت حسن بصری حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے، اور انہوں نے ہی ان کو گھٹی پلائی تھی، ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ تھیں ۔حضرتِ ابن عباس حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت انسؓ سے تعلیم پائی تھی، کہتے ہیں کہ صوفیائے کا سلسلہ تصوف انہی کے واسطہ سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے، واللہ اعلم۔

(۱۳) ۔ حضرتِ سعید بن جبیر تابعی (ف ۹۵ھ) نے حضرت ابو سلمۃ رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ مجھے کوئی حدیث سنائیے، انہوں نے کہا حضورؐ کا ارشاد ہے، جب تین آدمی سفر کو نکلیں ۔ تو ان میں سے جو سب سے بہتر قرآن پڑھ سکتا ہو۔ وہی نماز پڑھایا کرے ۔ خواہ وہ کم سن بچے کیوں نہ ہوں۔

قال ابو سلمۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا خرج ثلثۃ فی سفر فلیؤمہم اقرأھم وان کان اصغرھم ۔ (قیام اللیل ص۱۶۷ مطبع اثریہ)

ہاں ! بعض بزرگوں نے بچوں کی امامت سے پرہیز کیا ہے، مگر صرف اس لئے کہ صفائی کا خاطر خواہ خیال نہ رکھا گیا ہو۔ یا یہ کہ اہل ترین بزرگوں کے ہوتے، بچوں کو آگے لانا سوء ادبی ہے، لیکن یہ مسئلہ کی بات نہیں ۔ صرف احتیاط کا مسئلہ ہے، باقی رہی منع کی کوئی مرفوع حدیث! تو وہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح ان کے دوسرے دلائل کا حال ہے، جو استنباطی ہیں۔ تکلف ہیں ۔ جو عقلی ہیں، اوہام ہیں، اور جو تکلفات ہیں۔ مسلکی حمیت اور تقلیدی ضرورت کے سلسلے کے میلے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ (۱۰ مقام لاہور جلد ۲۰ ش ۱۱)

(الاعتصام لاہور۔ جلد ۲۶۔ شمارہ ۱۱)

سوال :۔ ختم قرآن کے موقع پر بالعموم جو مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب :۔ ختم قرآن مجید کے موقع پر مٹھائی کی تقسیم طبعی اور قدرتی خوشی کے ذیل میں آتی ہے کہ ایک نیکی کے ادا کرنے کی توفیق ملی۔ شرعی مسئلہ نہیں تاہم اعتدال احتیاط اور سادگی ملحوظ رہنی چاہیئے۔ (الاعتصام لاہور جلد ۲۶۔ شمارہ ۱۱)

سوال :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح چونکہ دراصل تہجد کی نماز ہے، اس لئے عشاء کی بجائے اسے آخر رات ہی پڑھنا چاہیئے۔ اسی میں زیادہ ثواب ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ کہ کوئی شخص باجماعت تراویح کی بجائے تہجد کے وقت یہ تراویح پڑھے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ نماز بے شک ایک ہی ہے، لیکن رمضان شریف میں اسے قیام رمضان کی بھی حیثیت ہو جاتی ہے (لقولہ علیہ السلام وسننت لکم قیامہ (قیام اللیل) چنانچہ اس کو رمضان میں رسول اکرمﷺ نے باجماعت اول رات میں ہی ادا فرمایا۔ صحابہ کرام کی بہت بڑی اکثریت یہ نماز باجماعت ادا کرتی رہی۔ اس لئے حسب ارشاد امام احمد بن حنبلؒ فضیلت اول رات باجماعت تراویح کو حاصل ہے تاہم اگر کوئی شخص سحری میں پڑھ لیا کرے۔ تو حرج کی بات نہیں۔ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ

(الاعتصام لاہور جلد ۲۴ شمارہ ۱۱)

سوال :۔ کیا رمضان میں ایک وتر پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھی

ہیں۔ آٹھ رکعت اور ایک وتر رمضان شریف میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور سلف رح سے ثابت نہیں۔ (الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۱)

سوال ،۔ مروجہ شبینہ شرعی لحاظ سے درست ہے، یا نہیں۔ اور اگر مروجہ شبینہ کے علاوہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیا جائے۔ تو ٹھیک ہے، اور شرعی لحاظ سے کتنے دلوں میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیئے۔؟۔

جواب :۔ ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ تین دن میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

لیکن بہت سے آثار میں سلف رح سے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کا ذکر آیا ہے، بنا بریں حافظ ابن رجب رح (جو آٹھویں صدی ہجری کے ایک فقیہ محدث تھے) کی تحقیق یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رض کی حدیث عام حالات کے بارے میں ہے، اوقات فاضلہ (مثلاً رمضان شریف) میں تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید ختم کیا جا سکتا ہے۔ طبیعت کا نشاط اور شوق جس قدر اجازت دے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آدابِ تلاوت و قیام کو حتی الامکان ملحوظ رکھتے ہوئے۔ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر ہی ہے۔ کہ تین رات میں ہی ختم کیا جائے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں تو عام طور پر ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۰)

توضیح الکلام :۔ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنا۔ قرآن اور حدیث کے خلاف ہے، وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۔ آہستہ آہستہ یعنی واضح پڑھ قرآن آہستہ پڑھنا۔ حدیث عبداللہ بن عمر جس کی طرف مجیب صاحب نے اشارہ کیا ہے، آثار سلف جن کی طرف مجیب نے اشارہ کیا۔ وہ آیت اور حدیث کے خلاف ہیں۔ اس لئے حجت نہیں۔ جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے، ایک رات میں قرآن مجید میں خشوع

خشوع اور آدابِ تلاوت بھی نہیں رہتا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں آٹھ تراویح مع وتر جماعت سے پڑھ لے اور پھر رات جاگنا چاہیے، تو کیا مزید نوافل پڑھ سکتا ہے، یا نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ وتروں کے بعد نفل جائز نہیں کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب:۔ وتروں کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے، عن عائشۃ قالت کان یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین، یعنی آنحضرت وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ وکان سعد بن ابی وقاص یوتر ثم یصلی علی اثر وتر۔ سعد بن ابی وقاص وتروں کے بعد نفل پڑھا کرتے تھے، (قیام اللیل صفحہ ۱۳۰) جن احادیث میں آتا ہے، کہ حضور کی آخری نماز وتر ہوا کرتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ تہجد پڑھتے تو آخری نماز وتر کی رکعات ہوتیں اس کے بعد پھر نفل نہ پڑھتے مگر جو عشاء ہی کے ساتھ وتر پڑھ لے، وہ اس کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے،

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ شمارہ ۲۷: ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ)

سوال:۔ کیا امام قرآن ہاتھ میں پکڑ کر نماز تراویح میں سنا سکتا ہے، اور حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب:۔ اگر حافظ نہیں ملتا تو پڑھ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید ہاتھ میں لے کر۔

(اخبار اہل حدیث لاہور جلد ۱ ش ۴۷: ۱۱ ر شوال ۱۳۹۰ھ)

توضیح:۔ قیام اللیل صفحہ ۹۳ میں ہے:۔ ان ذکوان ابا عمرو رضی و کانت عائشۃ اعتقتہ عن دبر فکان یؤمہا ومن معہا فی رمضان فی المصحف

یعنی ذکوان آزاد کردہ غلام مائی عائشہؓ کا رمضان میں حضرت عائشہؓ اور اس کے خاندان کی امامت کراتا تھا۔ اور قرآن میں دیکھ کر قرأت کرتا۔ واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ نماز تراویح رات کے اول حصہ میں پڑھنا افضل ہے، یا آخری حصہ میں؟۔

جواب:۔ اگر وہ حافظ ہو اور آخر رات میں بیدار ہو سکتا ہو تو وہ افضل ہے۔ اگر مسجد میں باجماعت پڑھتا ہو تو پھر جس وقت مسجد میں جماعت ہوتی ہے، اس وقت پڑھ لیں۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا شمارہ ، نمبر ۱۱ ر شوال ۱۳۹۰ھ)

سوال:۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وتر باجماعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب:۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وتر باجماعت ثابت ہے۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا شمارہ ، نمبر ۱۰، ۱۱ ر شوال ۱۳۹۰ھ)

توضیح:۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے تین دن رمضان میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر جماعت سے ثابت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت مع وتر باجماعت حکم فرمایا تھا۔ نیز۔ نفل نماز باجماعت ثابت ہے، رمضان غیر رمضان میں وتروں میں جماعت کی ممانعت پر کوئی دلیل بھی نہیں۔ قیام اللیل صفحہ ۷۰ میں بہت صحابہ اور تابعین کے اقوال جواز پر دال ہیں۔ واللہ اعلم

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی صرف ایک رات ہے، مگر دنیا میں کہیں دن ہوتا ہے، اور کہیں رات مثلاً عرب میں اکیسویں کو شب قدر ہے، تو پاکستان میں بیسویں رات ہوگی۔ اس طرح ہم شب قدر سے محروم ہو گئے۔ یا تعداد لازم آتا ہے، یا اسلام عالمگیر مذہب نہیں رہتا۔ عزیز الرحمٰن لکھنئی

جواب:۔ لیلۃ القدر جمعہ کی طرح ہے، تو ہر ملک میں رات کو ہی ہوتی ہے، جیسے جمعہ ہر ملک میں اُس ملک کے دن ہی میں ہوتا ہے۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۲ و ۲۴، ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال:۔ حافظ قرآن جو نماز تراویح پڑھاتا ہے، اس کو روپیہ دینا جائز ہے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر کوئی اس کی خدمت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ بلکہ بعض اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر ایک مریض پر دم کیا تھا۔ اور اس سے تیس بکریاں لی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کتاب اللہ پر اجرت لینا اچھا ہے۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۷، ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

مولانا حافظ محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمعیت

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح رمضان المبارک میں ستائیس تاریخ کو جماعت سے پڑھنا۔ اور پڑھانا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ صلوٰۃ التسبیح رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو باجماعت ادا کرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر بہ نظر تعلیم کبھی ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کو سنت نہیں سمجھنا چاہیئے۔ نہ سنت کی طرح اس پر اصرار کرنا چاہیئے۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۸، ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

مولانا حافظ محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث

توضیح:۔ نفل نماز کی جماعت ثابت ہے، اور نماز تسبیح بھی نفلی نماز ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں۔

علی محمد سعیدی

سوال:۔ کیا رمضان شریف میں تراویح میں قرآن مجید سنا کر اجرت اور اجرت مقرر کرکے پر قرآن شریف سنانا جائز ہے؟

جواب :۔ اجرت پر قرآن مجید تراویح میں سنانا یا اجرت مقرر کرنا بالکل جائز نہیں بلکہ ایسے شخص کے پیچھے تراویح ہی نہیں ہوتیں۔ قیام اللیل میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

مولانا عبداللہ امرتسری روپڑی رحمہ اللہ

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

توضیح :۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسے امام کی اقتدار میں نماز تراویح جائز نہیں ہے، تو اجرت پر جمعہ اور جماعت کرانے والے امام و خطیب کی اقتدار میں بھی نماز جائز نہیں ہے، دراصل تراویح یا پنجگانہ نماز میں قرآن شریف سنا کر کوئی شخص اجرت وصول نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی شخص اس کی اجرت دے سکتا ہے۔ وہ تو اپنے وقت کی پابندی پر معاوضہ حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام نے ایک مریض پر سورۃ فاتحہ کا دم کیا۔ اور تیس بکریاں حاصل کیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اسلامی کاروبار میں پابند ہو چکا ہوں۔ لہٰذا ابوبکر اور اس کے اہل بیت۔ بیت المال کا وظیفہ کھائیں گے۔ حافظ محمد محدث گوندلوی مدظلہم کا فتویٰ جواز پر گزر چکا ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

بیس تراویح پڑھنے والے امام کے پیچھے آٹھ تراویح کا حکم

سوال :۔ ماہ رمضان میں احناف بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت ہیں۔ اہل احناف تین رکعات وتر ادا کرتے ہیں۔ درمیان میں تشہد بیٹھتے ہیں۔ اہل حدیث یہ تشہد نہیں بیٹھتے۔ کیا ہم بھی ان صورتوں میں ان کے ساتھ اقتدار کرتے رہیں کیونکہ اگر ان کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں تو قرآن مجید سننے سے محروم رہتے ہیں؟

جواب :۔ تراویح اصل میں آٹھ ہی ہیں۔ آپ آٹھ تراویح کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے گھر میں جا کر وتر اول رات پڑھیں۔ یا آخیر رات پڑھیں۔ اگر چاہیں تو بیس رکعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر آٹھ سے زائد محض نفلوں کی نیت کریں۔ اور وتر بدستور گھر میں پڑھیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۳۰۳)

مسافر کے لئے نماز تراویح

سوال :- مسافر کو نماز تراویح معاف ہے یا نہیں؟ سفر ایسا ہے جس میں روزہ رکھ سکتا ہے؟

جواب :- نماز تراویح نفل ہے جب مسافر کو دو فرض معاف ہیں تو نفل معاف کیوں نہیں ہوں گے۔ہاں پڑھ لے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۳۰۶)

مروجہ شبینہ

سوال :- آج کل رواج ہے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک حافظ یا متعدد حفاظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے نماز عشاء سے سحری تک ایک ہی رات میں پورا سناتے ہیں، چونکہ سحری تک قرآن مجید ختم کرنا ہوتا ہے، اس لئے وہ قدر تیز پڑھتے ہیں کہ عام حالات میں لفظ سمجھ میں نہیں آتے۔ بعض مساجد میں اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ لوگ اس کو شبینہ کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

جواب :- شبینہ مروجہ منع ہے۔حدیث میں ہے جو شخص تین دن سے کم میں قرآن مجید پڑھے۔اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔قیام اللیل مروزی وغیرہ میں۔عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔کہ ان کے شاگردوں نے رات کی نماز میں قرآن مجید کچھ زیادہ پڑھنے کا ذکر کیا۔ تو عبداللہ بن مسعود نے ڈانٹا۔اور فرمایا ھذا کھذ الشعر یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ لا اعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ القرآن فی لیلۃ ولا قام لیلۃ حتی اصبح یعنی مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک رات میں مکمل قرآن مجید پڑھا ہو یا ساری رات تک طلوع فجر تک قیام فرمایا ہو۔جب ایک رات میں قرآن مجید کا ختم کرنا منع ہو تو اس کا اہتمام کرنا تو اس سے بھی برا ہوا۔پس مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔اور بدعی طریقوں سے پرہیز رکھنا چاہیئے۔کیونکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے

اور بدعی طریقوں میں بجائے رضامندی کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ تکلیف بھی اٹھانا اور خواہ مخواہ گنہگار بھی ہونا۔ یہ مسلمان کا کام نہیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۰۷، ۲۹ رمضان ۱۳۶۳ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال:۔ کیا نابالغ لڑکا نماز تراویح پڑھا سکتا ہے؟

جواب:۔ ہاں نماز تراویح نابالغ لڑکا پڑھا سکتا ہے، بشرطیکہ مقتدیوں سے قرآن اس لڑکے کے پاس زیادہ ہو۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمرو بن سلمہ جو کہ نابالغ بچہ تھا۔ نماز فرض کی جماعت کراتا تھا۔ کیونکہ وہ مقتدیوں سے زیادہ قرآن جاننے والا تھا۔ اس کی تفصیل بخاری مسلم میں موجود ہے۔ (اخبار ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد ۱ شمارہ ۲۳)

تصدیق حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ	مولانا ابوالبرکات احمد شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

سوال:۔ عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر، رواہ البیہقی، یہ حدیث سند کے اعتبار سے کیسی ہے۔ اور کیا قابل عمل ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب بعون الوہاب:۔ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے، کسی ایک محدث ماہر فن نے اس راوی کو حدیث میں ثقہ اور قابل حجت و اعتبار قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ تمام محدثین عظام کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے، لہٰذا اصول حدیث کے اعتبار سے اس کے متعلق ہر قسم کی جرح مقبول ہوگی۔

۱۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:۔ ابوشیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان وکان قاضی واسط وھو ضعیف متفق علی ضعفہ۔ مقدمہ شرح مسلم جلد ۱ صفحہ، یعنی ابوشیبہ کے ضعیف ہونے پر تمام محدثینؒ کا اتفاق ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔ قال احمد ویحیی وابوداود، ضعیف

وقال یحیی ایضا لیس بثقۃ وقال البخاری سکتوا عنہ۔ وقال الترمذی منکر الحدیث وقال النسائی والدولابی متروک الحدیث وقال ابوحاتم ضعیف الحدیث سکتوا عنہ وترکوا حدیثہ وقال الجوزجانی، ساقط، وقال صالح جزرۃ، ضعیف لایکتب حدیثہ روی عن الحکم احادیث مناکیر، وقال ابوعلی النیسابوری لیس بالقوی، وقال الاحوص الغلابی دممن روی عنہ شعبۃ من الضعفاء ابوشیبۃ، وقال معاذ العنبری کتبت الی شعبۃ وھو ببغداد اسالہ عن ابی شیبۃ القاضی اروی عنہ فکتب الی لاترو عنہ فانہ رجل مذموم واذا قرأت کتابی فمزقہ وکذبہ شعبۃ فی قصۃ.......... قلت وقال ابن سعد، کان ضعیفاً فی الحدیث وقال الدارقطنی ضعیف وقال ابن المبارک ارمیہ، وقال ابوطالب عن احمد منکر الحدیث قریب من الحسن بن عمارۃ۔ تھذیب التھذیب ص ۱۴۴-۱۴۵ ج اول۔

امام مسلمؒ نے مقدمہ مسلم صفحہ ۱۷ پر امام شعبہؒ کے خط کا ذکر کیا ہے۔ ابوشیبہ چونکہ قاضی تھا امام شعبہ کو اس سے تکلیف پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اس لئے سائل کو خط پھاڑنے کا حکم دیا۔ کہیں قاضی کے ہاتھ نہ لگ جائے مقدمہ شرح مسلم صفحہ ۱۷۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ابوشیبہ کو حسن بن عمارہ کے قریب قرار دیا ہے۔ اور حسن بن عمارہ کے متعلق امام نووی لکھتے ہیں، والحسن بن عمارۃ متفق علی ضعفہ وترکہ، مقدمہ شرح مسلم۔ یعنی حسن بن عمارہ کے ضعف اور ترک پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ یہی حال ابوشیبہ کا ہے، امام شعبہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا۔ اور اس سے روایت لینے کو روک دیا۔

۳۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں، ومن یکذبہ مثل شعبۃ فلا یلتفت الی حدیثہ۔ الفتاوی الکبری الفقھیۃ ص ۱۹۵ ج ۱۔ لابن حجر الھیثمی۔ یعنی جس راوی کو امام شعبہ جیسا محدث ماہر فن جھوٹا کہہ دے اس کی حدیث کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیئے۔

۴۔ ابن حجر ہیثمی۔ ابوشیبہ کی بیس تراویح والی حدیث تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، وھو شدید الضعف اشتد کلام الائمۃ فی احد رواتہ تجریحا وذما ومنہ انہ یروی الموضوعات...... وان حدیثہ ھذا الذی فی التراویح من جملۃ مناکیرہ۔ الفتاوی الکبری ص ۱۹۵ ج ۱۔

یعنی بیس تراویح کی حدیث سخت ضعیف ہے اس حدیث کے ایک راوی (ابوشیبہ) پر محدثین نے سخت جرح کی ہے، ایک یہ ہے کہ وہ موضوع (من گھڑت) روایات، بیان کرتا ہے، اور بیس تراویح کی حدیث اس کی منکر حدیثوں سے ہے۔

۵۔ قال فی سبیل الرشاد، ابوشیبۃ: ضعفہ احمد وابن معین والبخاری ومسلم وابوداود والترمذی والنسائی وغیرھم وکذبہ شعبۃ وقال ابن معین لیس بثقۃ وعد ھذا الحدیث من منکراتہ۔ سبل السلام ص۱۰ ج ۲۔

۶۔ علامہ محمد الزرقانی لکھتے ہیں: "لکن ضعفہ ابن عبدالبر والبیہقی بروایتہ ابی شیبۃ" شرح زرقانی صفحہ ۲۳۹ جلد ا نیز: ملاحظہ ہو السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۴۹۶ جلد ۲۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ۔ امام احمد بن حنبل[1]۔ امام بخاری[2]۔ امام مسلم[3]۔ امام یحیی بن معین[4]۔ امام ابوداود[5]۔ امام ترمذی[6]۔ امام نسائی[7]۔ امام ابوحاتم[8]۔ امام جوزجانی[9]۔ امام دولابی[10]۔ امام صالح جزرۃ[11]۔ ابوعلی نیساپوری[12]۔ امام احوص غلابی[13]۔ امام شعبہ[14]۔ امام ابن سعد[15]۔ امام دارقطنی[16]۔ امام عبداللہ بن مبارک[17]۔ امام ذہبی[18]۔ امام نووی[19]۔ ابن حجر ہیتمی[20]۔ امام بیہقی[21]۔ ابن عبدالبر[22]۔ ابن حجر عسقلانی[23]۔ ابن ہمام حنفی[24]۔ امام زیلعی حنفی[25]۔ علامہ عینی حنفی[26]۔ ابن عدی[27]۔ علامہ سیوطی[28]۔ ملا علی قاری حنفی[29]۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی[30] وغیرہم نے ابوشیبہ کو ضعیف و مجروح اور جھوٹا و غیر معتبر قرار دیا ہے۔

۷۔ عون الباری بر حاشیہ نیل الاوطار صفحہ ۳۷۳ جلد ۴ پر ہے: فاسنادہ ضعیف اور صفحہ ۲۷۶ جلد ۴ پر ہے: ولیس فی العشرین روایۃ مرفوعۃ۔ یعنی بیس رکعت والی حدیث ضعیف ہے۔ اور اس بارہ میں ایک روایت بھی مرفوع نہیں ہے۔

۸۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: واسنادہ ضعیف ویعارضہ قول عائشۃ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ الدرایۃ ص۱۲۳ وکذا فی فتح الباری ص۱۵۸ ج ۵۔

یعنی بیس تراویح والی حدیث کی سند ضعیف ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث (صحیح) کے مخالف بھی ہے۔

۹۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں: واسنادہ ضعیف، تنویر الحوالک ص۱۴۱ ج ۱۔

۱۰۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔ واما عدد ما صلی ففی حدیث ضعیف عن ابن عباس انہ صلی عشرین رکعۃ، شرح زرقانی صہ ۲۳۴ ج ۱۔

۱۱۔ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں۔ فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح۔ فتح القدیر شرح ہدایہ صہ ۲۰۵ ج ۱۔

یعنی بیس تراویح والی حدیث ابوشیبہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے، اور اور صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔

۱۲۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں۔ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح۔ نصب الرایہ صہ ۱۵۳ ج ۲۔

۱۳۔ علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں۔ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم واورد لہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل من مناکیرہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صہ ۳۵۹ ج ۷۔

۱۴۔ ملا علی قاری حنفی نے بیس رکعت والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مرقاۃ صفحہ ۱۷۵ جلد ۲۔

۱۵۔ مولانا عبدالحی حنفی لکھتے ہیں۔ وقال جماعۃ من العلماء منھم الزیلعی وابن الھمام والسیوطی والزرقانی ان ھذا الحدیث مع ضعفہ معارض بحدیث عائشۃ الصحیح فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ رکعۃ فیقبل الصحیح ویطرح غیرہ۔ التعلیق الممجد صہ ۱۴۱

یعنی علماء کی جماعت امام زیلعی حنفی، ابن ہمام حنفی۔ امام سیوطی، زرقانی وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ رضؓ کی صحیح حدیث (جس میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے) کے مخالف ہے، پس صحیح کو قبول کیا جائے گا۔ اور اس کے غیر کو پھینک دیا جائے گا۔

۱۶۔ مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں۔ واما عشرون رکعۃ فھو عنہ صلے اللہ علیہ وسلم بسند ضعیف وعلے ضعفہ اتفاق۔ العرف الشذی صہ ۳۰۹۔

۱۷۔ ابو طیب محمد بن عبدالقادر سندھی حنفی لکھتے ہیں واسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ ھذا وھو فی الصحیحین فلا تقوم بہ الحجۃ۔ شرح ترمذی صفحہ ۴۲۳۔ جلد ۱۔ یعنی اس کی سند ضعیف ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے، کے مخالف ہے۔ لہٰذا اس ضعیف سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔

۱۸۔ مولانا محمد زکریا حنفی لکھتے ہیں۔ لا شک فی ان تحدید التراویح فی عشرین رکعۃ لم یثبت مرفوعاً من النبی صلے اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح علی اصول المحدثین وما ورد من روایۃ ابن عباس فمتکلم فیہا علے ان ولھم اوجز المسالک ص۳۹۷ ج ۱۔
یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کی تحدید و تعیین محدثین کے اصول پر صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اور جو روایت ابن عباس کی بیس رکعت کے متعلق ہے، وہ محدثین کے اصول پر ضعیف ہے (کیونکہ سند میں ابو شیبہ راوی نہایت ضعیف ہے)

۱۹۔ شیخ عبدالحق دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔ لکن المحدثین قالوا ان ھذا الحدیث (حدیث ابن عباس) ضعیف۔ ماثبت بالسنہ صفحہ ۱۲۲ نیز ملاحظہ ہو فتح سر المنان فی تائید مذھب النعمان۔ مسک الختام ص۲۸۹ ج ۱۔

۲۰۔ علامہ محمد طاہر حنفی لکھتے ہیں۔ وما روی عن ابن عباس کان یصلے عشرین فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ رضؓ وھی اعلم بحال وھو فی الصحیحین۔ مجمع البحار ص۳۷۴ ج ۲

۲۱۔ مولانا احمد علی سہارنپوری لکھتے ہیں۔ فضعیف مع مخالفۃ للصحیح۔ حاشیہ بخاری ص۱۵۴ ج ۱۔

۲۲ شیخ محمد تھانوی لکھتے ہیں۔ اذ لا شک فی صحۃ حدیث عائشۃ وضعف حدیث ابن عباس رضؓ۔ حاشیہ نسائی مجتبائی ص۲۴۸ ج ۱۔

۲۳۔ مولوی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ۲۸۱ جلد اول ودوم

۲۴۔ امام اوزاعی۔ ۲۵۔ علامہ زرکشی، ۔ ۲۶۔ علامہ امیر یمانی۔ (سبل السلام صفحہ ۱۰ جلد ۲)

۲۷۔ علامہ شوکانی ؒ (نیل الاوطار صفحہ ۵۸ جلد ۳) نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ان تصریحات سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ بیس تراویح کی حدیث نہایت کمزور و ضعیف ہے۔ اور کسی ایک نے بھی اس کو صحیح و قابل حجت نہیں کہا بلکہ علمائے حنفیہ نے بھی بالاتفاق اس کے ضعیف ہونے کا واضح اقرار و اعتراف کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سوال:۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، لہٰذا یہ ضعیف حدیث قابل عمل ہوسکتی ہے؟۔

جواب:۔ امام یحییٰ بن معین ؒ۔ امام بخاری ؒ۔ امام مسلم ؒ۔ امام ابن حزم ؒ۔ ابوبکر ابن العربی ؒ کے نزدیک مطلقاً احکام کے بارہ میں ہو یا فضائل میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہے، قواعد التحدیث صفحہ ۱۱۳۔

وقد اخطأ من قال انہ یجوز التساھل فی الاحادیث الواردۃ فی فضائل الاعمال، وذلک لان الاحکام الشرعیۃ متساویۃ الاقدام، لافرق بین واجبھا ومحرمھا ومسنونھا ومکروھا ومندوبھا فلا یحل اثبات شئ منھا الا بما تقوم بہ الحجۃ، والا فھو من التقول علی اللہ بما لم یقل ومن التجرئ علی الشریعۃ المطھرۃ بادخال ما لم یکن منھا فیھا وقد صح تواترا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ فھذا الکذاب الذی کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتسبا للناس بحصول الثواب لم یربح الا کونہ من اھل النار مقدمۃ تفسیر فتح البیان صـ۱۷۔

یعنی جو شخص فضائل اعمال میں وارد شدہ احادیث کے بارہ میں تساہل کو جائز سمجھتا ہے، اس نے غلطی کی ہے، کیونکہ شرعی احکام برابر ہیں۔ واجب، محرم، مسنون و مکروہ اور مندوب میں سے

کسی کو بھی، جس کے ساتھ حجت و دلیل قائم ہو سکتی ہے، اس کے بغیر کے ساتھ ثابت کرنا حلال نہیں ہے، ورنہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور شریعت مطہرہ میں اس چیز کو داخل کرنے کی جسارت ہو گی۔ جو اس میں نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، کہ آپ نے فرمایا۔ جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا۔ وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنا لے، پس یہ جھوٹا آدمی جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ثواب حاصل کرنے کی خاطر جھوٹ کہا ہے دوزخ والوں میں ہونے کے سوا کسی نفع کو حاصل نہ کر سکا۔

بعض ائمہ کے نزدیک چند شروط کے پائے جانے کے بعد ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے،
(احدھا) ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ نقل العلائی الاتفاق علیہ۔ (الثانی) ان یندرج تحت اصل معمول بہ (الثالث) ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ بل یعتقد الاحتیاط قواعد التحدیث ص۱۱۶ (الرابع) ولیس ھناک مایعارضہ ویرجح علیہ (ظفر الامانی ص۱۰۵)

پہلی شرط یہ ہے کہ اس حدیث کا ضعف سخت نہ ہو۔ اس شرط کے لحاظ سے اُس حدیث پر عمل نہ ہو گا۔ جس کا راوی کذاب یا متہم بالکذب یا بہت زیادہ غلطیاں کرنیوالا ہو۔
دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے) کسی معمول بہ اصل کے تحت آ سکے،
تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو۔ بلکہ اس میں احتیاط ملحوظ خاطر ہو۔
چوتھی شرط یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس کے مخالف و معارض نہ ہو۔
ان شروط کو مدنظر رکھ کر ابوشیبہ کی حدیث کو ملاحظہ کیجئے۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ اصولاً یہ حدیث فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا راوی ابوشیبہ جھوٹا یا متہم بالکذب ہے جیسا کہ امام شعبہ کے کلام سے پہلے معلوم ہو چکا۔
اور یہ حدیث نہایت ضعیف اور کمزور ہے، ابن حجر ہیثمی اور دیگر آئمہ کے کلام سے

صاف ظاہر ہو چکا ہے۔ وقد صرح السبکی بان شرط العمل بالحدیث الضعیف ان لا یشتد ضعفہ۔ (الفتاوی الکبری للہیتمی ص۱۹۵ ج۱۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ (تراویح) نہیں پڑھا کرتے تھے، بخاری و مسلم۔ اس کے مخالف و معارض موجود ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ابن ہمام حنفی۔ امام زیلعی حنفی۔ علامہ محمد طاہر حنفی مولانا احمد علی حنفی وغیرہم نے اس مخالفت و معارضت کا واضح طور پر ذکر کیا ہے، ایک شرط یہ تھی۔ کہ عمل کے وقت ثبوت کا اعتقاد نہ ہو۔ یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے، عدم ثبوت کا اعتقاد تو کجا۔ بیس رکعت تراویح کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور بیس رکعت کو سنت نہ سمجھنے والے کو طرح طرح کے برے القاب سے پکارا جاتا ہے۔ بلکہ مبتدع، ضال اور مردود الشہادۃ تک کہنے سے نہیں شرماتے۔

الفوائد السمیۃ فی شرح النظم المسمی بالفرائد السنیۃ فی فروع الفقہ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان ص۱۱۲ ج۱ میں ہے فمنکرھا مبتدع ضال مردود الشہادۃ (العیاذ باللہ) یہ کتاب المجلس العلمی کراچی میں موجود ہے۔

دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے

اس ضعیف حدیث سے احناف کے دعویٰ کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں فی غیر جماعت کا لفظ بھی موجود ہے، ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۴۹۶۔ جلد ۲۔ یعنی تنہا پڑھا کرتے تھے، اس لفظ کے ہوتے ہوئے مقلدین احناف کا دعویٰ کہ بیس رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے، اس ضعیف حدیث کے بھی عملاً حنفی خلاف ہیں۔ بیس رکعت تراویح با جماعت کو سنت نبویہ قرار دینا باطل اور غلط ہے، کیونکہ آج تک تمام احناف صحیح سند سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بیس رکعت باجماعت ادا کی ہو یا حکم دیا ہو۔

اسوۂ مصطفیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واتباع میں خلیفہ راشد ثانی حضرت عمرؓ

فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں اسلامی حکومت کے تمام شہروں میں قیام رمضان اور گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم نافذ فرمایا۔

وھو اول من سن قیام شھر رمضان وجمع الناس علی ذلك وکتب به الی البلدان وذلك فی شھر رمضان سنة الرابع عشرة۔ الطبقات الکبری لابن سعد ص ۲۸۱ ج ۳۔

عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب، ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة۔ مؤطا امام مالك ص ۴۰

یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم کیوں دیا تھا۔

قال الباجی لعل عمر رضی اللہ عنہ اخذ ذلك من صلوٰة النبی صلے اللہ علیه وسلم۔ شرح زرقانی صفحہ ۲۳۸ جلد ۱۔ تنویر الحوالك صفحہ ۱۳۸ جلد ۱۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (تراویح) سے اخذ کیا تھا۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے اسی گیارہ رکعت کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن الولید الطرطوشی لکھتے ہیں، وقال مالك والذی اخذ به فی نفسی فی قیام شھر رمضان الذی جمع عمر علیه الناس، احدی عشرة رکعة بالوتر وھی صلوٰة النبی صلے اللہ علیه وسلم۔ کتاب الحوادث والبدع ص ۵۶۔

ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:- فانه کان یصلے احدی عشرة رکعة وھی کانت وظیفته الدائمة۔ احکام القرآن ص ۱۸۶۶ ج ۴۔

والصحیح ان یصلے احدی عشرة رکعة صلوٰة النبی علیه السلام وقیامه۔ فاما غیر ذلك من الاعداد فلا اصل له۔ عارضة الاحوذی شرح ترمذی ص ۱۹ ج ۴

یعنی صحیح یہ ہے کہ تراویح گیارہ رکعت پڑھی جائے، جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اس کے علاوہ تعداد رکعات کا کوئی اصل وثبوت نہیں ہے۔

فقط والسلام ۔ ۱۳ / شعبان ۱۳۹۶ھ ۔

کرم الدین السلفی ، مدرس دار الحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی

تراویح آٹھ ہیں نہ کہ بیس

از مولانا محمد عبید اللہ عفیف صدر
مدرس دار الحدیث جینیانوالی

سوال :۔ بریلوی حنفیوں کی ایک کتاب "جاء الحق" میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں ۲۳ دلائل لکھے ہیں ۔ دیکھیئے صفحات ۴۴۷ تا ۴۶۴ ۔ براہ کرم ان کی حقیقت بتائیے کیا ہے ؟

الجواب :۔ وباللہ التوفیق

دلیل نمبر ۱ : حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایک رکعت میں جتنا قرآن پڑھتے تھے ، اس کا نام رکوع ہے ، چونکہ یہ دونوں صحابی ۲۷ / رمضان کو قرآن ختم کرتے تھے ، اور قرآن کے تمام رکوع ۵۵۷ ہیں ۔ اگر تراویح بیس رکعت پڑھی جائیں ، اور ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے ۔ اور آخری رات میں فی رکعت متعدد رکوع پڑھ لئے جائیں ۔ تو قرآن ۲۷ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے ، غیر مقلدوں کی آٹھ رکعت کے لحاظ سے قرآن کے کل رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیئں ۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۴)

جواب :۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس "عمل" کے لئے حوالہ کوئی نہیں معلوم نہیں یہ "کہانی" کہاں سے لی جاتی ہے اگر ہو بھی تو صحابی کا عمل دلیل نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اصول فقہ میں دلائل کتاب ، سنت ، اجماع اور قیاس شمار کئے گئے ہیں ۔ اور بس پھر رکوعات قرآنی کی تعیین و تحدید قاریوں کی اختراع ہے ، اور اجماع وہ دلیل بنتا ہے ، جو ثابت بھی ہو ۔

دلیل نمبر ۲ :۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے ، اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے ، اور آٹھ رکعت میں دو ترویحے ہوتے ہیں ۔

جواب :۔ کسی صحیح مرفوع حدیث میں تراویح کا لفظ نہیں ملتا ۔ حدیث میں قیام

رمضان ہے۔ چنانچہ۔ محدثین قیام شہر رمضان کا باب باندھتے ہیں۔ خود مؤطا امام محمد میں بھی قیام شہر رمضان کا عنوان ہے، صحیح بخاری کے ایک نسخے میں کتاب الصلوٰۃ "التراویح" عنوان ملتا ہے، باقی نسخوں میں وہ بھی نہیں۔ شائد شہرت کی وجہ سے کسی ناسخ نے لکھ دیا ہوگا۔

اس کے علاوہ دو[۲] کو بھی جمع ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ایک باب باندھا ہے الاثنان فما فوقہما جماعۃ اور مالک بن حویرث کی حدیث ولیؤمکما اکبرکما سے استدلال کیا ہے، اور دو دفعہ چار چار پڑھنا "تراویح" ہو جاتے ہیں۔ پس صحیح بخاری کے باب اور حدیث کے مطابق دو کا جمع ہونا صحیح ہو گیا۔

دلیل نمبر ۳:۔ ہر روز بیس رکعت نماز یعنی ۱۲ فرض اور تین وتر ضروری ہیں۔ اور رمضان میں ان بیس کی تکمیل کے لئے بیس رکعت نماز تراویح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائیں؛

جواب:۔ نماز فرض پانچ ہیں۔ وتر فرض نہیں۔ وتر سنت ہیں۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذاً الی الیمن فقال ادعہم الی شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ فان ہم اطاعوا لذالك فاعلمہم ان اللہ افترض علیہم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ (بخاری باب وجوب الزکوٰۃ ص۱۸۷ ج ۱۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں۔ چھ نہیں۔ تو پھر وتر سنت ہوئے نہ کہ فرض۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:۔ ھذا من احسن ما یستدل بہ لان بعث معاذ بن جبل کان قبل وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیسیر (نیل ص۳۶ ج ۳)

"یہ حدیث وتر کے فرض نہ ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ کے تھوڑی دیر یمن جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے۔"

اس لئے جمہور علماء کا مذہب بھی یہی ہے کہ وتر سنت ہیں۔ وقد ذھب الجمہور الی ان الوتر غیر واجب بل سنۃ (نیل ص۳۵ ج ۳) باب الوتر علی الدابۃ۔

بخاری شریف صفحہ ۱۳۶ جلد ا میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وتر اور نفل سواری پہ پڑھ لیتے تھے۔ لیکن فرض سواری پہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ وتر میں جہت قبلہ بھی ضروری نہ ہوتی تھی۔

جواب نمبر ۲:۔ وتر صرف تین ہی نہیں بلکہ ۹، ۷، ۵ اور ایک بھی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توتر لك ما صلیت الخ (صحیح بخاری ج ۱ باب الوتر ص ۱۳۵) رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو۔ کیونکہ ایک رکعت تمہاری نماز کو وتر بنا دے گی۔ امام ترمذی نے تو باب ہی یوں باندھا ہے، باب ماجاء فی الوتر برکعۃ۔ اور یہ حدیث لکھی ہے۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلے من الیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعۃ "آپ رات کو دو دو رکعت پڑھتے تھے، اور پھر ایک وتر پڑھتے۔"

دلیل نمبر ۴:۔ "چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا۔ اور نہ اس پہ پابندی فرمائی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپؐ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صریحاً ثابت نہیں" (جاء الحق صفحہ ۲۴۵ جلد ا، یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، صحیح حدیث سے آٹھ رکعت تراویح صریحاً ثابت ہیں۔ اور آپ ہمیشہ آٹھ ہی پڑھتے تھے۔

احادیث صحیحہ

ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ یصلے اربعاً ولا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلے ثلاثا۔

(بخاری باب قیام النبی ص ۱۵۴ ج ا کتاب الصوم ص ۲۶۹ ج ا مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد الرکعات ص ۲۵۴ ج ۱)

"حضرت ابوسلمہؓ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہیں فرماتے تھے۔ نہایت عمدگی سے لمبی چار رکعت ادا فرماتے اسی طرح کی چار رکعت اور پڑھتے۔ ازاں بعد تین وتر پڑھتے"

عن جابرؓ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر فلما کانت لقابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتے اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یارسول اللہ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان تصلے بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم رواہ الطبرانی فی الصغیر ص۱۰۸ ومحمد بن المروزی ص۹۰ وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحیھما قال الحافظ الذہبی بعد ذکر ھذا الحدیث اسنادہ وسط (میزان الاعتدال ص۳۱۱ ج۲)

وذکرا الحافظ ذہبی بعد ذکر ھذا الحدیث فی بیان عدد الرکعات (فتح الباری ص۵۹۷ ج۱)

"یعنی حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ایک رات میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے. ہم نے دوسری رات بھی آپ کا انتظار کیا۔ مگر صبح کو آپ نے فرمایا۔ کہ اس خدشہ سے میں نے ناغہ کیا ہے کہ قیام رمضان تم پر ضروری نہ ہو جائے"۔ (اعتراض) اس کی سند میں عیسے بن جاریہ راوی متکلم فیہ ہے۔

جواب:۔ اس حدیث کی سند کو وسط (یعنی حسن) کہنے والے حافظ ذہبی بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ چنانچہ حافظ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں۔ الذہبی من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال ۔ (رجال کی جانچ پرکھ اور نقد و جرح میں حافظ ذہبی کو ید طولیٰ حاصل ہے) علاوہ ازیں حافظ ابن خزیمہ اور حافظ ابن حبان کا اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں درج کرنا حافظ ذہبی کی بھرپور تائید ہے۔ مزید براں یہ حدیث دراصل ابو سلمہؓ (بخاری) کی تفصیل ہے۔ کما اشار الیہ الحافظ والعینی فافھم ولا تکن من القاصرین ۔

۲۔ عن جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان منی اللیلۃ شیئ یعنی فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرء القراٰن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات واوترت فکانت شبہ الرضا ولم یقل شیئا ۔ رواہ ابو یعلے والطبرانی فی الاوسط وقال

الهیثمی فی مجمع الزوائد ص ج۲۔ اسنادہ حسن واخرجہ ایضاً محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل ص۹۰۔

"جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، کہ ابی بن کعبؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ آج کی رات مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے، فرمایا وہ کیا ہے؟ کہا عورتیں میرے گھر میں جمع ہو گئیں۔ اور میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھا دیئے۔ آپؐ نے ابی بن کعب کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ آپؐ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔

وضاحت ابو سلمہ والی حدیث (صحیح بخاری) کو خود امام محمدؒ نے اپنی کتاب موطا میں نقل فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مجتہد حنفیہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث قیام رمضان کے بیان میں ہے، نہ کہ تہجد کے بیان میں جیسا کہ بعض حنفی فقہاء اور اکابر۔ ابو سلمہ کی حدیث نہ مانتے ہوئے یہ بہانہ تراشتے ہیں۔

بہر حال ان تینوں صحیح اور صریح احادیث میں آٹھ رکعت قیام رمضان تراویح کا صراحۃً ثبوت موجود ہے، اور آٹھ رکعت تراویح ہی دراصل سنت نبویہ ہیں۔ پورے اعتماد کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے زمانہ میں کسی صحابی نے آٹھ رکعت اور وتر سے زیادہ قیام رمضان نہیں کیا۔ چنانچہ امام مالک کا فرمان یہ ہے کہ الذی جمع علیہ الناس عمر بن خطاب احب الی وھی احدیٰ عشرۃ رکعۃ وھی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر (مصابیح فی صلوٰۃ التراویح للسیوطی)،

"گیارہ رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ اور یہی مجھے پسند ہیں۔ گیارہ اور تیرہ کے علاوہ کثرت نماز کا مجھے علم نہیں۔ کہ وہ کہاں سے پیدا ہو گئیں" اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک بھی بیس رکعات تراویح سنت نبوی نہیں ومن یدعی فعلیہ البیان بالبرہان۔

دلیل نمبر ۵:۔ لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہے، ہمیں

حکم ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

جواب نمبر۱:۔ اولاً پیش کردہ حدیث میں پہلا لفظ "سنتی" کا ہے، سنت خلفاء راشدینؓ دوسرے نمبر پر ہے، چونکہ دلیل نمبر۴ کے جواب میں مذکورہ حدیثوں سے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ سنت نبوی صرف آٹھ اور تین ہیں، لہٰذا آپ کی سنت کے ہوتے ہوئے خلفاء کے عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔

جواب نمبر۲:۔ سنت خلفاء راشدین سے اُن کا طریقہ نظام حکومت مراد ہے، علامہ امیر الیمانیؒ فرماتے ہیں۔ فانہ لیس المراد بسنۃ الخلفاء الراشدین الا طریقہم الموافقۃ لطریقتہ صلی اللہ علیہ وسلم من جہاد الاعداء وتقویۃ شعائر الدین ونحوھا (سبل السلام ص۱۱ ج۲ باب صلوۃ التطوع)

خلفاء کی سنت سے ان کا وہ سیاسی طریق کار مراد ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے موافق ہو۔ اور پھر اس طریق کار کا اعدائے اسلام کے خلاف جہاد اور دوسرے دینی شعائر کی سربلندی اور تقویت سے تعلق ہو۔

دلیل: حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے۔ قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ (رواہ البیہقی فی المعرفۃ باسناد صحیح (جاء الحق ص۲۴۵)

"سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم عہد عمرؓ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے"

جواب: یہ اثر قابل استدلال نہیں ہیں اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابوعثمان ہے، جس کے متعلق خود مولانا شوق نیموی حنفی فرماتے ہیں۔ لم اقف علی من ترجمہ (تعلیق آثار السنن ص۵۰) جب تک اس کے ثقہ ہونے کا پتہ نہ چلے۔ اس وقت تک اس روایت سے استدلال درست نہ ہوگا۔ ثانیاً اس جگہ سائب کے راوی یزید بن خصیفہ ہیں۔ جن کو ثقہ کہا گیا ہے، لیکن امام احمدؒ نے منکر حدیث بھی کہا ہے۔ دوسرا راوی محمد بن یوسف ہے، جو اس سے اوثق ہے، وہ اپنے دادا سائب بن یزید سے گیارہ رکعت روایت کرتا ہے، یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ رواہ سعید بن منصور فی سننہ قال الحافظ السیوطی فی

رسالتنا المصابیح اسنادہ فی غایۃ الصحۃ۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۵ ، جلد ۲) باب قیام شہر رمضان فتح الباری صفحہ ۲۰۴ جلد ۴) "ہم عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے" لہٰذا اس کی روایت کو ترجیح ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن خصیفہ کی روایتوں میں اضطراب ہے علاوہ ازیں پوتے کو دادا کی بات کا زیادہ علم ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر ۲ :- تمیم داریؓ ۔ ابی بن کعبؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت باجماعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ مالك عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ کان امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ (موطا امام مالك ص۹۸ باب قیام شہر رمضان ۔

اعتراض اس اثر کو نقل کرنے میں امام مالک متفرد ہیں۔

جواب :۔ یہ غلط ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید اور یحییٰ قطان نے امام مالک کی متابعت کی ہے، یعنی وہ دونوں بھی امام مالکؒ کی طرح محمد بن یوسف ۔ سے گیارہ رکعت کا حکم نقل کرتے ہیں اور اسے متابعت تامہ کہتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں محمد بن یوسف سے ۲۱ رکعت نقل کی ہیں۔

جواب نمبر ۱ :۔ امام عبدالرزاق ۲۱ رکعت میں متفرد ہونے کے ساتھ ساتھ آخری عمر میں حافظ اور بینائی کھو بیٹھے تھے، ثقۃ حافظ مصنف شہیر عمی فی آخر عمرہ وتغیر وکان یتشیع ۔ (تقریب صفحہ ۲۱۳) لیکن برخلاف اس کے امام یحییٰ بن سعید قطان ثقہ اور متقن ہیں۔ یحیی بن سعید ثقۃ متقن حافظ قدرۃ من کبار (تقریب صفحہ ۳۷۵)

جواب نمبر ۲ : یہ اثر اوپر کی تین حدیثوں کے خلاف ہے۔

جواب نمبر ۳ :۔ حنفیہ ۲۳ رکعتوں کے قائل ہیں نہ کہ ۲۱ رکعتوں کے لہٰذا حنفیوں کو یہ اثر مفید نہیں ہے۔ ورنہ ایک وتر اور بیسؔ تراویح یا پھر تین وتر اور ۱۸ تراویح ماننی پڑے گی۔ اور یہ دونوں حنفیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔

دلیل نمبر ۷ | ابن منیع نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے، نصلی بھم عشرین رکعة (ابی رضی اللہ عنہ بن کعب نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائیں) (جاء الحق صفحہ ۴۴۵)

جواب: اس اثر کا مصنف جاء الحق نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور نہ کوئی سند ذکر کی ہے، لہٰذا یہ معرض استدلال میں پیش نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں دلیل نمبر۴ کے جواب کے سلسلے کی تیسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی نے عورتوں کو گیارہ رکعات تراویح پڑھائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند بھی فرمایا۔ پھر دلیل نمبر۶ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

جواب نمبر ۲: بشرطِ صحت ممکن ہے کہ حضرت ابی ۸ رکعات کو سنت سمجھتے ہوں اور باقی بطور نفل پڑھتے ہوں۔

دلیل نمبر ۸ | عن ابی الحسنات ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلے بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۵ بحوالہ بیہقی) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ بیس رکعات پڑھائیں۔

جواب: یہ راوی ابو الحسنات نہیں۔ بلکہ ابو الحسناء ہے، جو مجہول راوی ہے، لہٰذا یہ اثر ضعیف ہے، شوق نیموی کہتے ہیں۔ مدار ھذا الاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف و قال الذھبی لا یعرف - (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۴، جلد۲) ابو الحسناء مجہول ہے، قال الحافظ مجہول (تقریب صفحہ ۴۱۱)

دلیل نمبر ۹ | عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ (بیہقی، طبرانی)

ابن ابی شیبہ وغیرہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے سوا بیس تراویح پڑھتے تھے)

جواب: یہ روایت نہایت درجہ کی کمزور ہے۔ امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، یحییٰ بن معین، ابن عدی، دولابی اور حافظ مزی ایسے کبار محدثین کے علاوہ اکابر حنفیہ مثلاً بدر الدین عینی (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۸ جلد ۱۱) علامہ زیلعی (نصب الرایہ

صفحہ ۱۵۳ جلد ۲) ابن ہمام (فتح القدیر صفحہ ۱۹۸ جلد ۱) اور ملا علی قاری عشوق نیموی کے علاوہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری صفحہ ۲۰۵ جلد ۴ تقریب صفحہ ۲۳) اور خود امام بیہقی (صفحہ ۴۹۶ جلد ۲) اور مالکیہ میں سے امام زرقانی مالکی اپنی شرح مؤطا میں اس حدیث کے راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔ یعنی یہ حدیث حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِی الْاَبْصَار۔

دلیل نمبر ۱۰ عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انه کان یؤمهم فی رمضان یصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ (جاء الحق صفحہ ۴۴۷ بحوالہ بیہقی حضرت علی کے تلمیذ شتیر بن شکل رمضان میں لوگوں کو پانچ ترویح بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

جواب:۔ یہ اثر بھی موضوع ہے اور صحیح حدیثوں کیخلاف ہے، جیسا کہ دوسری مختلف تعداد کے خلاف مرفوع ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیثوں میں صرف آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں۔ جیسا کہ دلیل نمبر ۴ کے جواب میں تین مرفوع حدیثیں لکھی جا چکی ہیں۔ حافظ ابن حجر باب جمعۃ فی القریٰ تحت فتح الباری انصاری پارہ ۴ صفحہ ۴۸۶) میں فرماتے ہیں فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع۔

دلیل نمبر ۱۱ عن ابی عبدالرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بهم۔ بیہقی (جاء الحق صفحہ ۴۴۸) "حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا۔ اور ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھائے، اور وتر خود حضرت علیؓ پڑھاتے تھے"

جواب:۔ امر رجلا نہیں بلکہ امر منهم رجلا ہے۔ بہرکیف یہ اثر بھی ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہے، جو ضعیف ہے۔ قال النیموی بعد ذکر هذا الاثر حماد بن شعیب ضعیف قال الذهبی فی المیزان ضعفه ... ابن معین وغیرہ وقال یحیی بن معین لایکتب حدیثه وقال البخاری فیه نظر وقال النسائی ضعیف قال ابن عدی اکثر احادیثه مما لایتابع علیه (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۵ جلد ۲) کہ "امام بخاری۔ یحییٰ۔ ذہبی۔ نسائی۔ ابن عدی نے حماد بن شعیب کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے۔

دلیل نمبر ۱۲ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ باسناد صحیح۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۵) "لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیسؒ رکعت پڑھتے تھے۔"

جواب: یہ بھی یزید بن خصیفہ کی روایت ہے، مگر دوسری سند سے ہے، جو ابھی گزر چکا ہے، کہ محمدؒ بن یوسف کی روایت کو سائب بن یزید سے) بوجوہ یزید بن خصیفہ کی روایت راجح ہے،

دلیل نمبر ۱۳ ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیسؒ ترا ویح پڑھتے تھے۔

جواب: ان سب کی حقیقت پر تحقیق ابھی ابھی گزر چکی ہے، خلاصہ جس کا یہ ہے کہ کوئی روایت صحیح نہیں تاہم اگر کوئی ثابت بھی ہو۔تو یہ ثابت ہوگا۔کہ فلاں صحابی یا تابعی بیسؒ رکعت پڑھتا تھا۔لیکن ظاہر ہے کہ کسی کا پڑھنا یا اس کا عمل حضور کی سنت نہیں کہلا سکتا۔ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آپ بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بہتان قرار پائے گا۔حدیث میں ہے۔من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار العیاذ باللہ۔ ہاں بیؒ صحیح حدیث سے سلف بیں ۸ تراویح ثابت ہو چکی ہیں۔خدا حدیثوں پہ چلنے کی توفیق دے۔آمین۔

دلیل نمبر ۱۴ عہد فاروقی میں بیسؒ پہ عمل جاری ہو گیا تھا۔(جاء الحق صفحہ ۴۴۵)

جواب: یہ بالکل غلط ہے،کیونکہ محمدؒ بن یوسف اپنے دادا سائب بن یزید سے مرفوع اور بیؒ صحیح سند کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔آپ قارئین اور خود فیصلہ کرلیں کہ ترجیح حضرت عمرؓ کے حکم کی ہے،یا لوگوں کے پڑھنے کی (اگر وہ ثابت بھی ہو)۔

دلیل نمبر ۱۵ عبداللہ بن عباس۔ابی بن کعب۔ سائب بن یزید وغیرہ صحابہ کا بھی معمول تھا۔(جاء الحق)۔

جواب نمبر ۱:۔ یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے، کسی ایک صحابی سے بھی صحیح، مرفوع متصل سند سے بیس رکعات کا پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر کوئی مدعی ہے تو اسے ہماری طرح کوئی صحیح السند مرفوع اثر ثابت کرنا چاہیئے۔ تب ان شخصیتوں کا معمول ثابت ہوگا ورنہ خرط القتاد۔

جواب نمبر ۲:۔ اگر مطلوبہ شروط کے ساتھ کوئی ثابت بھی ہو جائے۔ تو دلیل نمبر ۱ کے جواب میں گزر چکا ہے، کہ صحابہ کے اختلاف کے وقت فیصلہ مرفوع حدیث پر ہوگا۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری صفحہ ۲۸۶ جلد ۴)۔

دلیل نمبر ۱۶ | واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی هکذا ادرکت ببلد مکة یصلون عشرین رکعة ۔

(ترمذی باب قیام شہر رمضان جاء الحق صفحہ ۴۴۵) حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ صحابہ کرام سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارک اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ بیس پڑھتے تھے۔

جواب نمبر ۱:۔ حضرت علیؓ سے کل دو اثر مروی ہیں۔ ایک میں ابوالحسناء مجہول راوی ہے جیسے کہ "دلیل نمبر ۸" کے جواب میں گزر چکا ہے، اور دوسرے اثر میں حماد بن شعیب راوی ہے جو سخت ضعیف ہے، چنانچہ "دلیل نمبر ۱۰" کے جواب میں مفصل بحث گزر چکی ہے، حضرت عمرؓ کا اثر یہ ہے۔ یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة رواہ ابن ابی شیبة (تحفۃ الاحوذی ص ۷۵ ج ۲) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ مگر یہ اثر منقطع ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ علامہ شوق نیموی حنفی لکھتے ہیں، رجالہ ثقات لکن یحییٰ بن سعید الانصاری لم یدرک عمر (تعلیق آثار السنن ص ۵۸) ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ آئمہ کا قول حجت نہیں ہوتا۔ اور ترمذی میں رُوِیَ کا مجہول صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے قول کے ضعف کی طرف اشارہ رُوِیَ مجہول صیغہ کے ساتھ کر رہے ہیں،

جواب نمبر۲:۔ حدیث صحیح کی حجیت آئمہ اور فقہا کی تائید کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ فی نفسہٖ حجت ہے۔ لہٰذا آئمہ کی اکثریت کی صحیح حدیث کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ملا معینؒ دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں علمت انه کما یجب ترك قول امام واحد مخالف بالحدیث کذالك یجب ترك مائة امام مثلاً اذا کان مخالفا بالحدیث الصحیح فلو وجدنا حدیثاً صحیحا خالفه الائمة الاربعة رحمهم الله وجب علینا ترك اقوالهم فوراً۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۴۳)

"ہمارے مضبوط دلائل کی روشنی میں تجھے علم ہو چکا ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں جیسے ایک امام کے قول کو ترک کرنا واجب ہے، اسی طرح سو اماموں کا قول بھی ترک کرنا واجب ہے، اگر ہم آئمہ اربعہ کو بھی کسی حدیث کے خلاف پائیں۔ تو ہم پر واجب ہے کہ ہم فوراً ان کے اقوال کو ترک کر دیں۔"

بنابریں احادیث کے مقابلے میں اکثر اہل علم یا مکہ والوں کے عمل کی دھونس بے فائدہ ہے۔

دلیل نمبر۱۷ روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم یصلون عشرین رکعة وثلث رکعات الوتر وفی الباب آثار کثیرة اخرجها ابن ابی شیبة فتح الملهم۔ (شرح مسلم صفحہ ۲۹۱ ج ۲ جاء الحق ص ۴۴۶)

"حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔"

جواب:۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ اختلاف کی صورت میں لوگوں کے اقوال افعال سند نہیں ہوتے۔ اور لوگوں کا بیس رکعات تراویح پڑھنا شرعی دلیل نہیں ہے، ہاں اگر کسی کے پاس مرفوع صحیح حدیث موجود ہو تو وہ پیش کرے۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

دلیل نمبر۱۸ روی الحارث بن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بثلث وعشرین رکعة۔ (جاء الحق ص ۴۴۶ عمدۃ القاری ص ۳۰۶ ج ۵)

کہ "سائب بن یزید کہتے ہیں۔ کہ لوگ عہدِ عمرؓ میں ۲۳ رکعات قیام کرتے تھے۔"

جواب:- ہم دلیل نمبر ۶، ۷ کے جواب میں مدلّل وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ صحیح حدیث کے سامنے کسی کا قول و فعل دلیل نہیں بن سکتا۔ حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب درجہ خامسہ کا راوی ہے۔ تقریب میں اس کے متعلق لکھا ہے، صدوق یہم ص ۶۰ صدوق تو ہے، مگر اس کا وہم ہو جاتا تھا۔

دلیل نمبر ۱۹ کان عبداللہ بن مسعود یصلی بنا فی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ (عمدۃ القاری ص ۳۰۷ ج ۵)

کہ "عبداللہ بن مسعود ہم کو تراویح پڑھاتے اور سحر سے پہلے ختم کر دیتے۔ اعمش کہتے ہیں، کہ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔"

جواب:- یہ اثر بھی منقطع ہے، کیونکہ سلیمان اعمش کا حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع ثابت نہیں ہے، تقریب میں ہے، الطبقۃ الصغری منھم الذین رأوا الواحد والاثنین ولم یثبت لبعضھم السماع من الصحابۃ کالاعمش۔ (تقریب ص ۱۰)

"پانچواں طبقہ ان تابعین کا ہے، جو ایک دو صحابہ کو دیکھ چکا ہے، ان میں سے بعض کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں ہے، جیسے اعمش"۔ لہٰذا یہ اثر کسی صحیح حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ منقطع اصل میں ضعیف ہے، اور ضعیف صحیح کی معارض کیسے!۔

دلیل نمبر ۲۰ قال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔

(عمدۃ القاری صفحہ ۳۵۵ جلد ۵، جاء الحق صفحہ ۴۴۶) "ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ جمہور علماء، اہل کوفہ، شافعی، اکثر فقہا کا یہی قول ہے، صحابہ کے کسی اختلاف کے بغیر حضرت ابی بن کعب سے یہی صحیح ہے۔"

جواب:- جمہور علماء کوئی دلیل نہیں ہے۔ فقہا کے نزدیک کل چار دلیلیں ہیں۔ کتاب و سنت اجماع، قیاس مگر اہل حدیث قیاس کو تنقیح کے بعد مانتے ہیں، اور بعض

محققین کے نزدیک اجماع بلاسند بھی محل نظر ہے، پس جمہور علماء کا محل بیس پر ہونا کوئی شرعی حجت نہیں۔ اور ہم دلیل نمبر ۱۹ کے جواب میں مفصل بحث کر چکے ہیں، اور یہ کہنا کہ اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ہے ابن عبدالبرؒ کا سہو ہے۔ (اگر انہوں نے کہا ہے) کیونکہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

دلیل نمبر ۲۱ | ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا ہے کہ فصار الاجماع لما روی البیہقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عہد عمرؓ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمانؓ وعلیؓ (جاء الحق صفحہ ۲۴۶) عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ گویا بیس پر اجماع ہو گیا۔"

جواب:۔ ملا علی قاری کا یہ کہنا کہ بیس پر اجماع ہو چکا خلاف واقعہ ہے، کیونکہ خود حافظ عینی نے اس اجماع کو طشت ازبام کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ الخ (قیام رمضان کی مستحب تعداد میں چند اقوال پر علماء کا اختلاف ہے۔ (۱) بعض ۴۱ کے قائل ہیں۔ (۲) بعض اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے۔ (۳) بعض ۳۹ کے ۳۶ تراویح اور تین وتر یا ۳۸ تراویح ایک وتر یہ بھی اہل مدینہ کا عمل ہے۔ (۴) بعض ۳۴ کے اور (۵) بعض ۲۸ (۶) بعض ۲۴ (۷) بعض ۲۰ - (۸) بعض ۱۴ (۹) اور بعض ۱۳ - (۱۰) بعض گیارہ کے امام مالک اور ابن العربی اسی کے قائل ہیں۔" (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۶ جلد ۱۱) اور آخری قول میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابو سلمہ کی حدیث اس عدد میں صریح ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔ اصل سنت تو آٹھ ہی ہیں۔ اور باقی زائد نفل (فتح القدیر ص ۱۹۸ ج ۱) ۔ یہی عبارت مرقات باب قیام رمضان میں بھی موجود ہے۔ اور فتح الباری میں امام مالک سے ۴۶ نفل اور ۳ وتر اور ۴۰ نفل اور ۷ وتر بھی منقول ہیں۔ (دعویٰ ص ۲۰۵ و ۲۰۴ ج ۴) اور امام احمد سے کچھ مروی ہی نہیں۔ ایسے شدید اختلاف میں ۲۰ پر اجماع کا کرنا علماء کی شان سے فروتر ہے۔

وضاحت | حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد کی طرف ۲۰ رکعت کو منسوب

کرنا مدرج قول ہے، تصانیف بیہقی میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے، آثار السنن میں ہے:
فقوله على عهد عثمانؓ وعلیؓ مثله قول مدرج لايوجد فى تصانيف البيهقى (تعليق آثار السنن)

دلیل نمبر ۲۲ شتیر بن شکل۔ ابن ابی ملیکہ۔ حارث۔ عطاء۔ ابوالبختری، سعید عبدالرحمان بن ابی بکر بھی ۲۰ کے قائل ہیں۔ (عمدۃ القاری ص ۳۵۷ ج ۵)

جواب:۔ دلیل نمبر ۲۱ کے جواب میں گزر چکا ہے کہ عدد مستحب میں ۱۱ اقوال ہیں۔ ایسی صورت میں چند شخصیتوں کا ۲۰ کو پسند فرمانا کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دلیل نمبر ۱۶ کے جواب میں لکھا جا چکا ہے، کہ یک صد آئمہ کا مخالف عمل بھی حدیث صحیح کی حجیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ کذالک یجب ترک قول مائة امام اور آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق ہم دلیل نمبر ۴ کے جواب میں ابو سلمہ کے متفق علیہ ور جابر اور ابی ابن کعب کی صحیح حدیثیں نقل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث صحیح پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

(الاعتصام جلد ۲۷ شمارہ ۱۳، ۱۴، ۱۵)

ترویح الموحدین

"ترویح الموحدین"، حضرت قاضی ابواسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے۔ اور غالباً کسی کتاب کے رد میں لکھی گئی ہے، دلائل نہایت عمدہ اور مرتب ہیں۔ قاضی صاحب مرحوم ماضیٔ قریب کے اعاظم رجال میں سے ہیں۔ علوم حدیث میں انہیں خاص درک تھا۔ عربی کے بلند پایہ شاعر و ادیب تھے۔ مولانا شمس الحق مرحوم ڈیانوی کے ساتھ "عون المعبود" کی تالیف میں ممد رہے تھے۔ ان کی دوسری بھی کئی تصانیف ہیں ۱۳۵۲ھ میں وفات پائی۔

قولہ:۔ گیارہ تراویح کے لئے کوئی دلیل نہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ قول صحابہؓ و فعل میں پائی، اور نہ کسی اہل اسلام کا میلان گیارہ رکعت کی طرف پایا جاتا ہے، بلکہ قرونِ اولیٰ سے اب تک بیس پر اجماع رہا۔ اور نہ آج تک کوئی اس کا منکر ہوا۔

اقول:۔ مؤلف نے یہاں دو دعوے کئے ہیں۔ اول یہ کہ کسی قرن میں گیارہ کا ثبوت نہیں دوم قرن اولیٰ سے لے کر اب تک بیس ۲۰ پر اجماع رہا۔ اور یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین خاص کر علمائے حنفیین غرض کہ ان سب قرنوں میں گیارہ تراویح کا ثبوت موجود ہے۔ جس سے دوسرا دعوےٰ اجماع باطل ہو جاتا ہے، اب ترتیب اور فصل وار دلائل ذیل سنتے جائیے۔

فصل اول:۔ آنحضرت ﷺ سے گیارہ رکعت تراویح کے ثبوت میں عن ابی سلمة "انه سأل عائشة رضی اللہ عنہا کیف کان صلوٰة رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدیٰ عشرة رکعة متفق علیہ

ترجمہ:۔ ابو سلمۃ تابعی سے روایت ہے، کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان یعنی تراویح کا حال پوچھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی تراویح کی تعداد بھی گیارہ رکعت ہی تھی۔

اس حدیث کو مؤلف نہیں سمجھا کہتا ہے، حدیث عام ہے، خاص تراویح پر دلالت نہیں

کرتی۔ بلکہ تہجد پر دلالت کرتی ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ مؤلف نے اول تو حدیث کو ابتداء سے نقل نہیں کیا۔ دوم جتنی ذکر کی اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا۔ تاکہ عوام نہ سمجھ جائیں۔ حالانکہ اپنے دعووں کو خود ہی عربی میں گھڑا۔ اور ترجمہ بھی کر دیا۔ اور اس حدیث کا ترجمہ ہی کھا گئے۔ اب ہم سے سنیئے اس حدیث میں صلوۃ رسول اللہ فی رمضان اور ما کان یزید فی رمضان کے الفاظ موجود ہیں۔ جن کے معنی تراویح کے ہیں۔ اور تراویح جمع ہے، ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی راحت دینے کے ہیں۔ چونکہ لوگ بعد چار رکعتوں کے آرام لیتے تھے اس لئے ان رکعتوں کا نام علمائے تراویح رکھ دیا۔ ورنہ حدیثوں میں کہیں تراویح کا لفظ نہیں آیا۔ قیام فی رمضان، صلوٰۃ فی رمضان، قیام اللیل فی رمضان تراویح سب کے ایک ہی معنے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے اسی طرح کے مختلف الفاظ سے باب باندھے ہیں۔ لیکن حدیثیں وہی ذکر کی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب التراویح لکھ کر اس میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذکر کی ہے، دیکھو بخاری مع فتح الباری مطبوعہ مصر اور بخاری مطبوعہ مولوی احمد علی صاحب صفحہ نمبر ۲۶۹ بروایت مستملے تراویح کا لفظ موجود ہے، باقی روایتوں میں قیام رمضان کا لفظ ہے، اور اس سے مراد بھی یہاں تراویح ہی ہے، جیسا کہ کرمانی وغیرہ نے لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری نے اسی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تراویح گیارہ رکعت ثابت کی ہیں، اور یہی ہمارا مطلوب ہے، خلاصہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تراویح کا حال پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب تراویح اور غیر تراویح گیارہ ہی رکعت ہوتی تھی۔ اگرچہ اہتمام شان اور طول قرأت تراویح میں زیادہ تھا۔ اور تہجد کا لفظ اس حدیث میں مذکور نہیں ہے، جس کا دعویٰ مؤلف نے کیا ہے، علاوہ اسکے تہجد رمضان کا بھی تراویح ہی کہلائے گا، پھر یہ دعوے کرنا کہ یہ حدیث تراویح پر دلالت نہیں کرتی کیسا لغو اور لوپوچ ہے۔ تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ کیونکہ شارع کو مطلق شب رمضان کا قیام منظور ہے، اول میں ہو یا آخر میں جیسا کہ خود حنفیہ نے تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے لیکر طلوع فجر

تک لکھا ہے، بلکہ بعض حنفیہ نے یہ غضب ڈھایا ہے، کہ تراویح کو نماز عشاء سے پہلے بھی جائز رکھا ہے، چنانچہ ابو السعود حنفی نے کنز کی شرح الشرح فتح المعین میں لکھا ہے، وقال جماعۃ من مشائخ بلخ اللیل کلہ وقت لہا قبل العشاء وبعدہ یعنی بلخ کی ایک جماعت مشائخ حنفیہ نے کہا ہے کہ تراویح کا وقت ساری رات ہے قبل عشاء کے ہو یا بعد عشاء کے یہ قول بعض حنفیہ کا تعامل نبوی اور صحابہ کے صریح خلاف ہے، غرضکہ اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ قیام رمضان آخر شب میں تراویح ہی کہلائیگا۔ بلکہ افضل وقت تراویح کا وہی ہے، چنانچہ بخاری مسلم میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ان صحابہ کو جو اول وقت قیام کرتے تھے، مخاطب کر کے فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون۔ یعنی آخر رات میں تراویح پڑھنا اول رات میں پڑھنے سے بہتر ہے، غرضکہ اس حدیث سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تراویح گیارہ رکعت ثابت ہوئی۔ عام اس سے کہ اول رات میں ہوں یا آخر رات میں کیونکہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، نیز خود حنفیہ اس حدیث سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گیارہ رکعت تراویح ثابت کرتے ہیں، اور بیس رکعت کی حدیث مرفوع کو کہتے ہیں علاوہ ضعیف ہونے کے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے، دیکھو فتح القدیر ابن الہمام اور ماثبت بالسنۃ وغیرہ۔ پس ان کے نزدیک اس حدیث میں گیارہ رکعت تراویح مراد ہیں، اول شب میں پڑھی جاویں یا آخر شب میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تین رات لوگوں کے ساتھ قیام کیا۔ اس کو تراویح کہا جاوے گا۔ اور وہ قیام پہلی بار اول شب سے لے کر تہائی تک اور دوسری بار اول سے نصف تک اور تیسری دفعہ ساری رات واقع ہوا گیارہ ہی رکعت پڑھائیں، اس سے زیادہ ثابت نہیں۔ ان ہر دو دعووں پر دلائل ذیل پیش کرتا ہوں۔ دعویٰ اول پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشہر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذہب ثلث اللیل وفی روایت الثانی الی ثلث اللیل الاول فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتی ذہب شطر اللیل فقلت لو نفلتنا قیام ہذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلے مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام

لیلۃ نھ کانت الرابعۃ فلم یقم بنا حتی بقی ثلث اللیل فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ والناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت و ما الفلاح قال السحور۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

ترجمہ:۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلے علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان کے روزے رکھے۔ تو بائیسویں شب تک ہم کو نماز تراویح جماعت سے نہیں پڑھائی، جب تئیسویں[۲۳] شب ہوئی تو ہم کو نماز تراویح پڑھائی پہلی تہائی تک پھر چوبیسویں[۲۴] کو نہیں پڑھائی پچیسویں[۲۵] کو پڑھائی۔ نصف رات تک تو میں نے عرض کیا، یارسول اللہ[ؐ] کاش آپ ہم کو ساری رات تک پڑھاتے تو آپ نے فرمایا کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، تو اس کو تمام رات کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے، جب چھبیسویں شب ہوئی تو ہم نے پچھلی تہائی رات تک انتظار کیا لیکن نہ نکلے۔ جب ستائیسویں شب ہوئی تو آل اولاد اور ازواج مطہرات اور اور لوگوں کو جمع کیا۔ اور نماز پڑھائی یہاں تک کہ ہم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں سحری کا وقت نہ جاتا رہے، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے حاصل یہ کہ تئیسویں شب پہلی تہائی رات تک تراویح پڑھائی۔ اور پچیسویں[۲۵] شب نصف شب تک اور ستائیسویں شب سحری کے وقت تک اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ دوسری یہ کہ تہجد اکثر نیند لے کر پڑھا جاتا ہے، لیکن سونا لازم اور ضروری نہیں کیونکہ ان راتوں میں سوائے اُن تراویح کے اور کوئی نماز آنحضرت سے منقول نہیں ہوئی۔ خصوصاً ستائیسویں تاریخ تو آپ تراویح ہی سحری تک پڑھتے رہے۔ اور ابن فارس تہجد کے معنی مطلق نماز شب کے کرتے ہیں۔ چنانچہ قسطلانی میں ہے۔

التھجد وھو ترک الھجود وھو النوم وقال ابن الفارس المتھجد المصلی لیلاً۔

غرض ابن فارس کی یہ ہے کہ تہجد کے معنے ترک نوم کے ہیں۔ اور نیند کا ترک اس پر بھی صادق آتا ہے جو نہیں سوتا۔ اور نماز پڑھتا ہے، گویا اس نے بھی نیند ترک کی تیسرے اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تراویح پڑھی۔ اور حضرت عائشہ[رض] ہی سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام کبھی گیارہ رکعت

سے زیادہ نہ تھا۔ پس خود اسی صحیحین کی حدیث سے (جس کو مؤلف نے لکھا ہے ثابت ہو گیا کہ آنحضرتﷺ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت تراویح پڑھائی تھیں۔ اور یہی ہمارا دعویٰ دوم تھا۔ جس کے اثبات میں ایک تو یہی صحیحین کی حدیث بانضمام حدیث ابی ذر نہایت واضح طور پہ دلیل وافی شافی ہے۔ دوسری حدیث اور سنیئے، عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج علینا حتے اصبحنا (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحیھما[1])

ترجمہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز رمضان یعنی تراویح جماعت کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھائیں، پھر وتر پڑھائے جب دوسری شب ہوئی تو ہم صبح تک انتظار کرتے رہے، لیکن آپ نہ نکلے روایت کیا اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہ حدیث صحیح ہے، امام ابن خزیمہ امام ابن حبان اس کو اپنی اپنی کتاب ملتزم بالصحۃ میں لائے ہیں، اور حکم کتاب ملتزم بالصحۃ کا اصول حدیث میں یہ ہے کہ اس کی حدیث پہ بغیر تامل عمل کیا جائے جب تک کہ کسی دوسرے امام سے خاص اس پر جرح ثابت نہ ہو۔ کیونکہ مصنف نے صحت حدیث کی شرط کر لی ہے خصوصاً جب کہ ابن خزیمہ جیسا امام عارف بالحدیث صحیح کہے۔ جس کا لقب امام الائمہ[2] اس کی نقد حدیث میں علو شان پر دلالت کرتا ہے، مقدمہ ابن[3] الصلاح میں ہے۔ ویکفی مجرد کونہ موجوداً فی کتب من اشترط منھم الصحیح ککتاب ابن خزیمۃ۔ یعنی حدیث کے صحیح ہونے میں اور اس پر عمل کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ حدیث ان محدثین کی کتابوں میں موجود ہو۔ جنہوں نے اس کتاب میں صحیح لانے کی شرط کر لی ہو، جیسے کتاب ابن خزیمہ کی اور شیخ عبدالحق حنفی مقدمہ لمعات میں ابن خزیمہ کے بارے میں

---

[1] نیز امام محمد بن نصر مروزی قیام اللیل میں ۱۲۔

[2] یعنی اماموں کا امام ۱۲۔

[3] شیخ عبدالحق حنفی لمعات کے مقدمہ اصول میں قال الشیخ سے یہی امام ابن الصلاح مراد رکھتے ہیں، ۱۲۔

لکھتے ہیں۔ ولقد صنف الاخرون من الائمۃ صحاحا مثل صحیح ابن خزیمۃ الذی یقال لہ امام الائمۃ و هو شیخ ابن حبان وقال ابن حبان فی مدحہ ما رایت علی وجہ الارض احدا احسن فی صناعۃ السنن واحفظ للالفاظ الصحیحۃ منہ کان السنن والاحادیث کلہا نصب عینیہ۔

ترجمہ:۔ اور بے شک اور اماموں نے بھی صحاح کو تصنیف کیا ہے، جیسے صحیح ابن خزیمہ کی جس کو محدثین امام الائمہ[1] کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور وہ ابن حبان کا اوستاد ہے، ابن حبان نے کہا کہ میں نے فن حدیث میں ابن خزیمہ سے زیادہ بہتر اور الفاظ صحیحہ کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا سنن اور احادیث سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انتہی۔ اور شیخ عبد الحق نے شرح سفر السعادت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، تقریر بالا یعنی اصول حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے، مولف کو چاہیئے کہ اس حدیث کی جرح کسی محدث سے نقل کرے ورنہ ایسے جھوٹے دعووں سے باز رہے۔ پس دلائل مذکورہ بالا سے نہایت واضح طور پہ ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اول اور آخر رات میں جماعت سے اور اکیلے گیارہ، رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، یہ تو کتب حدیث سے ثابت ہوا۔ اب لیجئے خود فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت ہی پڑھائی تھیں چنانکہ کتہ فر کی شرح الشرح فتح المعین میں فتاوی شرنبلالیہ سے لکھا ہے۔ وفی شرنبلالیۃ الذی فعلہ علیہ السلام بالجماعۃ احدی عشرۃ بالوتر وماروی انہ کان یصلے فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف۔

ترجمہ۔ شرنبلالیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی، وہ گیارہ ہی رکعت تھیں۔ اور وہ جو بیس تراویح پڑھنے کی روایت ہے۔ سو ضعیف ہے، انتہی ما فی فقہ الحنفیہ دیکھا کیسا ثابت ہوا۔ آپ کے گھر والے ہی کیسے علی الاعلان پکار رہے ہیں کہ آنحضرت نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔ اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو مفصل پنجم میں چل کر دیکھئے۔ اس میں وہ عبارات فقہ حنفیہ کی لکھی گئی ہیں۔ جن میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے۔

---

[1] یعنی اماموں کا امام۔ ۱۲۔

کہ بیس۲۰ رکعت تراویح کو سنت کہنا صحیح نہیں بلکہ آٹھ ہی رکعت سنت ہیں، باقی مستحب بطور نفل کے جیسے عشاء کی دو سنتوں کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت تراویح کا ثبوت لیجئے۔

فصل دوم صحابہ رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت تراویح کے ثبوت میں۔ عن السائب بن یزید قال امر عمر ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رواہ مالک فی الموطا باسناد صحیح۔

ترجمہ:۔ سائب بن یزید (صحابی) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ روایت کیا اس کو امام مالک نے موطا میں (اسناد صحیح ہے) ف یعنی ابی کو مردوں کا امام بنایا اور تمیم داری کو عورتوں کا جیسا کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم فرمایا، دوم صحابہ مردوں اور عورتوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا بحکم حضرت عمرؓ اس سے گیارہ پر اجماع ثابت ہوا۔ اور اس اجماع پر کسی صحابی وتابعی نے انکار نہیں کیا تو حضرت عمرؓ کے اس حکم پر اجماع فعلی اور سکوتی ہوا۔ علاوہ سنت نبوی کے سنت خلفا، ودیگر صحابہؓ بھی ثابت ہوئی، اور یہی ہمارا مقصود تھا۔ مؤلف رسالہ نے اس کے مقابلہ میں تیرہ۱۳ اور اکیس۲۱ کی روایت پیش کی ہے، سو ہم تیرہ۱۳ کی روایت مخالف نہیں سمجھتے، کیونکہ تیرہ۱۳ اور گیارہ قریب قریب ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی تیرہ۱۳ اور گیارہ دونوں مروی ہیں، فتح الباری میں ہے، والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد ھذا الحدیث فی الباب والثانی قریب منہ ترجمہ:۔ عدد اول یعنی گیارہ رکعت کی تعداد حدیث عائشہؓ کے موافق ہے، (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ تراویح کا ذکر ہے، جو اسی باب میں اس کے بعد مذکور ہے، اور عدد ثانی یعنی تیرہ بھی اس کے قریب ہے، انتہیٰ اور فتح الباری میں ہے، وھو موافق لحدیث عائشۃ فی صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل۔ یعنی تیرہ کی روایت بھی موافق ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث

کے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے بارے میں منقول ہے، تقریر بالائے لبسبب قریب ہونے ہر دو تعداد کے اور موافق ہوتے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے گیارہ اور تیرہ میں کچھ مخالفت نہ رہی۔ اور یوں بھی مخالفت نہیں رہتی کہ آٹھ تراویح پڑھ کر تین وتر پڑھے تو گیارہ رکعت ہوئیں، اور پانچ وتر پڑھے تو تیرہ ہوئیں غرضکہ ان میں کسی قسم کی مخالفت نہیں باقی رہی اکیس کی روایت سو اول تو وہ مرجوح ہے، اور گیارہ کی راجح ہے، کئی وجہ سے اول یہ کہ موطا امام مالک جس میں گیارہ کی روایت ہے، اوّل درجہ کی کتابوں میں ہے، اور مصنف عبدالرزاق جس میں اکیس کا حوالہ مؤلف نے دیا ہے، تیسرے درجہ کی ہے، دوم امام مالک کی روایت کے موافق مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی ہے، جیسا کہ آگے منقول ہوگا۔ پس یہ متابعت بھی مالکؒ کی روایت کی مرجح ہوگی۔ سوم گیارہ کی روایت موافق ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں گیارہ رکعت کی نسبت لکھتے ہیں۔ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد هذا الحديث فی الباب۔ یعنی گیارہ کی تعداد حضرت کی تراویح کے موافق ہے۔ یہیئے جناب صاحب فتح الباری جس کی عبارت آپ نے تعارض کے ثبوت میں پیش کی ہے، وہ خود گیارہ رکعت کی روایت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مطابق بنا کر اسی کو ترجیح کا اشارہ کرتے ہیں، لیکن مؤلف نے اپنے مطلب کی عبارت لے لی۔ اور لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کہہ کر وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کو چھوڑ دیا۔ یعنی اختلاف روایت کو تو نقل کیا، اور گیارہ کی ترجیح کو چھوڑ کر حق کو چھپایا، اور یہ نہ جانا کہ اس وقت تو اس ملمع سازی سے عوام کو دھوکہ دے لوں گا۔ لیکن اگر کوئی اصل کتاب کو دیکھ کر اس کی قلعی کھول دے تو کیسی رسوائی ہوگی۔ جھوٹے حوالے دینے اور کنبز بیونت کرنی تو آپ لوگوں کا حصہ ہے، لیکن یاد رکھیے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ۔۔۔ من انداز قدرت را مے شناسم

پہلے بھی اہلحدیث نے آپ لوگوں کو ایسی چالاکیوں کو گرفت کر کے اس کا جواب مانگا ہے۔ اور اب تک کچھ جواب نہیں ملا۔ گذشتہ راصلوات اب اسی بات کا جواب دیجئے۔ کہ آپ نے اختلاف کی تطبیق اور گیارہ کی ترجیح کو کیوں چھوڑ دیا۔ اور بعد تسلیم صحت روایت اکیس کی بھی ان میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اوقات مختلفہ پر حمل کرتے سے کسی کے نزدیک تعارض نہیں

رہتا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب اس حدیث گیارہ کو صحیح کہہ کر بیس رکعت کے معارض ہونے کی یوں نفی کرتے ہیں۔ "جواب دادہ اند کہ ایں حدیث (یازدہ) صحیح است وتواند کہ در بعض اوقات گاہے بست مے کردہ باشند دگا ہے یازدہ اور اس کی تفصیل آگے آوے گی۔ پس اگرچہ بوجوہ بالا گیارہ ہی کی روایت راجح ہے، اور بموجب ہمارے مسلک کے ان میں کوئی تعارض نہیں، اور اکیس پر عمل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بموجب مسلک حنفیہؒ کے اکیس کی روایت مرجوح ہے، وہ اس پر عمل نہیں کر سکتے تو اس روایت کا پیش کرنا باوجود مرجوح ہونے کے محض لغو اور الٹا الزام لینا ہے، کیونکہ اکیس میں اگر تراویح بیس رکعت پڑھیں تو وتر ایک رکعت کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور یہ حنفیہ کے خلاف ہے، اور اگر وتر کو تین کہیں تو تراویح اٹھارہ ہو نگی۔ اور یہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، اور اگر وتر پانچ کہیں اور تراویح سولہ تو یہ دونوں ہی حنفیہ کے خلاف ہیں، غرضکہ ان سب صورتوں میں حنفیوں کے اس حدیث پر استدلال کرنے سے یہ مثل صادق آتی ہے، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ لامحالہ یہ روایت اکیس کی حنفیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہوئی۔ پس روایت گیارہ اور تیرہ ہی صحیح اور راجح ہے، جو علاوہ دیگر وجوہ ترجیح کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بھی موافق ہے، اب دوسری روایتیں سنیئے۔ جو مؤطا مالک کے گیارہ رکعت کی روایت کی مؤید ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن السائب بن یزید انہ قال قال عمر بن الخطاب لابی بن کعب وسلیمان بن ابی حثمۃ ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

ترجمہ سائب بن یزید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور سلیمان بن ابی حثمہ کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں، اور سنن سعید بن منصور میں ہے حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ حدیث کی ہم کو عبداللہ بن محمد نے کہا حدیث کی مجھ کو محمد بن یوسف نے کہا کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے، ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور قیام اللیل محمد بن نصر مروزی میں ہے۔ حدثنی محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا

نصلی فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ ۔ ترجمہ حدیث کی ہم کو محمد بن اسحاق نے حدیث کی ہم کو محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، یہ آخر کی دو روایتیں تحلی شرح موطا تصنیف شیخ سلام اللہ حنفی میں بھی موجود ہیں، یہ روایتیں مع روایت موطا مالک کی اس ایک روایت عبدالرزاق کو مرجوح ٹھہرا رہی ہیں، پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ مرد اور عورتیں سب گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، جس سے بیس[1] پر اجماع کا دعویٰ بھی باطل ہوا۔ بلکہ گیارہ پر اجماع صحابہ ثابت ہوا۔

فصل سوم تابعین کے گیارہ اور تیرہ رکعت تراویح پڑھنے کے بیان میں

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ واخرج من طریق محمد بن اسحٰق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ۔ قال ابن اسحاق وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک وھو موافق لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ۔ ترجمہ، سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں ہم حضرت عمر کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ابن اسحاق تابعی فرماتے ہیں۔ کہ تراویح کے بارے میں تیرہ رکعت تراویح زیادہ ثبوت کو پہونچی ہیں، اور وہ موافق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے اور شیخ عبدالحق حنفی ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ و روی انہ کان بعض السلف فی عہد عمر بن عبدالعزیز یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ قصداً للتشبیہ برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔

ترجمہ اور بعض روایت میں ہے، کہ بعض سلف عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعداد میں مشابہت اور پیروی سنت کی غرض سے ہے انتہیٰ اس روایت سے ایک تو دعوے اجماع بیس کا ٹوٹ گیا۔ کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ تابعین کا ہے، جس میں کبار تابعین بعض صحابہ بھی موجود تھے۔ دوم یہ ثابت ہوا کہ سلف گیارہ

---

[1] چنانچہ خلاصہ میں ہے ۔۱۲

رکعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے تھے، جیسا آجکل اہلحدیث اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اور شیخ عبدالحق نے بھی اشعۃ اللمعات میں دو جگہ تصریح کی ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ کی نیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ پس اگر حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ تخفیف قراۃ کی غرض سے بیس۲۰ پڑھنے لگے ہوں تو کچھ اس کی منافی نہیں ہم کو اس سے بھی انکار نہیں لیکن جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور بعض سلف تابعین کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشبہ کی نیت سے گیارہ رکعت تراویح پڑھے گا۔ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں کا عامل کہلائے گا۔ نہ یہ کہ سنت خلفاء رضوان کا تارک ہو گا۔

فصل چہارم اس بیان میں کہ چاروں اماموں میں امام مالک اور امام احمد گیارہ رکعت تراویح کے قائل ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی شرح مؤطا مالک میں فرماتے ہیں۔ خیر احمد بین احدی عشرۃ وثلث وعشرین ۔ ترجمہ:۔ امام احمد نے گیارہ اور تئیس۲۳ میں اختیار دیا ہے جو چاہو پڑھو۔ اور بھی شاہ صاحب مصفی شرح فارسی مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام احمد مخیر داشتہ است درادائے یازدہ رکعت وبست وسہ رکعت۔ ترجمہ: امام احمد نے گیارہ اور تئیس۲۳ کے پڑھنے میں اختیار دیا ہے۔ اور مؤطا میں بروایت دلنسخہ شاہ ولی اللہ صاحب گیارہ رکعت کا باب باندھا ہے، اس باب میں امام مالک نے آنحضرت ؐ کی سنت سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے ارشاد اور صحابہ کے عملدرآمد سے گیارہ رکعت کو اسناد صحیح سے ثابت کیا ہے، اور اس کے بعد بیس۲۰ رکعت تراویح کا بھی باب ہے، لیکن اس میں حدیث منقطع لائے ہیں۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک گیارہ اور بیس۲۰ مروی ہیں۔ لیکن گیارہ ان کے نزدیک زیادہ ثابت ہیں۔ اور اسی کو محبوب فرماتے ہیں۔ چنانچہ خود عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔ وقیل احدی عشر وھو اختارہ مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر بن العربی۔ ترجمہ: اور بعض ائمہ کا مذہب گیارہ تراویح کا

۱؎ دیکھو اشعۃ اللمعات جلد اول مطبوعہ نول کشور صفحہ ۵۸۶۔

ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اسی کو علامہ ابوبکر بن العربی مالکی نے اختیار کیا ہے۔ اور علامہ سیوطی رسائل تسعہ صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب منہ قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

ترجمہ:۔ یعنی ہمارے اصحاب سے ابن جوزی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔ کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس پر لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا۔ وہ مجھ کو محبوب تر ہیں۔ اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔ اور یہی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ کسی نے امام سے پوچھا کہ گیارہ مع وتر کے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور تیرہ[۱۳] بھی اسی کے قریب ہیں۔ اور کہا کہ میں اس کی وجہ اور علت نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں جو لوگوں میں رائج ہیں کہاں سے اور کیونکر جاری ہوئیں اگر کوئی کہے کہ امام مالک کا مذہب تو لوگ اکتالیس[۴۱] رکعت کا نقل کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ امام کا پہلے مذہب اکتالیس[۴۱] کا ہو۔ اور پیچھے گیارہ ہی کو پسند فرمایا ہو یا پیچھے اکتالیس[۴۱] کی بھی لوگوں کو وسعت دے دی ہو۔ لیکن اپنے نفس کے لئے گیارہ ہی کو پسند رکھا۔ چنانچہ عینی حنفی اور سیوطی شافعی سے ابھی منقول ہوا۔ اور اماموں سے ایک مسئلہ میں کئی کئی روایتیں منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ چنانچہ امامنا[۱] امام ابوحنیفہؒ سے ہزاروں مسئلوں میں دو۔ دو تین۔ تین چار۔ چار روایتیں مختلف موجود ہیں۔ ان کے بعد ہر ملک کے مشائخؒ ان ہی روایتوں کے سبب مختلف ہو گئے۔ پھر مفتی بہ روایت کی تنقیح کی گئی اس کے لیے قواعد مقررہ کیے گئے۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ کوئی فقیہ کسی قول کو مفتی بہ ٹھہراتا ہے۔ دوسرا کسی کو تیسرا

---

[۱] امامنا یعنی ہمارے امام اور اس واسطے کہ وہ اصل میں ہمارے بھی امام ہیں۔ اور مقلدین کے امام نہیں ہیں، کیونکہ ہم ان کے قول اذا صح الحدیث فھو مذھبی پر عمل کرتے ہیں۔ اور مقلدین اس قول کا خلاف کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے اُن کو امام نہیں مانا۔ ۱۲۔

کسی کو غرضیکہ امام ہی کے قول صحیح ہونے میں اختلاف اس قدر ہے کہ تمیز مشکل ہی ہوتی ہے، مگر قرائن سے ایک قول کو ترجیح تو ضروری دی جائے گی۔ اسی طرح امام مالک کے بھی اقوال ہیں۔ لیکن معتبر اور راجح وہی قول ہوگا۔ جو ان کی خاص کتاب مؤطا میں ہو۔ یا کتاب میں نہ ہو تو کتاب کے مخالف بھی نہ ہو تو کتاب کے مخالف بھی نہ ہو۔ چنانچہ کتے کے جھوٹے کی نجاست میں امام مالک کے چار قول ہیں۔ ایک مطلق پاک ہے، دوم مطلق ناپاک ہے۔ سوم شکاری وغیرہ کا جھوٹا پاک چہارم گنواروں کے لئے پاک اور شہریوں کے لئے ناپاک ہے۔ مگر معتبر قول دوم ہے۔ یعنی ناپاک ہے۔ جو مؤطا سے مفہوم ہوتا ہے۔ اسی طرح مالکی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور امام کا مذہب نقل کرتے ہیں۔ مگر چونکہ امام مالک نے مؤطا میں ہاتھ باندھنے کا باب باندھا ہے۔ اور اس میں صحیح حدیث مرفوع لکھی ہے اسی لئے علماء محققین نے ان کا مذہب ہاتھ باندھنے کا صحیح قرار دیا ہے، اور مالکیوں کو غلطی پر بتایا ہے۔ مگر چونکہ ان کے ہاتھ سلطنت تو تھی نہیں جو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کو مالکیوں سے چھڑا دیتے اس لئے مکہ معظمہ میں مالکی مصلی پر اب تک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہاں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھے تو اس کو رافضی بنایا جاتا ہے، مگر وہاں مکہ معظمہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی درست ہے، کیونکہ چاروں مذہب حق ہیں۔ لیکن یہ بیچارے یہ نہ کہیں تو کیا کریں اگر یہ ان کی ایسی ایسی غلطیاں نکالیں تو وہ ان کی ہزاروں غلطیاں نکال کھڑی کریں۔ اس لئے من تُرا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کا مضمون ہو رہا ہے، یارو کچھ تو سمجھو خدا ایک رسول ایک پھر چاروں کے قول مختلف ایسے کہ ایک حلال کہیں دوسرے حرام تیسرے مکروہ چوتھے طیب تو بھلا اس صورت میں قول صحیح ایک ہی ہوگا۔ یا چاروں اسی طرح ایک امام کے چار قول ہیں۔ تو صحیح ایک ہی ہوگا غرضیکہ

ؔ باوجود اس کے مقلدین اس فقہ کو قرآن و حدیث کا مغز جانتے ہیں۔ اور حدیث پر عمل نہ کرنے کا یہ حیلہ نکالتے ہیں کہ ہم حدیث کو نہیں سمجھ سکتے حالانکہ علم حدیث کو محدثین نے نہایت ہی آسان کر دیا ہے، اور ناسخ و منسوخ کی الگ کتابیں بنا دی ہیں۔ بخلاف فقہ کے کہ اس میں امام ہی کے قول قدیم و جدید کی کچھ تمیز نہیں چہ جائیکہ احادیث کی تصحیح و تنقید کا کچھ ذکر بھی ہو۔ ۱۲

امام مالک کا مذہب و عمل گیارہ رکعت تراویح کا ہی ٹھیک ہے جس کو انہوں نے خود مؤطا میں بہ صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے، اور اسی کو انہوں نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی اور علامہ سیوطی سے ایسی منقول ہوا۔

فصل پانچویں:۔ اس بیان میں کہ خود محققین حنفیہ فقط گیارہ رکعت تراویح کو سنت بتاتے ہیں

باقی بارہ کو نفل کہتے ہیں۔ جیسے عشاء کی دو سنتوں کے بعد دو نفل اور بیس کو سنت کہنا صحیح نہیں جانتے۔

ابن ہمام حنفی علیہ الرحمۃ جو حنفی مذہب کے ٹھیکیدار اور پورے وکیل ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ تحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر فی جماعة فعله عليه السلام وتركه بعذر افاد انه لولا خشية ذالك لواظبت بكم ولا شك فی تحقق الامن ذالك بوفاته صلى الله عليه وسلم فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين وقوله عليه السلام عليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين ندب الى سنتهم ولا يستلزم كون ذالك سنة اذ السنة ما واظب بنفسه الا بعذر وبتقدير عدم ذالك العذر انما استفدنا انه كان يواظب على ما وقع منه وهو ما ذكرنا فيكون العشرون مستحبا وذالك القدر منها هو السنة كاربع بعد العشاء مستحبة وركعتان منها سنة وظاهر كلام المشائخ ان السنة عشرون ويقتضى الدليل ما قلنا فالاولى هو عبارة القدوری من قوله مستحب۔

ترجمہ:۔ تحریر بالا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہؓ کے آثار سے یہ حاصل ہوا کہ تراویح سنت گیارہ رکعت مع وتر کے ہیں۔ جماعت کے ساتھ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھائیں، اور عذر فرضیت کے سبب سے چھوڑ دیں اس عذر سے یہ افادہ فرمایا کہ اگر فرضیت کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں مسجد میں جماعت کے ساتھ تم کو ہمیشہ تراویح پڑھاتا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپکی وفات کے بعد فرضیت کا خوف جاتا رہا۔ تو تراویح گیارہ سنت ہوئیں۔ اور بیس تراویح خلفاء راشدین کی سنت ہے، اور آنحضرتؐ کا ارشاد میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم

پکڑو۔ خلفاء کے طریقہ کی طرف بلاتا ہے، اس ارشاد سے بیس تراویح کا سنت ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سنت اسی کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ کیا ہو۔ مگر عذر کے سبب سے اور بالفرض اگر آپ کے بیان سے قطع نظر کی جائے تو بھی ہم نے تراویح کا سنت ہونا۔ اس سے لیا ہے کہ آپ مداومت فرماتے اُس مقدار تراویح پر جو آپ سے واقع ہوئیں اور ان کی تعداد ہم پہلے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر آئے ہیں۔ یعنی گیارہ رکعت مع وتر کے پس بیس رکعت تراویح مستحب ہوں گی۔ اور ان میں سے فقط گیارہ سنت ہیں، اور باقی نفل کے طور پر جس طرح کہ عشاء کے بعد چار رکعت مستحب ہیں۔ کہ سنت اُن میں سے فقط دو رکعت ہیں، باقی دو رکعت نفل ہیں۔ اور مشائخ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ بیس سنت ہیں۔ لیکن دلیل ہمارے ہی قول کو چاہتی ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ بیس رکعت کو مستحب ہی کہا جائے۔ جیسا قدوری میں ہے۔ ختم ہوا ترجمہ عبارت فتح القدیر شرح ہدایہ کا بحرالرائق شرح کنز میں ہے۔ وقولہ عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما فى الموطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب بثلث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا لكن ذكرا المحقق فى فتح القدير ما حاصله ان الدليل يقتضى ان يكون السنة من العشرين ما فعله صلى الله عليه وسلم منها ثم تركه خشية ان يكتب علينا والباقى مستحبا وقد ثبت ان ذالك كان احدى عشر ركعة بالوتر كما ثبت فى الصحيحين من حديث عائشة فاذا يكون المسنون على اصول مشائخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشر ركعة۔

ترجمہ:۔ بیس رکعت کا لفظ تراویح کی تعداد بیان کرنے کے لیے صاحب کنز نے کہا ہے، اور یہی قول جمہور حنفیہ کا ہے۔ اس لیے کہ موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تئیس (۲۳) رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور اسی پر شرق غرب کے لوگوں کا عمل ہے، لیکن محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل اس بات کو چاہتی ہے کہ ان میں سے سنت اسی قدر ہے جو آپ نے پڑھیں اور فرضیت کے خوف سے جماعت

کے ساتھ چھوڑ دیں۔ اور ان کی تعداد گیارہ ہی رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہے، جیسا کہ یہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہوا۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے قاعدہ اصول کے مطابق آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ نفل تمام ہوا۔ ترجمہ عبارت بحر الرائق شرح کنز کا طحطاوی میں ہے۔ ذکر فی فتح القدیر ما حاصلہ ان الدلیل یقتضی ان یکون السنۃ من العشرین ما فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم منہا ثم ترکہ خشیۃ ان یکتب علینا و الباقی مستحبا وقد ثبت ان ذالک کانت احدیٰ عشر رکعۃ بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشۃ فاذا یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانیۃ منہا والمستحب اثنی عشر۔

ترجمہ: فتح القدیر میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل تو اس کو چاہتی ہے کہ بیس میں سے سنت تو اس قدر ہیں، جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ پھر فرضیت کے خوف سے چھوڑ دیا۔ اور باقی نفل ہیں۔ اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ مع وتر کے گیارہ ہی رکعت ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہے تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے قاعدہ اصول کے مطابق آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ نفل تمام ہو۔ ترجمہ عبارت طحطاوی کا۔

فقہ کی ان عبارات سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت نہیں۔ بلکہ گیارہ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ رکعت مانند ان نفلوں کے ہیں۔ جو عشاء کی دو سنتوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ اور مؤلف کا یہ قول کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کی سنت میں کچھ فرق نہیں، بموجب فقہ حنفیہ کے باطل ہوا۔ کیونکہ صاحب فتح القدیر حنفی نے اصول حنفیہ کے قاعدے سے یہ ثابت کیا کہ خلفا کا فعل سنت نہیں ہے۔ فقط مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ اور مؤلف جو حدیث علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین کو پیش کیا ہے۔ اس کا جواب بھی حنفیوں ہی نے دے دیا کہ اس حدیث سے محض خلفاء کا فعل سنت ثابت نہیں ہوتا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ فقط مندوب یعنی مستحب ہونا ان کے فعل

کا ثابت ہوتا ہے، اگرچہ یہ قول فقہ والوں کا مؤلف اور دیگر مقلدین متعصبین کے رد اور الزام دینے کو کافی ہے، کیونکہ وہ اپنی فقہ کو قرآن و حدیث کا مغز جانتے ہیں۔

لیکن بطور تحقیق کے طالبان حق کے لئے چند دلائل اس کے لکھتا ہوں۔

دلیل اول:۔ یہ کہ سنت کا اطلاق اسی پر آتا ہے، جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے، اور اس پر کئی شاہد ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ جہاں کہیں صحابہ تابعین مطلق سنت کا لفظ بغیر اضافت و قرینہ کے استعمال کرتے تھے، وہاں آنحضرتؐ ہی کی سنت مراد لیتے تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں صحیح بخاری سے یوں نقل کیا ہے، وقد روی البخاری فی صحیحہ فی حدیث ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ فی قصتہ مع الحجاج حیث قال لہ ان کنت تریں السنۃ فھجر بالصلوۃ قال ابن شہاب فقلت لسالم افعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال وھل یعنون بذالک الا السنۃ فنقل سالم وھو احد الفقہاء السبعۃ من اھل المدینۃ واحد الحفاظ من التابعین عن الصحابۃ انہم اذا اطلقوا السنۃ لایریدون بذالک الا سنۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

یعنی عبداللہ بن عمر کے بیٹے سالم رضی اللہ عنہ نے حجاج کو کہا کہ اگر تم سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہو تو نماز سویرے پڑھ لو۔ تو ابن شہاب نے سالم سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے تو سالم نے کہا کہ صحابہؓ سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی سنت مراد رکھتے تھے، حافظ ابن حجر اس پر فرماتے ہیں کہ دیکھو سالم رضی اللہ عنہ جو اہل مدینہ کے فقہا سبعہ اور تابعین میں حفاظ حدیث سے ہیں، وہ صحابہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ صحابہ جب سنت کا لفظ بولتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد لیتے تھے۔ انتہی۔

دلیل دوم:۔ سنت خلفاء کو خلفاء کے ساتھ مقید اور اضافت کرنے سے ثابت ہوا کہ خلفاء کی سنت کو مطلق سنت سے تعبیر نہیں کرتے، مگر قید اور اضافت کے ساتھ یعنی ان کے فعل

لے اگرچہ وہ اختلاف اور خلاف سے پرہی کیوں نہ ہو۔ ۱۲

کہ فقط سنت نہیں کہتے بلکہ سنت کے ساتھ خلفاء کا لفظ بھی بول دیتے ہیں۔ یا ایسا لفظ کہہ دیتے ہیں جس سے آنحضرت ﷺ اور سنت خلفاء کے مرتبہ میں فرق ہو جائے کیونکہ جو نسبت رسول خدا ﷺ اور خلفاء میں ہے، وہی نسبت ان کے فعل میں بھی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے فعل کا درجہ اور ثواب زیادہ ہے، خلفاء کے فعل اور ثواب سے اس بات کو کوئی ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرت ﷺ کا فعل اور خلفاء کا فعل درجہ مساوی رکھتا ہے نہیں معلوم مؤلف کی عقل کہاں گئی کہ برابر درجہ بتلاتا ہے، کسی نے کیا اچھا فرمایا ہے، گر فرق مراتب نکنی زندیقی۔

دلیل سوم:۔ صحابہ رضی اللہ عنہم خلفا کے فعل کو جہاں کہیں رسول خدا کے فعل سے بڑھا ہوا یا گھٹا ہوا دیکھتے تو فوراً ان پر انکار کر دیتے، اور پیغمبر کے فعل کو اگرچہ تعداد رکعت یا عمل میں قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ خلفاء کے فعل پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے دانہ کے از لبیاے چند روائتیں لکھتا ہوں۔

اول:۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلوٰۃ سفر چار رکعت پڑھنے لگے۔ تو عبداللہ بن مسعود اگرچہ خلیفہ کی ظاہری مخالفت نہ کرتے۔ لیکن فرماتے کاش چار کے بدلے دو ہی رکعتیں پڑھی جاتی جو مقبولیت کے لائق ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۴۷۔

دوم:۔ حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمتع۔ یعنی عمرہ کر کے حلال ہو جانے اور پھر از سر نو حج کے لئے احرام باندھنے کو منع فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و غیرہ صحابہ ان کے مخالف رہے، دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۳۹۴ و ۴۰۲ بلکہ ترمذی کے صفحہ ۱۲۷ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر اس مسئلہ میں باپ کے مخالف تھے۔ کسی نے عبداللہ بن عمر سے اسی تمتع کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جائز فرمایا۔ پھر سائل نے کہا کہ تمہارے باپ حضرت عمر تو منع کرتے تھے۔ اس کے جواب میں عبداللہ بن عمر نے کہا کہ بھلا اگر ایک کام کو پیغمبر خدا نے کیا ہو۔ میرے باپ نے منع کیا ہو۔ تو کہو رسول خدا کا اتباع کیا جاوے گا یا میرے باپ کا۔

سوم:۔ حضرت عمر پانی نہ ملنے کی حالت میں بھی جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے۔ جس میں صحابہ ان کے مخالف رہے۔ دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۶۱ بلکہ ان کی اس بات کو ائمہ مذہب سے بھی کسی

نے قبول نہیں کیا اور بعض نے خود حضرت عمر کا رجوع اس مسئلہ سے نقل کیا ہے۔

چہارم :- علی المرتضیٰؓ نے ایک قوم مرتدین کو جلا دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان پر انکار کیا۔ اور حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان کی کہ آپ نے جلانے سے منع فرمایا ہے، (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۲۳) غرضکہ بہت جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرتؐ کے فعل کو خلفاء کے فعل پر مقدم رکھا ہے، اس سے میری غرض یہ نہیں کہ خلفاء کا ہر فعل کچھ درجہ نہیں رکھتا۔ بلکہ میری غرض یہ ہے کہ مؤلف کے قول باطل کی طرح خلفاء کا فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کے ساتھ مساوی درجہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بہت فرق ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کا فعل سنت ہے، اور خلفاء کا فعل مستحب اور یہی ہمارا مطلوب تھا۔ غرضکہ دلائل مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ بقول صاحب فتح القدیر حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین سے خلفاء کا فعل فقط مندوب یعنی مستحب ہی کا درجہ رکھتا ہے، نہ سنت کا اور یہ بحث بھی اس تقدیر پر ہے، کہ جب خلفاء سے وہ فعل نبوی نہ منقول ہو۔ اور جہاں فعل نبوی کے ساتھ خلفاء کا فعل بلکہ امر بھی ہو تو بالاولیٰ وہ کام سنت ہوگا۔ اور مقدم ہوگا۔ اس فعل پر جو فقط خلفا کا فعل ہو۔ چنانچہ گیارہ رکعت تراویح اول اور آخر شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل واضحہ اور صحیحہ کے ساتھ ثابت ہوئیں۔ اور محققین حنفیہ نے بھی فقہ میں درج کر دیا، اور اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کا فرمان بھی گیارہ رکعت کے ساتھ صادر ہوا۔ جس کو ہم نے چار روایتوں سے ثابت کیا، اور خود حنفیہ نے بھی اس کو صحیح مان لیا۔ تو گیارہ رکعت تراویح سنت نبوی بھی ہوئیں اور سنت خلفاء بھی اور بیس رکعت بموجب بعض روایت کے فقط سنت خلفاء رہ گئیں، جس سے فقط نفل ہونا ثابت ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ سنت کا درجہ نفل سے بڑھ کر ہے۔

فصل چھٹی :- مؤلف کے اس قول کے ابطال میں کہ بیس ۲۰ ہی رکعت تراویح پر اجماع ہوا۔

جب ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور تابعین اور امام مالک اور امام احمد بلکہ خود حنفیہ سے گیارہ رکعت تراویح ثابت کریں تو اجماع کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ باایں ہمہ ہم کچھ اور بھی لکھتے ہیں، اور یہ پوچھتے ہیں۔ کہ مؤلف نے دعویٰ اجماع کس دلیل سے ثابت کیا ما گر فقط لفظ الناس سے لیا ہے، جس کے معنے لوگوں کے ہیں۔ یعنی لوگ خلفاء کے زمانہ میں بیس ۲۰ پڑھتے تھے تو اس میں کلام ہے،

کیونکہ الناس یعنی لوگوں کے لفظ سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ سنت خلفاء بلکہ فقط فعل صحابہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ خلفاء کا فعل بیس رکعت کا بسند صحیح مؤلف نے اب تک ثابت نہیں کیا، بلکہ اس کے خلاف گیارہ رکعت کا حکم خلفاء موجود ہے، اور مؤلف نے جو کہا ہے، کہ اگرچہ اجماع قولی ثابت نہیں ہوا۔ لیکن اجماع سکوتی اور فعلی تو ثابت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع کے بقول مؤلف تین درجہ ہیں۔ اول قولی، دوم فعلی، سوم سکوتی، سو مؤلف نے پہلے دو درجوں میں سے قولی کا خود ہی انکار کر دیا۔ کہ خلفاء کے قول سے تو بیس ثابت نہیں ہوئیں، اور ان کے فعل کا دعویٰ تو کیا لیکن کوئی روایت بسند صحیح خلفاء کے فعل کی پیش نہ کر سکے، باقی رہا ان کا سکوت سو ہم نے واضح طور سے گیارہ رکعت کو حضرت عمرؓ کے قول اور صحابہ کے فعل سے ثابت کر دیا۔ جس سے دعویٰ اجماع سکوتی کا باطل ہوا۔ یعنی گیارہ پر حضرت عمر کا حکم بھی ہے، اور صحابہ کا عمل بھی، اور بیس پر نہ خلفاء کا عمل ثابت کیا، اور نہ ان کا کوئی قول ثابت ہوا کہ خود مؤلف نے اقرار کیا۔ بلکہ سکوت ہے، اور ہر ادنیٰ مسلمان بلکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ قول سکوت پر مقدم ہوتا ہے، اور یہی مطلوب ہے، تو بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا، بلکہ ان کے طرز پر گیارہ پر اجماع ثابت ہوا۔

فصل ساتویں:۔ اس بیان میں کہ علاوہ گیارہ کے بیس سے کم اور زائد سنتالیس تک تراویح سلف صالحین سے مروی ہیں، جس سے بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوتا ہے،

اس بارے میں ہم وہ عبارت فتح الباری کی نقل کرتے ہیں، جس کو خود مؤلف نے ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ مؤلف نے دغابازی اور عوام کو دھوکہ دینے کی غرض سے پوری عبارت نقل نہیں کی، کیونکہ صاحب فتح الباری نے روایات کو بیان کر کے گیارہ اور تیرہ کو اس طور پر ترجیح دی ہے، کہ وہ آنحضرت کی سنت کے موافق ہیں، لہٰذا ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں، تاکہ مؤلف کی خیانت بھی لوگوں پر ظاہر ہو، بیس سے کم اور زائد تراویح پڑھنا سلف کا ثابت ہو کر بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا، اور بیس ہی پر حصر کرنا اور کم زیادہ پر طعن کرنا بھی غلط ثابت ہو۔ چنانچہ فتح الباری جلد رابع کے اسی صفحہ ۲۹۱ میں جس کا خود مؤلف نے حوالہ دیا ہے یہ لکھا ہے،

عبارت فتح الباری

لم یقع فی هذه الروایة عدد الرکعات التی کان یصلی بها ابی بن کعب وقد اختلف فی ذالک ففی المؤطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة ورواه سعید بن منصور من وجه اخر وزاد فیه وکانوا یقرؤن بالمائتین[1] ویقومون علی العصی من طول القیام ورواه محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرة ورواه عبد الرزاق من وجه اخر عن محمد بن یوسف فقال احدی وعشرین وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة وهذا محمول علی غیر الوتر وعن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بثلاث وعشرین ورواه محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم یصلون عشرین رکعة وثلث رکعات الوتر والجمع بین هذه الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذالک الاختلاف بحسب تطویل القرأة وتخفیفها فحیث یطیل القرأة تقل الرکعات وبالعکس وبذالک جزم الداؤدی وغیره والعدد الاول موافق لحدیث عائشة المذکور بعد هذا الحدیث فی الباب والثانی قریب منه والاختلاف فیما زاد عن العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر وکانه کان تارة یوتر بواحدة وتارة بثلاث و روی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیس قال ادرکت الناس فی امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز یعنی بالمدینة یقومون بست وثلاثین رکعة ویوترون بثلث وقال مالک هو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رایت الناس یقومون بالمدینة بتسع وثلاثین وبمکة بثلاث وعشرین ولیس فی شئ من ذالک ضیق وعنه قال ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القرأة فحسن والاول احب الی وقال الترمذی اکثر ما قیل فیه انها تصلی احدی واربعین رکعة یعنی بالوتر کذا قال وقد نقل ابن عبد البر عن الاسود بن یزید تصلی اربعین ویوتر بسبع وقیل ثمان وثلاثین ذکره محمد بن نصر عن ابن ایمن عن مالک وهذا یمکن رده الی الاول بانضمام ثلاث الوتر لکن صرح فی روایة بانه یوتر بواحدة فتکون اربعین

---

[1] کذا فی الاصل ولعله المئین ۱۲۔

الا واحدۃ قال مالک وعلی ہذا العمل منذ بضع ومائۃ سنۃ وعن مالک ست واربعین وثلاث الوتر وہذا ہو المشہور عنہ وقد رواہ ابن وہب عن العمری عن نافع قال لم ادرک الناس الا وہم یصلون تسعا وثلاثین ویوترون منہا بثلاث وعن زرارۃ بن اوفی انہ کان یصلی بہم بالبصرۃ اربع وثلاثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین وقیل ست عشرۃ غیر الوتر وروی عن ابی مجلز عند محمد بن نصر واخرج من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ قال ابن اسحاق ہذا اثبت ما سمعت فی ذالک وہو موافق لحدیث عائشۃ فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل واللہ اعلم انتہی ما فی فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

ترجمہ:۔ اس بخاری کی روایت میں تراویح کی تعداد مذکور نہیں ہوئی، جو ابی بن کعب بڑھایا کرتے تھے۔ اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ موطا امام مالک میں محمد بن یوسف سے روایت ہے کہ سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں۔ کہ وہ گیارہ رکعت[1] تھیں، اور اسی روایت گیارہ والی کو سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ مئین[2] سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور طول قرأت کے سبب عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے، اور روایت کیا اس کو محمد بن نصر مروزی نے محمد بن اسحاق کے طریق سے وہ محمد بن یوسف سے اور اس میں تیرہ رکعت بیان کی ہیں، اور عبدالرزاق نے دوسرے طریق سے اکیس رکعت روایت کی ہیں، اور مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے اس نے سائب بن یزید سے بیس رکعت کی روایت ہے، اور یہ سوائے وتر کے محمول ہے، اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں تیئس

---

[1] پوری روایت یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔ ۱۲۔

[2] وہ سورتیں جن کی آیتیں سو سے زائد ہیں، ۱۲۔ واللہ اعلم۔

پڑھا کرتے تھے، اور محمد بن نصر نے عطاء کے طریق سے روایت کی ہے، کہا عطاء نے کہ میں نے لوگوں کو پایا ہے کہ تیئس ۲۳ رکعت مع الوتر پڑھتے تھے۔ ان [۱] روایات میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ سب روائتیں مختلف اوقات پر محمول ہیں، یعنی کبھی گیارہ رکعت اور کبھی تیرہ اور کبھی اکیس اور کبھی تیئس پڑھتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ رکعتوں کی کمی زیادتی قرائت کے زیادہ اور کم ہونے کے باعث ہے، جب قراۃ زیادہ پڑھتے تو رکعتیں کم پڑھتے، اور قراۃ میں تخفیف کرتے تو رکعتیں زیادہ کر دیتے اس تطبیق کے ساتھ داؤدی وغیرہ اہل علم نے جزم کیا ہے، اور پہلا عدد گیارہ رکعت کا آنحضرت کے فعل کے موافق ہے، جو اسی باب میں حضرت عائشہ رضی کی حدیث میں مذکور ہے، اور دوسرا عدد تیرہ رکعت کا بھی اسی کے قریب ہے، اور بیس سے زیادہ یعنی اکیس اور تیئس میں جو اختلاف ہے، وہ وتر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہے کبھی ایک وتر پڑھتے۔ تو اکیس ہو جاتیں اور تین پڑھتے تو تیئس ۲۳۔ اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے عہد میں لوگوں کو مدینہ میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے، مالک نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی قدیم سے رائج ہے، اور زعفرانی سے روایت ہے کہ شافعی نے کہا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں انتالیس اور مکہ میں تیئس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ اور ان میں کسی بات پر تنگی نہیں ہے، اور شافعی ہی سے روایت ہے کہ اگر لوگ قیام کو لمبا اور رکعتوں کو کم کریں، تو اچھا ہے، اور اگر رکعتیں زیادہ پڑھیں اور قراۃ کو کم کر دیں تو بھی اچھا ہے، لیکن قرائت کو زیادہ کرنا اور رکعتوں کو کم کرنا میرے نزدیک محبوب تر ہے، ترمذی نے کہا زیادہ سے زیادہ اکتالیس رکعت تک مروی ہے، یعنی وتر سمیت ترمذی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے، اور تحقیق ابن عبد البر نے نقل کیا ہے، کہ اسود بن یزید سنتالیس رکعت پڑھتے

---

[۱] ترجمہ کی جس عبارت کو ہم نے جلی قلم سے لکھوا دیا ہے اس میں اشارہ ہے، اور اس تطبیق اور گیارہ کی ترجیح وغیرہ کو جو مؤلف نے عمداً چھوڑ دیا تھا۔ اور حق کو چھپانا چاہا تھا اس کی قلعی اس سے کھول دی گئی۔ ۱۲

اور بعض نے کہا اڑتیس رکعت اس کو محمد بن نصر نے بروایت ابن ایمن مالک سے روایت کیا ہے
اور اس کے ساتھ تین وتر ملانے سے وہی اکتالیس ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس میں ایک وتر کی تصریح کی
ہے، تو انتالیس رکعت ہوئیں مالک نے کہا کئی اوپر سو برس سے اسی پر عمل چلا آیا ہے۔ اور مالک
سے چھتیس رکعت نفل اور تین وتر بھی منقول ہیں، اور مشہور ان سے اسی طرح ہے، اور تحقیق ابن وہب
نے عمری سے اور عمری نے نافع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جن لوگوں کا زمانہ پایا
ہے، وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے، تین ان میں وتر ہوتے، اور زرارہ بن اوفی تابعی سے روایت
ہے کہ وہ لوگوں کو بصرہ میں علاوہ وتر کے چونتیس رکعت پڑھاتے تھے، اور سعید بن جبیر تابعی
کبیر سے علاوہ وتر کے چوبیس رکعت کی روایت ہے، اور بعض نے کہا علاوہ وتر سولہ رکعت
روایت کیا اس کو محمد بن نصر نے ابی مجلز تابعی سے اور محمد بن نصر نے محمد بن اسحاق سے روایت
کی ہے، کہ مجھ کو محمد بن یوسف نے حدیث کی ہے کہ ان کے دادا سائب بن یزید صحابی نے کہا
کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، ابن اسحاق تابعی کہتے
ہیں کہ اساتذہ سے جو ہم نے سنا ہے، اس میں یہی تیرہ رکعت کی روایت زیادہ ثابت ہے
اور وہ آنحضرتؐ کی نماز شب کے موافق بھی ہے، جو حضرت عائشہؓ کی حدیث میں مذکور ہے
تمام ہوا۔ ترجمہ عبارت فتح الباری شرح بخاری کا۔

ان روایات مذکورہ بالا نے کل دعاوی مؤلف کے باطل کر دیئے۔ یعنی صاحب فتح الباری
جس کو مؤلف بھی معتبر سمجھتا ہے، اس نے آنحضرتؐ اور خلفاء کی سنت اور دیگر صحابہؓ کے
فعل سے گیارہ رکعت تراویح ثابت کر دیں، اور ۱۳-۱۶-۲۱-۲۳-۲۴-۳۴-۳۹-۴۱-۴۷
تراویح صحابہ و تابعین سے نقل کیں، اور گیارہ اور تیرہ تراویح کو آنحضرتؐ کی تراویح کے موافق
بتا کر انکی ترجیح کی طرف اشارہ کیا۔ پس اس تعداد تراویح مذکورہ بالا سے بیس ہی پر منحصر
ہونے کا دعویٰ اجماع باطل ہوا۔ اور یہی مطلوب تھا۔

(ترویح الموحدین صفحہ ۳ تا ۲۴)

بَابُ التراویح

سوال : ایک حافظ صاحب اہلحدیث نے سارے رمضان شریف میں بیسؐ رکعت تراویح ایک مسجد میں پڑھائی اور تاویل یہ کی کہ آٹھ رکعت تو سنت ہیں ، باقی نوافل میں محسوب ہو کر سنت عمری ہیں ، اس پر احناف صاحبان تو بہت خوش ہوئے مگر بعض اہلحدیث اس پر سخت ناراض ہوئے اس پر صاحب مذکور ایک روایت مرفوع بیس رکعت تراویح کے متعلق جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ہیں بحوالہ بیہقی پیش کرتے ہیں اور ایک اثر حضرت عمر رضہ کے زمانہ کا بحوالہ موطا امام مالک بتاتے ہیں ، مگر حافظ صاحب کی اس بات سے اہلحدیثوں کو تسلی نہیں ہوئی ، لہٰذا آپ بیسؐ رکعت تراویح کے متعلق خلاصہ تحریر فرما دیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت عمر نے بیسؐ رکعت نماز تراویح پڑھی ہے یا آٹھ رکعت ؟

جواب : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت نماز تراویح کبھی بھی کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے ، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھا کرتے تھے ، نیز بعض روایات صحیحہ میں یوں بھی ہے کہ نماز تہجد تیرہ رکعت بھی مع الوتر پڑھی ہے ۔ اس سے زیادہ آپ سے ثابت ہی نہیں ہے ۔ اسی طرح حضرت عمر رضہ سے بھی گیارہ رکعت تراویح کا ثبوت ہے ۔ موطأ امام مالکؒ میں ہے ۔ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ یعنی حضرت عمر رضہ نے ابی بن کعب و تمیم داری صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھایا کرو ، سوال میں جس حدیث کا ذکر بحوالہ بیہقی کیا گیا ہے اور اس سے بیس رکعت پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن وہ سخت ضعیف ہے قابل حجت نہیں ہے ۔ علامہ عینی و ابن الہمام جیسے سخت حنفی بھی اس کے ضعف کو مانتے ہیں ملاحظہ ہو ، ہدایہ کی شرح عینی و فتح القدیر ، علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نصب الرایہ تخریج الہدایہ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ اسی طرح حضرت عمر رضہ کا اثر جو بحوالہ موطا سوال میں ذکر ہے اور اس سے حضرت عمر رضہ سے بیسؐ رکعت ثابت کی جاتی ہے وہ بھی سخت ضعیف ہے ، علامہ زیلعی اس کے متعلق لکھتے

ہیں ، اس میں یزید بن رومان جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد پیدا ہوا ہے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرے سے ملاقات ہی نہیں ہے ، جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے بیس ۲۰ رکعت خود پڑھی یا لوگوں کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان باندھتے ہیں ، حافظ مذکور فی السوال کا استدلال غلط ہے ، آٹھ رکعت تو ان کی درست ہے اور باقی خلاف شرع و خلاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اہلحدیث کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور اس کے ماسوا کو جواب دیدے نہ کہ مثل مقلدین تاویلات رکیکہ سے کام لے ۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۸ شمارہ ۱۹)

سوال :۔ اگر کوئی حافظ اہلحدیث بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھاوئے ۔ اور بیس ۲۰ رکعت میں آٹھ رکعت کو سنت نبوی سمجھے اور بقیہ رکعات کو نوافل خیال کرے تو درست ہے یا نہیں ۔ کیا بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا پڑھانا بدعت فاروقی ہے ، حالانکہ ایک روایت مرفوع ضعیف بروایت ابن عباس سنن بیہقی وطبرانی و ابن ابی شیبہ میں آئی ہے ، ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر ۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۳)

ونیز بیس رکعت تراویح پر تعامل صحابہ و تابعین بھی ہے ۔ عن السائب ابن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ قال النووی فی الخلاصۃ وفی شرح المھذب ایضاً اسنادہ صحیح ۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۴)

وقال العلامۃ الفاضل اللکھنوی عبد الحی الحنفی فی عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ نعم ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر وعثمان وعلی فمن بعدھم اخرجہ مالک وابن سعد والبیھقی وغیرھم وما واظبت علیہ الخلفاء فعلا او تشریعا ایضاً ۔ سنۃ لحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اخرجہ ابوداؤد وابن ماجۃ والترمذی ایضاً ۔

اور مقلدین ائمہ اربعہ کا تعامل بھی آج کل اسی پر ہے ، حرمین وغیرہ میں پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پڑھنا یا پڑھانا آٹھ رکعت کو مسنون سمجھتے ہوئے درست ہے یا نہیں ۔ اور اس کو بدعت عمری کہنا کیسا ہے ، اور اثر حضرت عمر بن الخطاب صحیح قابل استدلال

ہے یا نہیں۔ مدلل اس پر خامہ فرسائی کریں، یہ مسئلہ اختلافیہ ہے انصاف کو ملحوظ فرما دیں۔

(سائل۔ عبد الحق محب السنہ بہاولپوری)

الجواب:۔ وہو اللہ الملہم بالصدق والصواب۔ از قلم حقیقت رقم حضرت الفاضل مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی سلمہ ربہ۔

جواب:۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح آٹھ رکعت سے زائد بالاتفاق موافق و مخالف ثابت نہیں بلکہ بیس کی روایت صحیح کے معارض ہے، فاضل لکھنوی تعلیق الممجد ص۱۱۱ میں رقمطراز ہیں: قال جماعۃ من العلماء منہم الزیلعی وابن الھمام والسیوطی والزرقانی ان ھذا الحدیث مع ضعفہ معارض لحدیث عائشۃ الصحیح فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ رکعۃ فیقبل الصحیح ویطرح غیرہ ثم قال لاشك فی صحۃ حدیث عائشۃ وضعف حدیث ابن عباس وقال فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان لسنتہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فعلہ علیہ السلام ثم ترکہ لعذر بہ صرح ابن الھمام فی شرحہ ج۱ ص۲۰۵ وقال صاحب البحر الرائق ایضاً لاشك فی تحقق الامر من بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

شیخ عبد الحق شارح مشکوٰۃ اپنی کتاب فتح سراج المنان فی تائید مذہب النعمان قلمی ص۳۲۷ میں فرماتے ہیں، ولم یثبت روایۃ عشرین کما ھو المتعارف الآن الا فی روایۃ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الحدیث ثم قال و قالوا اسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ وھو حدیث صحیح وکانت عائشۃ رضی اللہ عنہا اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان الامر علی ذلك بامرہ۔

نصب الرایہ زیلعی طبع ہند ج ا ص۲۹۳ فتح القدیر جلد ا ص۲۰۵ میں بعد ذکر روایت ابن عباس منفق علی ضعفہ مع مخالفتہ الصحیح۔ اوجز المسالک میں زکریا کاندھلوی ابناء عصر سے تحریر کرتے ہیں لاشك ان تحدید التراویح فی عشرین لم یثبت مرفوعاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح علی طریق اصول المحدثین وما ورد فیہ

من روایۃ ابن عباس متکلم فیہا علی اصولہم۔ انور شاہ کشمیری فیض الباری ج ۲ صفحہ ۴۲۰ باب قیام النبی میں لکھتے ہیں۔ ثم ان التراویح لم یثبت مرفوعاً ازید من ثلاث عشرۃ رکعۃ الا بطریق ضعیف وقال الثابت منہ ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ لطائف قاسمیہ مکتوب سوم صفحہ ۱۸ میں نانوتوی لکھتے ہیں۔ ویازدہ از فعل سرور صلی اللہ علیہ وسلم آکد از بست ست مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فاضل علیہم من اللہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں۔ صلوتہا بالجماعۃ لسنۃ کفایۃ لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر۔ انور شاہ کشمیری عرف الشذی صفحہ ۳۲۹ میں لکھتے ہیں۔ ولا مناص من تسلیم ان تراویح علیہ السلام کانت ثمانی رکعات صفحہ ۳۳۰ میں لکھتے ہیں واما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصح عنہ ثمان رکعات واما عشرون رکعۃ عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔

امام محمد تلمیذ الامام ابوحنیفہؒ نے اپنی مؤطا میں باب قیام شہر رمضان قائم کر کے حدیث عائشہؓ ہی کو پیش کیا جس میں ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ جو اس امر پر صریح اور واضح طور پر دال ہے، کہ قیام رمضان حنفیہ کے نزدیک بھی وہی گیارہ مع الوتر ہیں، زائد نہیں، اور اسی کو ابن الہمام اور ابن نجیم صاحب بحر و دیگر محققین احناف نے تقرر فرمایا بلکہ فاضل طحطاوی شرح در مختار ج ا صفحہ ۲۹۶ طبع مصر میں اور ابوالسعود شارح کنز صفحہ ۲۶۶ طبع مصر میں فاضل ..... سے نقل کرتے ہیں۔ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یصلہا عشرین بل ثمانیا ولم یواظب علی ذلک۔ البتہ ایک بات لکھی تھی وہ یہ تھی کہ بیس متاہدہ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف آٹھ ہی ہیں، اور بارہ بحسب فعل خلفاء کی بناء پر۔ مگر میں کہتا ہوں۔ اس میں فاضل ابن ہمام سے تساہل ہوا ہے، خدا درگزر کرے وہ یہ ہے کہ قول خلفاء سے آج تک کسی نے ثابت نہیں کیا، اور نہ کرنے کی کسی میں جرأت ہے، صحیح سند سے، ایک روایت سنن کبری میں حضرت علیؓ کی ہے، مگر ثابت نہیں۔ اور حضرت عمرؓ سے بیان کرتے ہیں، وہ دو طریق پر ہے، ایک ان کے زمانہ کی اطلاع اور ثانی امر فاروقیؓ۔ ان کے زمانہ کی اطلاع ایک تو بطریق منقطع ہے، چنانچہ مؤطا میں بروایت یزید بن رومان وارد ہے، اور یہی سنن کبری وغیرہ میں ہے،

فاضل سیوطی المصابیح میں لکھتے ہیں۔ لکن فی الموطا و مصنف سعید بن منصور بسند فی غایۃ الصحۃ عن السائب بن یزید احدیٰ عشرۃ رکعۃ۔ صفحہ جلد ۲ میں فاضل سیوطی لکھتے ہیں۔ قال الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم و ثلث عشرۃ قریب قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

میں کہتا ہوں گیارہ رکعت بحکم عمرؓ یہ طحاوی شرح معانی الآثار میں بھی ہے اس میں صاف اور واضح ہے کہ امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ۔

قیام اللیل مروزی میں بھی ہے، امر بالاتفاق اقویٰ ہوا کرتا ہے، اور لوگوں کا فعل اس سے نفس خلیفہ کو کیا۔ واسطہ لوگوں کا کرنا یہ قابل حجت بالاتفاق نہیں ان کا تعامل ان کا حکم البتہ قابل سماعت ہے، اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ان کے فعل سے تعلق رکھتا ہے، یا تعامل عہد خلفاء سے سوچنے کی بات ہے، یہ اہل تحقیق حنفیہ کا بھی کلام نہیں۔ البتہ ضعفاء الناس کا ضرور خیال ہے۔ ورنہ آیئے ہم بتاتے ہیں کہ خلفاء کا امر اور فعل بھی ان کے یہاں اس قابل نہیں کہ ان کے مقابل امام کی بات ترک کی جائے دیکھو۔ زکوٰۃ الجنین۔ اخراج النساء الی المصلی۔ حکم بالشاہد والیمین۔ وتر رکعۃ واحدۃ۔ وقطع الید فی خمسۃ دراہم۔ مسئلہ غلس۔ سجود تلاوت قرآن۔ قطع النباش۔ وجوب وتر۔ تکبیرات رکوع۔ نکاح بلا ولی۔ طلاق المکرہ۔ مسح العمامہ۔ زکوٰۃ مال الیتیم۔ ایمان کی کمی بیشی۔ مسح جوابین۔ جلا وطن زانی وغیرہ وغیرہ لیئے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں ان مقامات میں تو ان کے اقوال و اعمال تک موجود ہیں، یہاں علیکم بسنتی حدیث غالباً منسوخ ہو گئی ہو گی۔ اور جہاں نہ فعل خلیفہ اور نہ ہی امر وہاں علیکم بسنتی وارد۔ فیا للہ العجب و ضیغۃ العلم والادب۔

بعض لوگ تہجد و تراویح کو جداگانہ قرار دے کر زیادت علی الثمانیہ پر بھی استدلال کرتے ہیں العرف الشذی صفحہ ۳۲۹ میں ہے۔ ولم یثبت فی روایات انہ علیہ السلام

صلی التراویح والتہجد علٰحدۃ فی رمضان ۔ فیض الباری صفہ۴۲ میں لکھا ہے۔ قال عامۃ العلماء ان التراویح وصلوۃ اللیل نوعان مختلفان والمختار عندی انہما واحد وان اختلف صفتہما۔ رہا بیس کو سنت عمری بدعت عمری کہنا اصلاً غلط نا قابل مسموع۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بیس رکعت نہ ہی فعل عمر سے وارد اور نہ ہی امر فاروق سے ثابت۔ پھر زبردستی حضرت عمرؓ کے منھ تھوپنا کیا انصاف مرحل دور نہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فاضل سیوطی حاوی صفہ۷۵ جلد۲ میں لکھتے ہیں۔ ولو فعل العشرین ولو مرۃ لم یترکہا ابداً ولو وقع ذلک لم یخف علٰے عائشۃ رضؓ حیث قالت ما تقدم فالحاصل ان العشرین لم تثبت من فعلہ صلے اللہ علیہ وسلم والکلام فیہ اکثر ما تری وھذا لقدر کاف لمن اراد التذکر والھدیٰ وھو ولی الھدایۃ واعلم بمن اھتدیٰ ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفہ۱۶)

سوال:۔ (۱) تراویح پڑھانے پر حافظوں کے لئے اجرت لینی جائز ہے، یا نہیں؟

(۲):۔ جو حافظ اجرت پر تراویح پڑھائے اس کو تراویح کا ثواب ملتا ہے، یا نہیں؟۔

(۳) نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟۔ (محمد سلیمان از گیا)

جواب:۔(۱) تراویح پڑھانے پر اجرت لینی ٹھیک نہیں۔ تراویح ایک عبادت ہے، اور عبادت کا عوض دینا، اور اس پر اجرت و معاوضہ لینا درست نہیں ہے۔

سئل احمد عن امام قال لقوم اصلی بکم رمضان بکذا وکذا درھما قال اسأل اللہ العافیۃ من یصلے خلف ھذا ...... (قیام اللیل صفہ۱۰۳) البتہ بغیر شرط کے مقتدی اپنی خوشی سے یہ خیال کر کے کہ تراویح پڑھانے والے نے گھر چھوڑ کر اپنے کو ہمارے یہاں ایک مدت تک مقید کر رکھا، اور اپنا وقت پابندی سے صرف کیا ہے۔ تراویح پڑھانے کی اجرت کی نیت کے بغیر اس کو کچھ دے دیں تو قبول کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمرؓ ما اتاک من ھذا المال من غیر مسئلۃ ولا اشراف نفس فخذہ۔

۲۔ ایسے حافظ کو اخروی ثواب نہیں ملے گا۔ وہ اجیر محض ہے، جس غرض اور مقصد سے اس نے تراویح پڑھائی ہے، دنیا میں اس کو مل گیا۔

۳۔ ایسا نابالغ لڑکا جو طہارت وغیرہ کا پورا خیال رکھتا ہے، اور سن تمیز کو پہنچ چکا ہے، اور سمجھ دار ہے، اس کے پیچھے تراویح بلا شک وشبہ جائز ہے، عمرو بن سلمہ کی حدیث (بخاری وغیرہ) کی رو سے جب ایسے لڑکے کے پیچھے فرض نماز جائز ہے تو تراویح بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ (محدث دہلی جلد ۲ شمارہ ۵)

سوال:۔ رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تراویح و تہجد دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔ یا صرف تہجد اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا عمل تھا؟۔

جواب:۔ اگر عشاء کے بعد قیام اللیل کر لیا جائے۔ تو یہ تراویح ہے، اور سو جانے کے بعد وسط یا آخر شب میں قیام اللیل کیا جائے تو یہ تہجد ہے، اور دونوں طرح جائز ہے، جب اول شب میں پڑھ لیا تو آخر شب میں تہجد پڑھنا جائز ہے، اور اگر آخر شب میں پڑھا تو وہی تراویح اور وہی تہجد ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحل۔

(اخبار محمدی دہلی جلد ۱۸ ش ۲۲)	راقم احقر عبد السلام عفرلہ مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ نماز تراویح کچھ نہیں بدعت ہے، نہ وہ خود پڑھتا ہے، اور نہ کسی کو پڑھنے دیتا ہے، جو آدمی نماز تراویح پڑھنے آتا ہے، اس کو مسجد سے بھگا دیتا ہے۔ نماز تراویح کو اول رات جماعت سے پڑھنا یہ سب کاموں کو بدعت کہتا ہے؟۔

جواب :۔ مزید غلط کہتا ہے، تراویح کی نماز سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے، جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے، بخاری و مسلم میں ہے:۔ عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن انه سأل عن عائشة رضؓ کیف کانت صلوٰة رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة الخ اور حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو تراویح کی نماز پڑھانے کے لئے امام مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں ہے، عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطابؓ ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة اور اس نماز کو اوّل شب و وسط اور آخر شب میں ہر طرح پڑھنا جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر آخر شب میں پڑھی ہے، ایک مرتبہ اول شب سے آخر تک بھی پڑھی ہے، اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے جماعت سے پڑھتے تھے۔ فرض ہونے کے خوف سے آپ نے منع فرمایا، جب آپ کا انتقال ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صحابہ کرامؓ نے جماعت سے نماز پڑھی ہے، پہلے زمانہ میں اس نماز کو قیام اللیل کہتے تھے۔ بعد میں اس کو تراویح کہنے لگے۔ نام کے بدلنے سے ماہیت نہیں بدلتی اس کی نظیریں بہت سے ہیں، اور تراویح پڑھنے والے کو مسجد سے نکال دینا سخت گناہ ہے، اور نکالنے والا آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۔ کا مصداق ٹھہرے گا۔

راقم احقر عبد السلام غفرلہٗ مدرس مدرسہ حاجی علیجان دہلی	(اخبار محمدی جلد ۱۸ شمارہ ۲۲)

سوال :۔ رمضان مبارک میں بعض لوگوں کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ اول شب میں تراویح ادا کر لیتے ہیں۔ مگر وتر نہیں پڑھتے۔ پھر آخر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ وتر بھی۔ کچھ لوگ اس پر معترض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

الف :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جو تین دن تراویح کی نماز

پڑھائی تھی۔ اس کے متعلق حضرت جابرؓ کے یہ الفاظ صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات فاوتر.... سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ تراویح کے ساتھ ہی آپ نے وتر بھی پڑھ لی تھی۔ لہٰذا یہ طریقہ کہ تراویح پڑھ کر وتر نہ پڑھی جائے۔ بلکہ اس کو تہجد کے ساتھ اخیر رات میں پڑھا جائے، اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ب:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خاص رمضان کے متعلق سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت کی نماز رمضان ہو یا غیر رمضان۔ عموماً گیارہ رکعت مع وتر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی آپ کے قیام کی کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی تھیں۔ پس مذکورہ بالا طرز عمل اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔

ج:۔ جب تہجد اور تراویح درحقیقت دونوں ایک چیز ہیں تو پھر اول شب میں پڑھ لینے کے بعد آخر شب میں دوبارہ پڑھنا گویا ایک ہی نماز کو دو مرتبہ پڑھنا ہے۔ اور یہ بروایت ابن عمرؓ ممنوع ہے، حیث قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لاتصلوا صلوۃ فی یوم مرتین۔ (ابوداؤد)

اب سوال یہ ہے کہ کیا معترضین کے یہ استدلالات کی بنا پر مذکورہ بالا طرز عمل کو ناجائز یا خلاف اولیٰ کہنا ٹھیک ہے، اگر ٹھیک ہے، تو پھر اس باب میں افضل صورت کیا ہے؟

(حافظ عبد التواب از کلکتہ)

جواب:۔ حنفیہ و شافعیہ وغیرہ کے نزدیک تہجد اور تراویح کے درمیان مصداق اور مفہوم دونوں اعتبار سے فرق ہے، العرف الشذی تقریر ترمذی از مولوی انور شاہ مرحوم میں ہے۔ وبین التراویح والتہجد فی عہدہ علیہ السلام لم یکن فرق فی الرکعات بل فی الوقت والصفۃ ای التراویح تکون بالجماعۃ وفی المسجد بخلاف التہجد وان الشروع فی التراویح یکون فی اول اللیل وفی التہجد فی آخر اللیل انتہی۔

ہوسکتا ہے کہ جو لوگ اول شب میں تراویح ادا کرتے ہیں۔ اور آخر شب میں تہجد اور اس طرح تراویح اور تہجد کے درمیان جمع کرتے ہیں۔ وہ قائلین فرق کے ہم خیال ہوں، قائلین فرق بین التراویح والتہجد کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مذکورہ فی السوال ضعیف ہے۔

آثار السنن للنیموی وغیر ذلک من کتب الحنفیہ، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں تہجد کا بیان ہے نہ تراویح کا بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۹ میں ہے :۔

ویشکل ھذا ای حدیث عائشۃ المشار الیہ فی السوال۔ بصلوۃ التراویح فانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا ثلث لیال ثم ترکہا بعذر فرضیتہا والجواب عنہ ان ھذا الحدیث لا تعلق لہ بالتراویح لا نفیا ولا اثباتاً فکانہا صلاۃ اخری والاستدلال بھذا الحدیث علی ان التراویح ثمان رکعات لغو ھکذا کتب مولانا محمد یحیی المرحوم من تقریر شیخہ انتہی یعنی بشیخہ الشیخ رشید احمد الگنگوھی۔ وقال القاری قولہ فی رمضان ای فی لیالیہ وقت التہجد فلا ینافیہ زیادۃ ما صلاھا بعد صلوۃ العشاء من صلوۃ التراویح انتہی ومرقاۃ۔ قلت حدیث لیس بضعیف بل ھو حسن وقد سرد شیخنا فی شرح الترمذی وغیرہ من علماء اھل الحدیث فی تصانیفہم علی من رمی تضعیفہ من الحنفیۃ واما حمل الگنگوھی والقاری حدیث عائشۃ علی غیر التراویح فھو مخالف لما صرح بہ وحققہ علماء الحنفیۃ و الشافعیۃ ممن مضیٰ قبلہما کما سیاتی فلا یلتفت الی ما قالا بہ۔

اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث مذکور فی السوال ان کے مذہب پر مذکورہ بالا طرزِ عمل کے مخالف نہیں ہے، وھو ظاھر لمن لہ ادنی تامل۔ ہمارے نزدیک تراویح اور تہجد کے درمیان فرق کرنا یعنی دونوں کا مصداق الگ الگ بتانا صحیح نہیں۔ لانہ مخالف للاحادیث الصحیحۃ اور اگر بالفرض دونوں کے درمیان باعتبار مصداق کے فرق ہو بھی

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تراویح اور تہجد کے درمیان جمع کرنا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں خود قائلین فرق کو بھی اس کا اقرار ہے۔ العرف الشذی میں ہے۔ ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلے التراویح والتہجد علیحدۃ فی رمضان بل طول التراویح۔ ای ان قال فی بیان معنی قول عمر والتی تنامون عنہا خیر مما تقومون الخ ولا یتوہم ان مراد عمر ان یاتوا بالتہجد ایضاً فانہ لم یثبت عنہ علیہ السلام ولا عن الصحابۃ جمعہم بین التراویح والتہجد انتہیٰ۔

میرے نزدیک (۱) تہجد۔ صلوٰۃ اللیل۔ قیام اللیل۔ قیام رمضان۔ تراویح۔ ان پانچوں کا مصداق ایک ہے، غیر رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نماز تہجد ہوتی تھی، وہی رمضان میں آنحضرتؐ کا قیام رمضان۔ یعنی تراویح ہو جاتی۔ (۲) آپ نے تہجد رات کے اول۔ وسط۔ اور آخر تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے۔ اور چونکہ تہجد اور قیام رمضان (تراویح) دونوں ایک ہیں۔ اس لئے تراویح بھی رات کے ہر حصہ میں ادا کی جا سکتی ہے، (۳) آنحضرتؐ نے خود تراویح اول شب کے بعد بھی بلکہ وسط شب کے بعد ادا کی ہے (۴) اسی طرح آپ نے تراویح باجماعت اور بغیر جماعت کے دونوں طرح ادا فرمائی ہے (۵) ونیز مسجد میں بھی پڑھی، اور گھر میں بھی۔ اور صحابہ کو جماعت کے ساتھ یا انفرادا گھر میں تراویح پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ہے۔ فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ۔ (۶) غیر رمضان میں تہجد بھی آپ نے باجماعت ادا فرمایا ہے، ان تمام دعووں پر دلائل حدیثیہ معتبرہ قائم اور موجود ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ لولا ضیق النطاق لاتیناہا جمیعا۔

اصل سوال کا جواب:۔ اگر کوئی شخص اول شب میں جماعت کے ساتھ یا اکیلا آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت یہ سمجھ کر پڑھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی راتوں میں وتر کے علاوہ اسی قدر تطوع فعلاً اور عملاً ثابت ہے، اور یہی تراویح بھی ہے، اور

تہجد بھی اور اس قدر پڑھنے سے رمضان کی تراویح مسنونہ (قیام رمضان جس پر مخصوص ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے) ادا ہو جائے گی۔ لیکن ثواب موعود مخصوص کے علاوہ محض مزید ثواب حاصل کرنے کی نیت سے آخر شب کو افضل سمجھ کر اس میں بھی کچھ نوافل (جن کے بارے میں اس کو اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے، اور جو موکدہ نہیں ہیں) ادا کرے بشرطیکہ اول شب میں پڑھی ہوئی رکعتوں کو تراویح اور ان زوائد نوافل کو تہجد نہ سمجھے تو اس کا یہ طرزِ عمل نہ ناجائز ہوگا اور نہ مکروہ۔ اس طرزِ عمل کے ناجائز یا خلاف اولیٰ ہونے پر مذکورہ بالا ہر سہ استدلال مخدوش ہے۔

(الف)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور فی السوال میں لفظ صلی فاوتر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وتر تراویح کے بعد بلا تاخیر و توقف و فرمائی لیکن یہی حدیث قیام اللیل للمروزی صفحہ ۶۰ میں بایں لفظ مروی ہے، صلی رسول اللہ فی رمضان ثمان رکعات والوتر۔ اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں صحیح ابن حبان سے بایں لفظ ذکر کیا ہے۔ صلی بھم ثمان رکعات ثم اوتر۔ اور حافظ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج ہدایہ میں جلد ا صفحہ ۲۷۶ و ۲۹۳ بایں لفظ نقل کیا ہے۔ فصلی ثمان رکعات والوتر۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ساتھ بلا توقف و تاخیر وتر ادا کرنے پر نہیں دلالت کرتے، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر اور کسی شفع کے ذریعہ فصل کئے ہوئے بغیر تراویح کے ساتھ وتر ادا کر لی تھی۔ تو بھی مذکورہ طرزِ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخر شب کی یہ نوافل بھی تراویح کا ہی حصہ نہیں۔ اور اس کے حکم میں ہیں۔ مگر اس طرح کہ پڑھنے والا ان کے بارے میں مخیر ہے، گویا یہ نوافل تراویح سے خارج اور اس کے علاوہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے اجزا زوائد ہیں۔ پس اس شخص کی وتر بھی تراویح کے ساتھ بغیر توقف کے ادا ہوئی۔ یہ نوافل تراویح سے الگ تہجد نہیں ہیں کہ بجائے تراویح کے تہجد کے ساتھ وتر کا ادا کرنا لازم آئے کیونکہ رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں ایک ہیں یہاں زیادہ سے زیادہ یہ بات پائی گئی کہ اس نے

تراویح کے کچھ حصّہ کو اول شب میں ادا کیا۔ اور کچھ حصّہ کو جو زائد اور نوافل کے درجہ میں اور غیر مؤکدہ ہے۔ آخر شب میں ادا کیا وھذا لا باس بہ اس حدیث سے اعتراض تو ان لوگوں پر پڑے گا۔ جو تراویح اور تہجد میں فرق کریں، اور اول شب کی رکعتوں کو تراویح اور آخر شب کی نوافل کو تہجد سمجھیں، اور وتر کو تراویح کے بجائے تہجد کے ساتھ ادا کریں وھذا لم نقل بہ فلا یرد علینا۔ ونیز حضرت جابرؓ کی حدیث میں جو طریق عمل مذکور ہے اس شخص کے لئے ہے، جو اول شب میں تراویح یا تہجد پڑھنے پر اکتفا کرے بخلاف اس شخص کے جو تراویح یا تہجد کو کچھ رکعتیں اول شب میں ادا کرنا چاہئے۔ اور کچھ آخر میں تو ایسے شخص کے لئے اجعلوا اٰخر صلوتکم باللیل وترا کی رو سے وتر مؤخر کر کے آخر شب کی نوافل کے بعد ادا کرنا۔ اولیٰ وافضل ہے۔ ونیز حدیث جابرؓ سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وتر جس قدر تطوع آپ کو ادا کرنا تھا۔ اس سے متصل تھی۔ یعنی آپ نے اس کو مؤخر نہیں کیا تھا۔ اب جو شخص آخر رات میں نفل ادا کر کے وتر پڑھے، اس کی وتر بھی تطوع سے مؤخر نہیں ہو گی فلا مخالفۃ بین فعلہ وما یدل علیہ حدیث جابر۔ ونیز جابرؓ کی حدیث تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ساتھ بغیر توقف و تاخیر کے وتر پڑھنے کے وجوب پر نہیں دلالت کرتی کہ مذکورہ طرز عمل کو ناجائز کہا جائے۔

(ب) حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بلاشک وشبہ تراویح کا ہی بیان ہے۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر لابن الھمام الحنفی جلد ۱ ص۱۹۵ نصب الرایہ للزیلعی الحنفی ج ۱ ص۲۹۳ مؤطا امام مالک ص۱۲۱ العرف الشذی للمولوی انور شاہ الحنفی ص۳۲۹ معرفۃ السنن للبیھقی الشافعی جلد ۲ ص۲۹۵ و ص۲۹۶ صلوۃ التراویح للسیوطی الشافعی ص۱۹ فتح الباری للحافظ ابن حجر الشافعی جلد ۲ ص۳۱۶، ۲۱۷ عمدۃ القاری للعینی الحنفی پ ۱۱ ص۱۲۸ عارضۃ الاحوذی لابن العربی المالکی ج ۴ ص۱۹ فتح سر المنان (مخطوطہ) للمولوی عبد الحق دھلوی الحنفی۔

لیکن یہ حدیث مذکورہ طرزِ عمل کے خلاف نہیں ہے بخلاف اس وقت ہوتی جب گیارہ سے زائد رکعتوں کو جو آخر شب میں ادا کی جائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معمولہ اور سنت مسلوکہ اور احادیث میں بیان کردہ مخصوص ثواب کا موجب اور باعث سمجھ کر پڑھا جائے۔ اول شب میں معین رکعتوں کو پڑھ چکنے کے بعد آخر شب میں بھی نوافل پڑھنے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ تراویح کے بارے میں سنت نبوی ثابتہ یہ آٹھ رکعت ادا کرنے سے عمل ہوگیا۔ جو اپنی جگہ پر کامل ادا کمل ہے اور وہ ان کے ادا کرنے سے ثواب مخصوص اور اجر موعود کا مستحق ہوگیا۔ اور اب یہ خیال کرکے کہ رمضان کی راتیں بڑی برکت کی ہیں جس قدر نوافل پڑھے جائیں اسی قدر ثواب زیادہ ملے گا۔ اور گیارہ سے زیادہ کی ممانعت یا کراہت بھی ثابت نہیں ہے۔ محض زیادتی ثواب کے لئے وسط شب یا آخر شب میں کچھ اور نفل بغیر تعین کے چار یا چھ یا آٹھ یا دس یا بارہ علیٰ ہذا القیاس پڑھ لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سمجھ کر پڑھنے میں نہ حدیث مذکور کی مخالفت ہے، نہ ارتکاب مکروہ اور ترک اولیٰ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ احادیث میں بعض اذکار کے معین اعداد پر مخصوص عظیم ثواب اور اجر مذکور ہے، اب اگر کوئی شخص اس بیان کردہ ثواب کے لئے اس عدد کو کافی سمجھے اور حدیث میں اس عدد معین پر ذکر کردہ مخصوص ثواب ملنے کا یقین رکھتا ہوا محض ثواب کے لئے اس ذکر کو چند بار اور کہہ لے۔ ظاہر کہ اس طرزِ عمل کو حدیث کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔ نہ مکروہ اور خلافِ اولیٰ اسی طرح یہاں بھی مذکورہ طرزِ عمل حدیث عائشہ رض کے خلاف نہیں ہوگا۔ ونیز نسائی اور ابوداؤد میں ہے؛

عن قیس بن طلق قال زارنا ابی طلق بن علی فی یوم رمضان فامسیٰ بنا وقام بنا تلك اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجد فصلی باصحابه حتیٰ بقی الوتر ثم قدم رجلا فقال اوتر بهم فانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لا وتران فی لیلة۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی معین (آٹھ) رکعت سے زائد نفل پڑھنے کو صحابہ اور تابعین ناجائز اور مکروہ اور خلاف اولیٰ نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس حدیث میں یہ احتمال کہ تراویح مسنونہ کی بعض رکعتیں ایک جگہ قبل وتر کے اور بقیہ رکعتیں بعد وتر کے کسی مسجد

میں ادا کیں بعید ہے۔ ولا یترک الظاھر بالمحتملات البعیدۃ۔

(ج) ۔ حدیث ابن عمر بھی مذکورہ طرزِ عمل کے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں صلوٰۃ سے مراد فریضہ ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز ایک مرتبہ ادا کر لینے کے بعد دوبارہ فرض کی نیت اور جہت سے نہ دہرائی جائے۔ (نیل جلد ۳ صفحہ ۱۸۹) اور تراویح یا تہجد سنت ہے، نہ فرض۔ اور اگر صلوٰۃ کو عموم پر محمول کیا جائے، تب بھی مخالفت نہیں ہوگی۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نماز کو دوبارہ نہ پڑھو۔ چنانچہ نسائی میں یہی روایت۔ لا تعاد الصلوٰۃ فی یوم مرتین ۔ اور صحیح ابن حبان میں نھانی ان نعید صلوٰۃ فی یوم مرتین . . . . . (زیلعی جلد ۱ صفحہ ۲۹۱) کے ساتھ مروی ہے، اور آخری شب میں نوافل پڑھنے والے اول شب میں پڑھی ہوئی رکعتوں کا اعادہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ رکعتیں بھی تراویح کی سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ لیکن نوافل زوائد کے درجہ میں وھھنا وجھان اُخران للرد علی من یظن المخالفۃ بین حدیث بن عمر ھذا والعمل المذکور، واعرضنا عن ذکرھما لما فیھما من التکلف والبعد عن الاصابۃ۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ قیدو شرط کے ساتھ کوئی شخص آخر شب میں بھی نوافل پڑھے۔ اور اس وقت وتر ادا کرے۔ تو یہ طرزِ عمل ناجائز اور مکروہ نہیں ہوگا، بلکہ بلا کراہت جائز ہوگا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۵ - بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ)

توضیح۔ ہو الموفق۔ معترض کا اعتراض مدلل اور قوی ہے، جب کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین یوم تراویح رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابی بن کعبؓ نے اپنے گھر مستورات کو گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ اور حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو تراویح کے لئے گیارہ رکعت مع وتر مقرر کیا۔

منتقی الاخبار میں ہے کہ جب آپ نے تین دن نماز تراویح کی جماعت کرائی تو ابو ذرؓ

نے کہا یارسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذا اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مقتدی امام کے تراویح مع وتر سے فارغ ہونے تک ساتھ رہے اس کو ساری رات کے قیام کا ثواب ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر کو تراویح کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، اور امام کے ساتھ فارغ ہونے سے ساری رات کے قیام کا ثواب حاصل ہوتا ہے، یہ کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں ہوا کہ باجماعت آٹھ تراویح پڑھ کر وتروں کو چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ بلکہ نسائی اور ابوداؤد کی روائت قیس بن طلق سے جو مفتی صاحب نے نقل کی ہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وتروں کو پہلی جماعت کے ساتھ پڑھا بعد میں نفلی طور پر مسجد میں جاکر جماعت کرائی، اور وتروں کے لئے امام مقرر کیا۔ جو شخص وتروں کے بعد نفل پڑھنا چاہیے۔ پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ قیس بن طلق کی روایت سے ثابت ہے۔ اور قیام اللیل مروزی میں مندرجہ ذیل آثار اور اقوال بھی اس پر دال ہیں کہ رات کو وتر پڑھ کر سونے والا صبح اٹھ کر نوافل ادا کر سکتا ہے۔

(۱) ابن عمر فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے دریافت فرمایا متی توتر قال اوتر ثم انام قال بالحزم اخذت الخ ص ۱۱۶ طبع لاہور ۱۳۲۰ھ (یعنی آپ کب وتر پڑھتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وتر پڑھ کر سوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ محتاط طریقہ ہے۔

(۲) اور سعید بن مسیب کے اثر سے واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر پھر پچھلی رات اٹھ کر نوافل بھی پڑھا کرتے تھے۔ کان ابوبکر اذا جاء فراشہ اوتر فان قام من اللیل صلے ص ۱۱۷

یعنی حضرت ابوبکر سونے سے قبل وتر پڑھتے اگر صبح بیدار ہوجائے تو پھر نوافل پڑھتے۔

(۳) حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں شروع میں، درمیان اور آخر میں بھی ایک روائت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ربما اوتر قبل ان ینام وربما نام قبل ان یوتر یعنی کبھی سونے سے قبل پڑھتے اور کبھی وتر پڑھتے

سے پہلے سو جاتے۔ واضح ہے کہ جب آپ وتر پڑھ کر سوتے تھے تو صبح اٹھ کر نوافل بھی ضرور پڑھتے ہوں گے۔

ان احادیث و آثار سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اگر کوئی اول رات وتر پڑھ لے تو آخر رات اسے نوافل ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ صحابۂ کرام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل دونوں سے یہ ثابت ہے، اس لئے اس میں تردد کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں ایک حدیث میں آیا ہے، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وِترا (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری نماز رات کی وتر ہونی چاہیے سبل السلام شرح بلوغ المرام شیخ محمد بن اسمٰعیل امیر۔ اور نور الحسن خلف الرشید سید نواب صدیق حسن بھوپالی فتح العلام شرح بلوغ المرام اس حدیث کے تحت فتح الباری شرح صحیح بخاری سے نقل فرماتے ہیں۔ وذھب الیہ بعض اھل العلم وجعل الامر فی قولہ اجعلوا الخ مختصا بمن اوتر آخر۔ یعنی یہ حدیث مخصوص ہے، ساتھ اس شخص کے جو وتروں کو آخر رات میں پڑھے۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات علی محمد سعیدی مرتب فتاویٰ عفی اللہ تعالےٰ عنہ

باب الاذان

سوال:۔ بعض لوگ رمضان المبارک میں سحری کے موقع پر لوگوں کے جگانے کے لئے کچھ نظمیں پڑھتے پھرتے ہیں، جن میں راگ بھی پایا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ خلاف سنت ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ بہتر اور مسنون صورت یہ ہے، کہ اذان دی جائے۔ ورنہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے۔ جس میں راگ وغیرہ ممنوعات کا دخل نہ ہو۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۱۷۔ ۶ ر شعبان ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ ہمارے ہاں ماہ رمضان میں افطاری اور صبح کی اذان کا جھگڑا رہتا ہے۔ آپ گھڑی کے حساب سے وقت بتائیں۔ کہ افطاری اور ختم سحری کا صحیح وقت کیا ہے، تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جواب:۔ گھڑی کے حساب سے ہر جگہ کا وقت جدا جدا ہوتا ہے، نیز روزانہ وقت منٹ منٹ ڈیڑھ ڈیڑھ منٹ بدلتا رہتا ہے، اس لئے ہم آپ کے لئے کوئی صحیح ٹائم متعین نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے اخبار میں ٹائم کا نقشہ بھی شائع نہیں کیا۔

عام طور پر لاہور کا نقشہ شائع ہوا کرتا ہے۔ اور سب جگہ کے لوگ اسی کو استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ طریق بہت ہی غلط ہے یا تو اپنے مقام کا نقشہ کسی ماہر فلکیات سے الگ نکلوا کر محفوظ رکھئے۔ ورنہ دو چار دن محنت کر کے طلوع و غروب کا حساب اپنی گھڑی سے دیکھ کر اس کا اندازہ لگا لیجئے۔ مگر پھر بھی جہاں تک ممکن ہو۔ احتیاط ہی سے کام لیجئے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۲ ش ۲۱۔ ۲۹ رمضان ۱۳۷۰ھ)

سوال :۔ اگر رمضان میں عشاء کے وقت کسی کی موت واقع ہوجائے۔ اور میت صبح تک پڑی رہے۔ تو اس احاطہ یا محلہ والے سحری پکا کر کھا سکتے ہیں یا نہیں؟۔

جواب :۔ محلہ یا احاطہ والے نہیں بلکہ گھر والے بھی کھا سکتے ہیں۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کھانا پکا کر کھا لینا جائز ہے۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۸ ش ۱۹۔ ۵ / شوال ۱۳۷۵ھ)

توضیح :۔ میت کے پاس کھانا اور پکانا بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۳ کی مندرجہ ذیل حدیث سے جائز ثابت ہوتا ہے۔ انه سمع انس بن مالك يقول اشتكى ابن لابي طلحة قال فمات وابو طلحة خارج فلما رأت امرأته (هي ام سليم ام انس) انه قدمات هيات شيئا ونحته في جانب البيت (اي جعلته) فلما جاء ابو طلحة قال كيف الغلام قالت قد هدا نفسه وسكن وارجوان يكون قد استراح وظن ابو طلحة انها صادقة قال فبات (اي فجامع) فلما اصبح اغتسل فلما اراد ان يخرج اعلمته انه قدمات فصلے مع النبي صلے الله عليه وسلم ثم اخبر النبي صلے الله عليه وسلم بما كان منهما فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم لعل الله ان يبارك لهما في ليلتهما۔

یعنی حضرت انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیم نے مصیبت کے وقت بھی غم کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جبکہ ابو طلحہ کا بیٹا جو بیمار تھا۔ وہ فوت ہوگیا تو ام سلیم طلحہ کی بیوی نے فوت شدہ لڑکے کو مکان کے طرف لٹا دیا۔ اور کھانا تیار کیا۔ اور اپنے آپ کو زینت سے آراستہ کیا۔ جب ابو طلحہ باہر سے گھر آئے تو بیٹے کا پوچھا تو مائی نے کہا کہ اب آرام سے سوگیا ہے۔ ابو طلحہ نے عورت کو صادقہ تصور کرکے اس کے ساتھ رات گذاری صبح کے وقت غسل کیا۔ جب مسجد کو جانے لگا تو بیٹے کی وفات کی خبر دی نماز کے بعد ابو طلحہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اور کھانے وغیرہ سے منع نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال :۔ رمضان المبارک میں سحری کی آذان کہی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت کیا ہے!

اگر اذان کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر کے لوگوں کو بیدار کیا جائے تو کیا یہ جائز ہوگا قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کریں۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے۔ حضرت بلال رض اور ابن مکتوم رضی اللہ عنہما حضرت بلال رض کی اذان کے متعلق علما کے درمیان اختلاف ہے۔ کہ آیا وہ سحری کے لئے ہے، یا فجر کے لئے صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لئے تھی کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذان سال بھر چلتی تھی۔ لہٰذا خاص سحری کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ لوگوں کو سپیکر کے ذریعہ بیدار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امر بالمعروف کے ضمن میں آجاتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۷۔ ۱۱ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ)

از شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات احمد گوجرانوالہ

توضیح:۔ مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے۔ حضرت بلال رض اور ابن مکتوم رض حضرت بلال رض کی اذان کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر کے فرمایا ہے کہ سحری کی اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ حالانکہ بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ عن ابن عمر رض وعائشۃ رض قالا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم وکان رجلا اعمیٰ لا ینادی حتی یقال لہ اصبحت اصبحت متفق علیہ وفی آخرہ ادراج۔

ابن عمر رض اور عائشہ رض سے روایت کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال رات کو اذان دیتا ہے، پس سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے، اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھا۔ اور آخیر کا کلام وکان رجلا اعمیٰ اخیر تک راوی کا قول ہے، اس حدیث سے صاف اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بلال کی اذان رات کے کچھ حصہ میں کھانے اور پینے کے لئے ہوتی تھی۔ بخاری اور مسلم کے مقابلہ تمام روایتیں مرجوح ہیں۔ مفتی صاحب نے علماء کرام کے اختلاف کو بلا مرجح ترجیح دیتے ہوئے کہہ دیا کہ سحری کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔

سبل السلام صفحہ ۱۱۱۔ جلد ا۔ اس حدیث کے تحت لکھا ہے۔ وفیہ شرعیۃ الاذان قبل الفجر لالما شرع الاذان فان الاذان لما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعین لحضور الصلوۃ وھذا الاذان الذی قبل الفجر قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شرعیتہ بقولہ لیوقظ نائمکم ویرجع قائمکم رواہ الجماعۃ الا الترمذی والقائم ھو الذی یصلی صلوۃ اللیل ورجوعہ عودہ الی نومہ او تعودہ عن صلوتہ اذا سمع الاذان فلیس للاعلام بدخول ولا لحضور الصلوۃ ...۔

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے۔ مگر یہ اذان اس خاطر نہیں۔ جو اذان کی اصل غرض ہے۔ کیونکہ اصل غرض اذان کی وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضور نماز کی دعوت ہے، اور اس اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوئے ہوئے کو جگانے کی خاطر اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے۔ اس کو ترمذی کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے، اور قائم سے مراد جو رات کو نماز پڑھتا ہے، اور اس کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سو جائے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جب کہ اذان سنے۔ پس یہ اذان نہ وقت نماز کی اطلاع کے لئے ہے، نہ حضور نماز کی خاطر ہے، پس اس مسئلہ میں جواز، عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑ سکتا جس کا مقصد ثابت شدہ شئے پر عمل ہے۔ اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اس اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے، بلکہ جیسا حدیث کے الفاظ سے واضح ہے، یہ اذان اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا ذرا آرام لے کر نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے، اور سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کر سکے کیونکہ اکثر انسان رات کی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ تو پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے کچھ وقت صرف ہوتا ہے۔ پھر اس کی کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً پاخانہ۔ پیشاب۔ یا غسل وغیرہ اور صبح کے وضو کے لئے بھی کچھ وقت زیادہ چاہیئے۔ بوجہ لمبی نیند۔ منہ۔ ناک وغیرہ میں جو فضلات جمع ہو جاتے ہیں۔ مسواک وغیرہ سے اُن کی صفائی ان کاموں کے لئے کافی وقت چاہیئے۔ اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے، سحری کے وقت کی اذان اسی طرح کے لئے مقرر کی گئی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف رمضان کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ بارہ ماہ

کے لئے ہے، اور رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ رمضان میں لوگ کھانے پکانے کے لئے پہلی ہی بیدار ہوتے ہیں۔ بخلاف غیر رمضان کے۔ہاں رمضان شریف میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو سحری کے وقت کی اطلاع ہو۔ اور معلوم ہو جائے کہ صبح قریب ہے، کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمہیں بلال کی اذان۔ کھانے پینے سے نہ روکے، اس سے یہ مقصد نہیں کہ یہ اذان رمضان ہی کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ لوگ پہلی اذان سنکر کھانے پینے سے نہ رک جائیں اس لئے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔

اسی بناپر حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ وادعی ابن القطان ان ذلك كان فی رمضان خاصة وفيه نظر۔ فتح الباری جز ۳ صفحہ ۲۴۶۔ ابن قطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان شریف سے مخصوص ہے۔ لیکن ان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔ نیل الاوطار میں ہے۔ وقد اختلف فی اذان بلال بلیل هل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فادعی ابن القطان الاول قال الحافظ فيه نظر نیل الاوطار ج ۱ بلالؓ کی اذان جو رات کو ہوتی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان شریف کے لئے خاص تھی۔ یا تمام اوقات میں ہو سکتی ہے، ابن قطانؒ نے اول کا دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ ابن قطان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ یہ فجر کی اذان ہے، اور نہ آپ کو اس اطلاق کی ضرورت پیش آتی کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے۔ کیونکہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ خود ہی سمجھ جاتے کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔ فقط ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

باب الصیام فی السفر

سوال:۔ ایک شخص کو رمضان میں اتفاق سفر کا ہوا۔ اور وہ صائم تھا۔ اب وہ افطار کرے یا صائم رہے۔ اگر افطار کرے تو کیسا ہے؟۔

جواب:۔ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ صحیح مسلم میں جابرؓ سے مروی ہے، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی مکۃ عام الفتح فصام حتی بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہ ان الناس قد شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم وصام بعضہم فبلغہ ان ناساً صاموا فقال اولئک العصاۃ یعنی فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف تشریف لے گئے، اور آپ نے روزہ رکھا، اور لوگوں نے بھی رکھا۔ جب کراع غمیم پر (ایک وادی کا نام ہے) پہونچے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر روزہ بہت گراں گذر رہا ہے، اور وہ سب آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور آپ کے فعل کے منتظر ہیں، یہ سنکر آپ نے بعد عصر کے پانی منگایا، اور پھر نوش فرمایا۔ لوگ آپ کی طرف دیکھتے رہے، بعض نے افطار کیا، اور بعض نے نہیں کیا تھا۔ بعد میں آپ کو خبر پہونچی کہ لوگوں نے روزہ رکھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ لوگ خدا کے نافرمان ہیں۔ نیل الاوطار میں تحت اس کے مرقوم ہے۔ فیہ دلیل علی انہ یجوز للمسافر ان یفطر ان نوی الصیام من اللیل وھو قول الجمہور یعنی اس حدیث سے یہ بات پائی گئی کہ مسافر کو روزہ رکھنے کے بعد افطار کرنا جائز ہے، ایسے ہی بخاری میں ابن عباسؓ سے سفر حنین کا واقعہ مذکور ہے، اس کے معاوضہ میں صرف ایک روزہ رکھنا چاہیے۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کفارہ گناہ کی وجہ سے لازم آتا ہے، اور یہ امر یعنی بعد نیت روزہ کے سفر میں افطار کرنا فعل مسنون ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور صحابہ نے آپ کو دیکھ

کر کیا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین)

مولانا محمد عبدالجبار عمر پوری

کٹائی گندم اور دیگر کاروبار کی وجہ سے روزہ کا افطار کرنا

سوال:۔ ماہ رمضان کے روزے چھوڑ کر فصل کی کٹائی یا سخت کام کر سکتا ہے، یا نہیں اس صورت میں تارک الصیام کو کافر کہہ سکتے ہیں یا وہ مومن ہی رہتا ہے؟۔

جواب:۔ مسافر۔ بیمار۔ حاملہ۔ مرضعہ جو روزہ نہ رکھ سکے۔ اور شیخ فانی وغیرہ کے سوا کسی کو افطار کی اجازت نہیں۔

اگر کٹائی گندم وغیرہ کی وجہ سے افطار جائز ہو تو امیروں کو گھر بیٹھے پہلے جائز ہونا چاہیئے کیونکہ ان کو طبیعت کے نازک ہونے کی وجہ سے گھر بیٹھے بھوک پیاس کا برداشت کرنا برنسبت زمینداروں کے زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ زمیندار کاروباری ہی ہوں۔ نیز مزدوروں کا پیشہ زمیندارہ سے کم نہیں۔ ان کو بھی افطاری کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس کے اندر لوہار۔ سنار۔ معمار وغیرہ آسکتے ہیں۔ اب بتلائیے روزہ کون رکھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس سے کہیں زیادہ سخت کام ہوتے تھے۔ کیونکہ غریب لوگ تھے محنت مشقت سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ زمیندارہ بھی آپ کے زمانہ میں تھا۔ خیر قرون میں بھی یہ معاملات پیش آتے رہے۔ مگر کسی سے زمیندارہ کی وجہ سے افطار ثابت نہیں۔ پھر اگر ٹھنڈے ٹھنڈے کٹائی کر کے کٹی ہوئی فصل جمع کر لی جائے تو چنداں تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ صرف اتنی بات ہے کہ چار روز زیادہ لگ جائیں گے۔ لیکن اسکا کوئی حرج نہیں۔ دنیوی عذر کی وجہ سے بھی تو کام آگے پیچھے ہو جاتے ہیں اگر دین کے لئے چار روز بعد میں کام ہو گیا تو برداشت کرنا چاہیئے۔ اصل میں پہلے ہی دلوں میں دین کی محبت نہیں۔ لوگ حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کے فرض کو ٹال دیتے ہیں۔ ایسے لوگ واقعی کفر کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مولوی کے مسئلہ بتانے میں غلطی لگ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۵۵ ۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ) عبداللہ امرتسری روپڑی

باب قضاء الصیام

سوال زید شعبان و رمضان میں بعض امراض کی وجہ سے بے ہوش پڑا رہا۔ صرف نبض چلتی رہی۔ پھر قدرے ہوش آیا۔ اب بھی مرض کا حملہ ہوتا رہتا ہے، صحت کی امید کم ہے۔ فوت شدہ نمازوں و روزوں کی کیا صورت۔ اور آئندہ نماز کس طرح پڑھے!۔

جواب:۔ بے ہوشی کے زمانے کی فوت شدہ نمازیں و روزے زید پر معاف ہیں۔ ان کی قضا اس پر نہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[1] روضۃ الندیہ میں ہے وکذالک عن اغمی علیہ حتی خرج وقتها فلا وجوب علیه لانه غیر مکلف فی الوقت۔[2]

ہاں زید آئندہ نماز لیٹے۔ بیٹھے۔ یا اشارہ سے جس طرح بھی ممکن ہو پڑھتا رہے۔ اگر آئندہ رمضان تک زید تندرست نہ ہوا۔ اور مرض کی یہی حالت رہی۔ اور صحت کی امید منقطع ہو جائے تو بموجب آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔[3]

ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔

(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ شمارہ ۲)

---

1 نہیں تکلیف دیتا ہے، اللہ کسی جی کو مگر طاقت اس کی ۱۲۔

2 اور اسی طرح اس شخص سے جو غشی ڈالی گی۔ اس پر یہاں تک کہ نکل گیا وقت اس کا پس اس پر قضا واجب نہیں۔ اس لئے کہ وہ مکلف نہیں ۱۲

3 اور اُوپر ان لوگوں کے جو طاقت دور کر چکے ہیں۔ اس کی۔ پس بدلہ ہے، کھانا ایک مسکین۔ ۱۲

سوال :۔ اگر بحالت روزہ مباشرت (مساس ختنین) بلا دخول سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جائے گا۔ تو صرف اس کی قضا کافی ہو گی یا کفارہ بھی پڑے گا۔

جواب :۔ اس قسم کی مباشرت جبکہ اس سے انزال یا جماع میں مبتلاء ہو جانے کا خطرہ ہو ممنوع ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ[1] (القرآن) بغیر دخول مباشرت سے انزال ہونے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی قضاء ضروری اور لازم ہو گی۔ کفارہ لازم نہیں ہو گا۔

وقع الخلاف[2] فيما اذا باشر الصائم او قبل او نظر فانزل او امذى فقال الكوفيون و الشافعي يقضي اذا انزل في غير النظر ولا قضاء في الامذاء وقال مالك رحمه الله واسحق يقضي في كل ذالك ويكفر الا في الامذاء فيقضي فقط واحتج له بان الانزال اقصى ما يطلب في الجماع من الالتذاذ في كل ذالك وتعقب بان الاحكام علقت بالجماع فقط - نيل ج ۴ ص ۲۹۰ ۔ (محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۹۔ جنوری ۱۹۴۲ء)

---

[1] یعنی حلال کیا گیا تمہارے لئے روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں کی طرف وہ لباس ہیں۔ تمہارے لئے اور تم لباس ہو ان کے لئے اللہ نے معلوم کیا تم سے کہ تم اپنی چوری کرتے تھے سو معاف کیا اس نے تم کو اور درگذر کی تم سے پس اب ملو ان سے (رشید سلفی)

[2] اس میں اختلاف ہے کہ جب روزے دار مباشرت کرے یا بوسہ لے یا دیکھے (اپنی بیوی کی طرف) تو اس کا انزال ہو جائے یا مذی خارج ہو جائے (تو اس کا کیا حکم ہے) امام شافعی اور کوفیوں کا خیال ہے کہ بن دیکھے منی خارج ہونے میں قضاء ہے تری نکلنے سے قضاء نہیں ہے۔ امام مالک اور اسحٰق کہتے ہیں کہ مذی کے سوا سب میں قضاء اور کفارہ ہے۔ مذی میں فقط قضاء ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ جماع سے لذت کا آخری مطلوب اخراج منی ہوتا ہے (لہٰذا اس کے اخراج سے قضا اور کفارہ چاہیئے) ان کا تعاقب کیا گیا ہے کہ شرعی احکام جماع کے ساتھ معلق ہیں اھ (رشید سلفی) (محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۹)

اسی مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا محمد جوناگڑھی مرحوم کے خیالات درج ذیل ہیں جو ۱۹۳۸ء میں یہی مسئلہ چلنے پر انہوں نے رقم فرمائے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

کیا دہلی اور پنجاب وغیرہ کے لوگوں کو ایک روزہ قضا کرنا چاہیئے؟

اس دفعہ رمضان المبارک کا چاند کہیں پیر کو نظر آیا کہیں منگل کو اس لئے بمبئی کے علاقہ میں پہلا روزہ منگل کا ہوا، اور دہلی کے گرد و نواح میں بدھ کا روزہ ہوا، ازاں بعد چرچا ہوا، اور مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ جہاں جہاں کے باشندوں نے بدھ کا روزہ رکھا ہے، وہ ایک روزے کی قضا کریں ہمیں حیرت ہے کہ یہ خلاف حدیث فتویٰ اس زور و شور اور تاکید کے ساتھ کیوں دیا گیا۔ حالانکہ حدیث سے ثابت شدہ فیصلہ یہ ہے، کہ ہر جگہ کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فیض بنیاد ہے صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلثين ۔ ۔ ۔ (متفق علیہ) یعنی چاند کے دیکھنے پر روزہ رکھو، اور چاند ہو جانے پر عید مناؤ، اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے مطلع غبار آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لیا کرو۔ دہلی میں پیر کے دن مطلع صاف تھا۔ ہزاروں نگاہیں چاند کی جستجو میں تھیں۔ لیکن نظر نہ آیا منگل کو چاند دکھائی دے گیا۔ اہل دہلی نے بالاتفاق روزہ رکھا اس درمیان میں دہلی کے آس پاس سے کہیں سے کوئی شہادت بھی نہ آئی، پھر ان پر دوسری جگہ چاند ہو جانے سے فتویٰ لگانا یہ تو درست نہیں۔ اب دوسری جگہ کی چاند کی رویت یہاں نامعتبر ہونے کی روایت بھی سن لیجئے۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت کریب کو اپنے ایک کام کے لئے حضرت معاویہ کے پاس شام میں بھیجتی ہیں۔ حضرت کریب فرماتے ہیں کہ وہاں ہم نے رمضان شریف کا چاند جمعہ کی رات کو دیکھا میں اپنا کام کر کے واپس لوٹا یہاں میری باتیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہو رہی تھیں۔ آپ نے مجھ سے ملک شام کے چاند کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے کہا کہ وہاں چاند جمعہ کی رات کو دیکھا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے خود دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں میں نے بھی دیکھا۔ اور سب لوگوں نے دیکھا سب نے بالاتفاق روزہ رکھا، خود جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نے بھی روزہ رکھا، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن ہم نے تو ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے،
اور ہفتہ سے روزہ شروع کیا ہے، اب چاند ہو جاتے تک ہم تو تیس روزے پورے کریں
گے۔ یا یہ کہ چاند نظر آجائے میں نے کہا سبحان اللہ! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا چاند
دیکھا۔ کیا آپ کو کافی نہیں ؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح
حکم فرمایا ہے (مسلم ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ) شام اور حجاز کی سرحد ملی ہوئی ہے۔ لیکن شام
کے چاند کا اعتبار حجاز میں نہیں کیا جاتا۔ اسی کو فرمان رسول اور شریعت کا مسئلہ تبلایا جاتا ہے،
صحابہ کی بڑی جماعت مدینہ میں موجود ہے، بالاتفاق یہاں ہفتہ کا روزہ ہوا ہے، یہی خبر بلاتردید
پہنچتی ہے، کہ ملک شام میں ایک روز پہلے چاند دیکھا گیا۔ وہاں بالاتفاق روزہ ایک دن کا ہوا
لیکن مدینے میں صحابہ کے اجماع سے وہاں کے چاند کی رؤیت کا اعتبار یہاں کے لئے نہیں کیا
جاتا یا تو عمل اہل مدینہ کو حجت بتایا جاتا ہے، یا آج اس مسئلہ میں کوئی پرواہ نہیں کی جاتی الغرض
اجماع صحابہ اور حکم نبی سے یہ ثابت ہے کہ دور دراز جگہ کی رؤیت ہلال دور دراز جگہ والوں
کے لئے معتبر نہیں، پھر ہم کہتے ہیں کہ جب اختلاف مطالع کا کوئی اثر ہی نہیں تو سنیئے سارے
ملک حجاز میں امسال پہلا روزہ پیر کے دن کا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے اس وقت مکہ شریف
کا اخبار ''ام القریٰ'' رکھا ہوا ہے، جس میں تحریر ہے، قد تبینت رؤیة الھلال فی ھذہ المحلکة
لیلة الاثنین الماضی آگے تحریر ہے ان الصیام فی مصر و فلسطین کان ابتداء من یوم
الاثنین یعنی مملکت حجاز و نجد میں اتوار کے دن چاند نظر آیا۔ اور بالاتفاق پیر کے دن کا پہلا روزہ
ہوا۔ اس طرح فلسطین اور مصر میں بھی پہلا روزہ پیر کے دن کا ہوا۔ دہلی اور پنجاب والوں کا پہلا
روزہ ہوا ہے، بدھ کا۔ اہل بمبئی وغیرہ کا پہلا روزہ ہوا ہے منگل کا۔ تو چاہیئے کہ یہ ایک روزہ
قضا کریں۔ اور اہل پنجاب دو روزے قضا کریں۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ
اب دہلی وغیرہ کے علماء بتلائیں کہ اس صورت میں وہ دو روزوں کی قضا کا کیوں نہ حکم دیں!
یاد رکھو اگر مطلع کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تو کبھی اٹھائیس اور کبھی اکتیس روزے ہوں
گے۔ جو نہ صرف شریعت کے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہوں گے۔ مطلع کے اختلاف کو مدنظر نہ

رکھنے والے بتلائیں تو سہی کہ کیا بمبئی اور کلکتہ اور کابل میں سورج کا غروب اور زوال دہلی والوں کے لئے مغرب اور ظہر کی نماز پڑھ لینے کے لئے معتبر مانا جائے گا۔ کیا وہاں کے زوال پر ہم یہاں ظہر پڑھ سکتے ہیں؟ اگر ہاں کہو تو سورج دیکھتے ہوئے اور غروب میں آدھ گھنٹہ باقی رہتے ہوئے تمہیں یہاں نماز مغرب پڑھنی پڑے گی اور اگر انکار کرو تو فرق مطلع معتبر مانا گیا۔ پھر ہمیں موجودہ صورت میں ایک روزے کی قضاء کا حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ وہی صحیح ہے جو عبداللہ بن عباس حضرت قاسم بن محمد حضرت سالم بن عبداللہ حضرت عکرمہ حضرت اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کا مذہب ہے، لکل اھل بلدۃ رؤیتہم ہر شہر والوں کے لئے وہیں کی رویت کا اعتبار ہے۔ ہاں آس پاس کا رقبہ اسی میں داخل ہے، بلکہ امام ترمذی تو اہل علم کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں، اور کوئی بیان ہی نہیں فرماتے۔ امام ابن عبدالبر تو فرماتے ہیں۔ اجمعوا علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فیما بعد من البلاد کخراسان والاندلس۔

یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ دور دراز کے شہروں میں چاند دیکھا جانا یہاں کے لئے معتبر نہیں ہے، جیسے خراسان اور اندلس وغیرہ محدثین رحمہم اللہ نے بھی تبویب کی ہے، لکل اھل بلد رؤیتہم ہر شہر والوں کے لئے وہیں کی رویت معتبر ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ والصحیح عند اصحابنا ان الرؤیۃ لا تعم الناس یعنی ایک جگہ چاند نظر آجانا سب کے لئے معتبر نہیں ہے، بل تختص بمن قرب علی مسافۃ لا تقصر فیھا الصلوٰۃ بلکہ صرف وہیں تک اس کا اعتبار ہوگا۔ جہاں تک جانے سے نماز کو قصر کرنا نہیں ہے الغرض اس مسئلہ میں صحیح فیصلہ صحابہ اور حدیث کا یہی ہے کہ مطلع کا اختلاف معتبر ہے ہر جگہ کے لئے وہیں کے چاند دیکھنے کا اعتبار ہے، اس کا خلاف دلیل کا خلاف ہے، پس جہاں چاند نہیں ہوا، ان پر روزے کی قضا محض اس وجہ سے کہ کسی دور دراز جگہ چاند ہو گیا۔ بالکل غلط اور خلاف حدیث ہے، واللہ اعلم۔ (محدث دہلی جلد ۲ شمارہ ۷، دسمبر ۱۹۳۶ء)

مولانا محمد صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی

(بارہ ہندو راؤ)

سوال:۔ ایک روزہ دار دن کو سویا اور احتلام ہو گیا۔ اب اس کا روزہ گیا یا رہا؟۔

جواب:۔ روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسے پورا کرنا چاہیئے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۱۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ)

توضیح:۔ اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ انسان نیند کی حالت میں مکلف نہیں۔ ہاں احتلام کی وجہ سے غسل واجب ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کیا روزہ کی حالت میں چوری کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر ٹوٹ جاتا ہو تو کیا اس کی قضا ہی پڑے گی یا کفارہ بھی؟۔

جواب:۔ چوری کرنا ایک مستقل گناہ ہے، جس کی سزا قطع ید ہے، اس کا روزہ سے تعلق نہیں۔ نہ قضا لازم آتی ہے نہ کفارہ۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۱۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ)

ولی کے ذمہ روزہ کی قضاء

سوال:۔ مسماۃ ہندہ مدت سے مرض دق میں مبتلا تھی۔ اس نے بمشکل تمام رمضان کا ایک روزہ رکھا۔ بقیہ رمضان المبارک میں اس نے روزہ نہیں رکھا۔ اور مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ اوائل صفر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مریضہ کے جو روزے چھوٹ گئے ہیں۔ ان کے بدلے میں اولیاء کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری ہے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ جو روزے چھوٹ گئے ہوں۔ ان کے عوض میں اولیا کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ یعنی مریض پر رمضان کا روزہ ضروری نہیں بلکہ جب مرض سے شفا ہو جائے تو قضا واجب ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ اذا مات المریض او المسافر وھما علی حالھما لم یلزمھما القضاء

لانھم لم یدرکوا عدۃ من ایام اخر الخ یعنی جب مریض یا مسافر اپنی مرض اور سفر کی حالت میں ہوں۔ اور وہ مر جائیں۔ تو ان کو قضا لازم نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ایام اخر نہیں پائے عون المعبود جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ میں ہے۔ واتفق اھل العلم علی انہ اذا افطر فی المرض والسفر ثم لم یفرط فی القضاء حتی مات فانہ لا شئ علیہ ولا یجب الاطعام عنہ الخ یعنی اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب کوئی مریض اپنی مرض میں یا مسافر سفر میں روزہ نہ رکھے۔ پھر اپنی طرف سے قضائی مہینے میں کمی نہیں کی کہ حتیٰ کہ وہ مر گیا تو اس پہ کوئی شئے نہیں، اور نہ ہی اس کے ذمہ فدیہ ہے۔ منہاج الطالبین للنووی میں ہے۔ من فاتہ شئ من رمضان فمات قبل امکان القضاء فلا تدارک لہ ولا اثم۔ شرح منہاج میں ہے، فلا تدارک بالفدیۃ ولا بالقضاء۔ چونکہ مریضہ نے زمانہ صحت یا قدرت علی الصیام نہیں پایا۔ اس لیے اس کے ذمہ قضا واجب نہیں، تو دوسروں پہ کیسے واجب ہو گی۔ ملاحظہ سراج الوہاج شرح صحیح مسلم وسنن کبریٰ للبیہقی وسنن ابن ماجہ وغیرہا من الکتب فقط واللہ اعلم۔

جواب ب:۔ صورت مسئولہ میں اولیا پر قضا واجب ہے، صحیحین کی روایت حضرت عائشہ رض سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فمن مات وعلیہ صوم صام عنہ ولیہ مشکوۃ۔ اور اسی طرح جامع ترمذی میں ہے، ابن عباس رض سے مروی ہے، قال جاءت امرأۃ الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی ماتت وعلیہا صیام شہرین متتابعین قال ارأیت لوکان علی امک دین اکنت تقضیہ قالت نعم قال فحق اللہ احق امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، ابن عمر رض سے روایت ہے، مات وعلیہ صیام شہر فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکینا ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے اس کے اولیاء پر قضاء یا فدیہ ضروری ہے۔ رہی آیت جس سے مفتی نے عدم قضاء پہ دلیل پیش کی ہے، وہ مریض اور مسافر کی قضاء پہ دلیل ہے، نہ میت کے لئے اسی طرح صاحب ہدایہ وغیرہ کی عبارت جو کہ عدم قضاء پہ پیش کی گئی ہے، وہ سب بلا دلیل باتیں ہیں۔ میت کی طرف سے اس کے اولیاء پہ قضاء کرنا حکم شرع ہے۔ فقط۔

محاکمہ از محدث روپڑی

فریق اول کا جواب صحیح ہے، فریق ثانی غلطی پر ہے۔ فریق ثانی نے جو احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں تصریح ہے کہ میت پر روزے ہوں تو اس کے ولی پر قضاء ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب بیمار اسی بیماری میں گذر گیا، جس میں اس نے روزے افطار کیے تو اس پر روزے لازم نہ ہوئے۔ کیونکہ اس پر روزے لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو تندرستی کے دن مل جائیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے، فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۔ یعنی اور دنوں سے گنتی پوری کرے جب بیمار نے اور دن پائے ہی نہیں۔ جن میں یہ گنتی پوری کرتا تو اس پر یہ حکم نہ لگا۔ پس حدیث کے مطابق اس کے ولی پر قضاء نہ ہوئی۔ ہاں اگر اس بیماری سے تندرست ہو جاتا۔ اور جتنے روزے اس کے چھوٹے تھے۔ اتنے دن یا اس سے کم دن تندرست رہ کر کسی اور عارضہ سے مرجاتا تو پھر ولی پر اتنے دنوں کی قضا آ سکتی تھی۔ جتنے دن تندرست رہتا۔ مگر سوال کی صورت میں تو وہ تندرست ہوا ہی نہیں تو پھر ولی پر قضا کی کوئی وجہ نہیں۔

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۵۵ ۔ ۲ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال:۔ اگر کوئی شخص اس حالت میں فوت ہو جاتا ہے کہ اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہیں۔ تو کیا اس کا کوئی وارث اس کی طرف سے روزوں کی قضا دے سکتا ہے؟

جواب:۔ اگر رمضان کے روزے بیماری کی وجہ سے چھوڑے ہوں پھر رمضان کے تندرست ہو کر روزہ رکھنے کا موقع ملا ہو۔ پھر اس نے قضاء چھوڑ دیا ہو تو روزے اس کے ذمے لگ جاتے ہیں۔ فوت ہونے کی صورت میں وارث اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے، حدیث سے ثابت ہے، (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۱۳ شمارہ ۲۷ ۔ ۱۱ر شوال ۱۳۹۰ھ)

از شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات گوجرانوالہ

سوال:۔ کیا ٹیکہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے!۔

جواب:۔ ٹیکہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے۔ کیونکہ دوا ٹیکہ کے ذریعہ تمام جسم تک پہنچ جاتی ہے۔ معدے میں بھی پہنچ جائے گی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت روزہ دار کو مبالغہ فی الاستنشاق سے منع فرمایا تھا۔ اسی اندیشے کی بناء پر کہ کہیں ناک والا پانی اندر معدے تک نہ پہنچ جائے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا شمارہ ۲۸ ۔ ۱۱ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ)

سوال:۔ رمضان شریف کے روزوں کی قضا کب کرنی چاہیے!۔

جواب:۔ رمضان کے بعد سال بھر میں جب موقع مل جائے تب رکھ لینے چاہئیں۔ لیکن جہاں تک ہو سکے روزے رکھنے میں جلدی کرنی چاہیئے۔

بلا وجہ دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے ادا کر لینا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ یکون علی الصوم من رمضان فما استطیع ان اقضیہ الا فی شعبان (ابوداؤد) میرے ذمہ رمضان شریف کے روزے ہوتے تھے۔ ان کو میں شعبان میں ادا کرتی تھی۔ (الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۴ ۔ ۱۸ر جمادی الاول ۱۳۸۰ھ)

جانور سے وطی کا روزہ پر اثر

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک میں بحالت صیام جو شخص چارپایہ کے ساتھ جماع کر کے روزہ فاسد کرے اس کا کیا حکم ہے، جیسا حنفیہ کا مذہب ہے ویسا ہی حکم ہے یا کوئی دوسرا؟

جواب:۔ روزہ کے فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ جیسا کھانے سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ شئے خوراک ہو یا نہ جیسے مٹی ایسے ہی جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ کسی شئے سے جماع ہو۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۶۳)

عبداللہ امرتسری روپڑی

باب کفارۃ الصیام

کفارہ اور اس کی صورت

سوال:۔ رمضان میں روزہ توڑنے پر کفارہ کیا ہے۔ اور اس کی صورت و اندازہ کیا ہے؟۔

جواب:۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اُس نے کہا هلكت يا رسول الله ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں ہلاک ہو گیا ہوں۔

فرمایا تجھے کس چیز نے ہلاک کیا۔ کہا وقعت على امرأتى فى رمضان) یعنی رمضان میں اپنی عورت سے ہمبستری کر لی۔

فرمایا تو ایک گردن آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا دو ماہ کے روزے پے در پے رکھ سکتا ہے، اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے کہا نہیں۔ پھر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا۔ جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لے جا اور اپنی طرف سے صدقہ کر دے۔ کہنے لگا یا رسول اللہ. کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں۔ مدینہ کے احاطہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ اس پر آپ بہت ہنسے، اور فرمایا اچھا اہل کو کھلا دے۔ اور ایک میں ہے کُلْهُ وَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ یعنی خود کھا اور اپنے اہل کو کھلا۔ اس حدیث پر نیل الاوطار میں هَلَكْتُ کے لفظ پر لکھا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ هَلَكْتُ میں ہلاک ہو گیا۔ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کام اُس نے دیدہ دانستہ کیا ہے۔ کیونکہ ہلاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ مجھ سے نافرمانی ہو گئی ہے۔ اور بھول چوک نافرمانی نہیں۔ پس بھول چوک سے ہمبستری کرنے والے پر کفارہ نہیں۔ اور جمہور علماء

اس کے قائل ہیں۔ امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ بھول نے والے پہ کفارہ ہے، اور یہ دلیل دی ہے کہ آپ نے اُس سے یہ دریافت نہیں کیا کہ بھول کر کیا یا دیدہ دانستہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صورت میں کفارہ ہے، خواہ دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ھلکت کے لفظ سے معلوم ہو گیا کہ اُس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا ہے تو پھر دریافت کرنے کی کیا ضرورت۔ نیز نہ دریافت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان میں دن کے وقت جماع بھول چوک سے ہونا بہت بعید بات ہے۔

جماع اور کھانے کا حکم ایک ہے یا نہیں!

بعض روایتوں میں وقعت علی امرأتی کی جگہ ان رجلا افطر فی رمضان آیا ہے، یعنی ایک شخص نے رمضان میں روزہ افطار کر لیا تو اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔ نیل الاوطار میں ہے: وبھذا استدلت المالکیۃ علی وجوب الکفارۃ علی من افطر فی رمضان بجماع اوغیرہ والجمھور حملوا المطلق علی المقید وقالوا لاکفارۃ الا فی الجماع اس سے مالکیہ نے اس بات پہ استدلال کیا ہے کہ رمضان میں خواہ کوئی جماع سے افطار کرے خواہ کھانے پینے سے اس پہ کفارہ ہے۔ جمہور کہتے ہیں۔ پہلی روایت میں چونکہ جماع کی تصریح ہے، اس لئے دوسری روایت میں بھی افطار سے مراد جماع کے ساتھ افطار ہوگا۔ نہ کہ مطلق۔ اور جمہور کہتے ہیں کفارہ صرف جماع میں ہے نہ کہ کھانے پینے میں۔

کفارہ کی صورت

یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان میں غلام آزاد کرنے کی صورت ممکن نہیں۔ اب پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ رہا یہ کہ ایک ہی دفعہ کھلائے یا متفرق اس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ اس حدیث میں اطعام کی نسبت ساٹھ مسکین کی طرف ہے، جس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ ایک تحت کھلائے پس اگر چھ کو مثلاً دس دن کھلائے یا ایک کو ساٹھ دن کھلائے تو یہ ساٹھ کا کھلانا نہیں۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ساٹھ مسکینوں کا تمام کھانا ساٹھ دن میں ایک مسکین کو کھلا دے تو کافی ہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو فرمانا فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ یعنی اپنے اہل کو کھلا دے۔ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ شخص مذکورہ کو ادائیگی کفارہ کی صورت آپ نے یہ بتائی ہے کہ آپ نے اہل کو کھلا دے۔ حالانکہ اہل ساٹھ افراد نہ تھے، پس اس سے ثابت ہوا کہ ایک تحت ساٹھ کو کھلانا شرط نہیں۔ یہ دلیل صاحب نیل الاوطار نے حنفیہ کی طرف سے پیش کی ہے۔ لیکن یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے، ایک یہ کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں کُلْهُ وَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ یعنی خود کھا۔ اور اپنے اہل کو کھلا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے نفس پر کفارہ صرف نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ اپنے اہل پر صرف کرتے حنفیہ وغیرہ قائل نہیں، علاوہ اس کے اس پر کیا دلیل ہے کہ آپ کا یہ فرمایا کہ اپنے اہل کو کھلا دے۔ یہ ادائیگی کفارہ کی صورت ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ تنگی کی وجہ سے اس کو کفارہ معاف ہو یا آئندہ اس کے ذمہ ہو، اور ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض میں اصل یہ ہے کہ وہ تنگی میں ساقط نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ ذمہ باقی رہتا۔ جب توفیق ہو ادا کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شخص مذکور سے آپ نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ تیرے ذمہ ہے، کیونکہ قرض کا معاملہ واضح ہے کہ ذمہ ہو جاتا ہے، اور جمہور اسی کے قائل ہیں صرف عیسیٰ بن دینار مالکی کہتے ہیں کہ تنگی کے وقت کفارہ معاف ہے۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ کفارہ معاف ہے، اور ایک قول جمہور کے مطابق ہے۔

کفارہ کا اندازہ

نیل الاوطار میں ہے، یعنی دارقطنی میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلائے ہر مسکین کو ایک مُد یعنی چوتھائی صاع دے، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ۱۵ صاع کھجوریں لائی گئیں، اسی طرح دارقطنی میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جس راوی نے ۲۰ صاع کہا ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل بیس صاع کھجوریں لائی گئیں، اور جس نے پندرہ صاع کہا ہے اس کی مراد کفارہ کا اندازہ ہے۔

روزہ کی قضاء

منتقی میں ہے۔ ولابن ماجۃ ولابی داؤد فی روایۃ وصم یوما مکانہ۔
یعنی ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور کو فرمایا کفارہ کے علاوہ اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھنا۔

عورت پر کفارہ ہے یا نہیں؟

نیل الاوطار میں ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ عورت مرد کے حکم میں ہے، اس پر بھی کفارہ ہے۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ عورت پر کفارہ نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک جمہور کے موافق اور ایک اوزاعیؒ کے موافق ہے۔ یہ قول اصح[1]۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم مرد کو دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر کفارہ نہیں اس کے جواب میں صاحب نیل الاوطار نے لکھا ہے۔

وردبانہا لم تعترف ولم تسأل فلاحاجۃ ولاسیما مع احتمال ان تکون مکرھۃ کما یرشد الی ذلک قولہ فی روایۃ الدارقطنی ھلکت واھلکت۔

یعنی عورت نے نہ اقرار کیا نہ سوال کیا۔ پس اس کو بتلانے کی ضرورت نہ تھی خاص کر جب اس پر جبر ہوا ہو۔ جیسے ھلکت واھلکت سے معلوم ہوتا ہے، یعنی میں ہلاک ہو گیا، اور ہلاک کر دیا۔ اس لئے ہلاک ہونے اور ہلاک کرنے کی نسبت اپنی طرف کر دی ہے، اگر عورت بھی راضی ہوتی تو کہتا ھلکنا و ھلکت۔ یعنی میں ہلاک ہو گیا۔ اور میری بیوی بھی ہلاک ہو گئی۔

یہ صاحب نیل الاوطار کی تقریر کا خلاصہ ہے، صاحب منتقی نے بھی دارقطنی کے یہ الفاظ ھلکت واھلکت نقل کر کے لکھا ہے کہ شخص مذکور کا کہنا کہ میں نے ہلاک کر دیا۔ عورت پر

---

[1] یعنی یہ قول امام شافعیؒ سے زیادہ صحت کے ساتھ ثابت ہے، اور جو قول جمہور کے موافق ہے اس کا ثبوت امام شافعیؒ سے کچھ کمزور ہے۔ ۱۲

جبر کی صورت میں وہ گنہگار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے تحریک ہوئی اور وہ راضی ہو گئی، اس لئے ہلاک کرنے نسبت اپنی طرف کی۔ ہاں اگر اھلکت کا لفظ ھلکت کی مشاکلت سے استعمال کیا ہو۔ اور مراد اس سے جبر ہو تو پھر یہ جواب صحیح ہے، رہا پہلا جواب کہ عورت نے نہ اقرار کیا۔ نہ پوچھا اور عورتوں کا حکم عموماً مردوں کا ہوتا ہے، اس لئے عورت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ سو یہ جواب بلاشبہ صحیح ہے،

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۵، ۱۸/ شعبان ۱۳۵۹ھ) (۳۱/ دسمبر ۱۹۴۰ء)

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

توضیح:۔ عورت کے لئے کفارہ الگ نہیں ہے، بلکہ مرد کے ساتھ ہی شامل ہے، اور روزہ کی قضا دونوں پر ہے، جیسا کہ مذکور ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

باب الحیض والنفاس

سوال:۔ ایک عورت کو ایک مہینے کا حمل ساقط ہوا۔ کیا اس عورت کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ عورت مذکورہ کو جب تک نفاس کا خون جاری رہے وہ حائضہ کی طرح روزہ نہ رکھے۔ (۱۶ر شوال ۱۳۶۵ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۰)

سوال:۔ عورتیں جب حیض یا نفاس سے ہوں تو پاک ہونے پر نماز کی قضا کریں یا نہیں؟ اور پاک ہونے پر روزوں کا کیا حکم ہے، حیض کے دنوں میں ذکر اذکار درود شریف کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ حائضہ اور نافسہ عورت پر روزہ کی قضا لازم ہے، نماز معاف ہے، مگر ذکر اور درود وغیرہ سے منع کی کوئی قوی دلیل نہیں۔ ذکر اور درود شریف پڑھ سکتی ہے۔

(۲ر ستمبر ۱۳ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۶)

عبداللہ درزیا نگرم ضلع ویرا گیلام

باب الاعتکاف

کیا عورت گھر میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے

سوال:۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کے جریدہ اہلحدیث میں کسی صاحب نے سوال کیا ہے۔
کیا عورت اعتکاف بیٹھ سکتی ہے؟۔
جواب:۔ جواب دیا گیا ہے ــــ بیٹھ سکتی ہے، مگر مسجد میں نہیں۔ اپنے گھر بیٹھ سکتی ہے،
بحث عورت کے اعتکاف بیٹھنے سے متعلق نہیں ہے، بلکہ عورت کے گھر میں اعتکاف بیٹھنے سے ہے، جہاں تک راقم الحروف کی تحقیق ہے، وہ یہ ہے۔ کہ عورت گھر میں اعتکاف نہیں بیٹھ سکتی۔ کیونکہ اعتکاف کا مسنون طریقہ مسجد ہی میں بیٹھنا ہے، اس میں مرد و زن سب مساوی ہیں۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔
قرآن پاک میں ہے۔ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ
یعنی جب تم مسجد میں معتکف ہو تو ایسی صورت میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ امام بخاریؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کے لئے جامع مسجد کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ہر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے، اور اسی پر باب باندھا ہے باب الاعتکاف فی العشر الاواخر و اعتکاف فی المساجد کلہا لقولہ تعالیٰ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ۔
فی المساجد کا لفظ اس پر دال ہے۔ کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے، اگر اعتکاف کے لئے مساجد شرط نہ ہوتیں۔ تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ تھا۔ صحیح بخاری مطبع کرزن پریس کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ حدیث وارد ہے عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ان یعتکف العشر الاواخر من رمضان فاستاذنتہ عائشۃ فاذن لہا وسألت حفصۃ عائشۃ ان تستاذن لہا

ففعلت فلما رأت ذالك زينب بنت جحش امرت ببناء فبني لها قالت وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى انصرف الى بنائه فبصر بالابنية فقال ما هذا؟ قالوا بناء عائشة وحفصة وزينب فقال رسول الله آلبر اردن بهذا ما انا بمعتكف فرجع فلما افطر اعتكف عشرة من شوال۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا ذکر کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اعتکاف بیٹھنے کی آپ سے اجازت چاہی۔ آنحضرت نے اجازت فرمائی۔ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے۔

جب انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے خبر ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میرے لئے بھی آنحضرت سے لے دیجئے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بھی اجازت لے دی جب اس واقعہ کی حضرت زینب بنت جحش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی خیمہ لگوایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب نماز ادا کر لی تو اپنے خیمے میں تشریف لائے، اور کئی خیمے دیکھ کر فرمایا یہ خیمے کیسے ہیں۔ لوگوں نے بتایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا حفصہ رضی اللہ عنہا۔ اور زینب کے خیمے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس سے وہ نیکی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ یعنی اس میں تو نمائش اور ریا کاری ہے۔ فرمایا ہمیں تو اعتکاف نہیں بیٹھنا۔ پھر آپ واپس چلے آئے پھر عید الفطر کے بعد شوال کے دس دن کا آپؐ نے اعتکاف کیا۔ اگر مسجد میں اعتکاف مسنون نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ کیوں اجازت مرحمت فرماتے۔ آپؐ فرما دیتے کہ عورتیں گھر میں معتکف ہوں۔ پھر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ایک دوسری کو دیکھ کر مسجد میں خیمے گاڑ لئے تھے۔ اور آپؐ نے ان خیموں کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ ناراض اس لئے نہیں ہوئے تھے۔ کہ عورتیں مسجد میں معتکف نہ ہوں۔ بلکہ اس کی وجہ نمائش اور ریا کاری تھی۔ پھر اگر گھر میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہوتا تو اپنی ازواج مطہرات کو فرماتے کہ تم مسجد سے خیموں کو اکھیڑ لو اور گھر میں جا کر معتکف ہو جاؤ۔

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ مطبع نور محمد اصح المطابع کے ص۴۷ پر ہے۔ قالت عائشۃ السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشہد جنازۃ ولا یمس المرأۃ ولا یباشرھا ولا یخرج الا لحاجۃ ما لا بد منہ ولا اعتکاف الا بصوم ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع۔

یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسنون طریقہ معتکف کے لئے یہی ہے کہ نہ تو مریض کی بیمار پرسی کرے، اور نہ جنازہ میں شامل ہو۔ نہ اپنی عورت سے مس کرے، اور نہ اس سے مباشرت کرے۔ اور نہ کسی غیر ضروری حاجت کے بغیر باہر ہی نکلے۔ نیز فرماتی ہیں کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔ اور نہ جامع مسجد کے بغیر اعتکاف بیٹھنا ہی درست ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد میں بھی آئی ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کا اپنا قول نہیں بلکہ فرماتی ہیں۔ السنۃ۔ تو سنت سے مراد سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے تو یہاں مسجد میں اعتکاف بیٹھنا سنت بتایا گیا ہے، اعتکاف بیٹھنے والا خواہ مرد ہو۔ یا عورت۔

۳۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۸۳ پر ایک حدیث مذکور ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ کان النبی یعتکف الخ اس اعتکاف کی وضاحت میں مشکوٰۃ کے حاشیہ پر یوں ہے۔ الاعتکاف فی اللغۃ الحبس والمکث واللزوم والاقبال علی شئ وفی الشرع عبارۃ عن المکث فی المسجد واللزوم علی وجہ مخصوص۔

اعتکاف کے لغوی معنی بند رہنا۔ ٹھہرنا اور کسی چیز کو لازم پکڑنا۔ اور کسی چیز پر متوجہ ہونا ہے۔ اور شریعت میں اعتکاف کے معنی مسجد میں ٹھہرنا، اور خاص انداز سے لازم کرنا ہے، اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی گھر میں اعتکاف بیٹھتا ہے تو اسے اعتکاف نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اور بھی دلائل کتب احادیث سے مل سکتے ہیں۔ لیکن انہیں پر کفایت کی جاتی ہے، شاید میری تحقیق کو محل نظر سمجھا جائے۔ اور کہا جائے کہ اس زمانہ میں نہ تو ایسی پارسا اور نیک عورتیں ہیں۔ جیسی کہ حضور انورؐ کے زمانے میں عورت کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا ناجائز ہے۔ اگر مسجد میں اعتکاف بیٹھے گی۔ تو ایک نیکی کے حصول میں بیسوں گناہوں کا خطرہ ہے، اور گھر میں ہی خطرہ گناہ

سے محفوظ رہ سکتی ہے تو۔ گزارش یہ ہے کہ میں نے کب کہا ہے، کہ عورت اعتکاف بیٹھے اور مسجد میں آکر بیٹھے، میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اعتکاف کا سنت طریقہ مسجد میں ہی بیٹھنا ہے، اور کسی جگہ اعتکاف بیٹھنے کی شریعت مطہرہ نے اجازت نہیں دی۔

(سیف الرحمٰن) (اخبار الاعتصام جلد ۹ ش ۲۰، ۲۰ر جمادی الاول ۱۳۷۷ھ)

اعتکاف

معتکف کا ممنوع اوقات میں نوافل پڑھنا۔

سوال:۔ کیا معتکف نماز فجر کے بعد تا طلوع آفتاب اور اسی طرح بعد از عصر تا مغرب سنتیں یا نفل ادا کر سکتا ہے۔ ؟

جواب:۔ ان دونوں وقتوں میں نماز منع ہے معتکف اور غیر معتکف اس میں برابر ہیں لیکن سببی نماز میں اختلاف ہے، کہ جائز ہے یا نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر زور دیا ہے۔ کہ سببی نماز جائز ہے۔ جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء وغیرہ اور ممانعت صرف غیر سببی نماز میں ہے۔ یعنی جس کا کوئی سبب نہ ہو۔ جیسے عام نفل۔ نماز استخارہ اور نماز حاجت بھی سببی میں داخل ہے، کیونکہ سببی سے مراد جو فی الفور ہوتی ہے۔ البتہ فجر کی سنتوں کے متعلق ابوداؤد وغیرہ میں خاص حدیث آگئی ہے۔ کہ نماز فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل درست ہیں۔ البتہ مسجد حرام میں کوئی وقت مکروہ نہیں۔ جب چاہے پڑھے۔

(فتاویٰ اہلحدیث صفحہ ۵۷۱ جلد ۲۔ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

معتکف کی بیوی کا اس کو کھانا پکڑانا

سوال:۔ کیا معتکف کی بیوی اس کو کھانا پکڑا سکتی ہے ؟

جواب:۔ ہاں کھانا وغیرہ پکڑا سکتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معتکف

میں تھے۔ آپ کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کسی کام کے لئے آپ کے پاس آئی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی۔ مشکوٰۃ۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ - ۲۹ رمضان ۱۳۶۳ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

نو آدمی مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتے ہیں

سوال: کیا ایک مسجد میں نو آدمی کا اعتکاف بیٹھنا ممنوع ہے؟

جواب:۔ ایک سے زیادہ مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا ذکر حدیث میں آگیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض بیویاں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ جب تعداد ثابت ہو گئی تو نو کو کیا رکاوٹ ہے، جس نے نو کو منع کیا ہے، شاید اس نے اس حدیث کی بنا پر کیا ہو، جس میں بیویوں کا ایک دوسری کی ضد سے خیمے لگانے کا ذکر ہے، آپ نے وہ خیمے اکھڑوا دیئے اور بیویاں نو تھیں۔ اس نے سمجھ لیا ہو۔ کہ نو کا اعتکاف منع ہے، لیکن یہ غلطی ہے، کیونکہ اس حدیث میں منع کی وجہ عدد نہیں۔ بلکہ ان کی آپس میں ضد ہونے کی وجہ سے ممانعت ہے، چنانچہ حدیث آلبر تردن کے لفظ سے ظاہر ہے، یعنی کیا یہ نیکی کا ارادہ کرتی ہے۔ گویا ان کے ارادہ میں خلل بتایا ہے، عدد کو کوئی دخل نہیں، پھر کیا پتہ ہے، نو نے خیمے لگائے تھے۔ یا نو سے کم نے خیمے لگائے تھے۔ کیونکہ حدیث میں نو کے خیمے لگانے کا ذکر نہیں۔ پس نو کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث صفحہ ۵۷۱ جلد ۲ - یکم ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء)

عبداللہ امرتسری۔ حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹

سوال:۔ زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے؟ (عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔

(اہلحدیث۔ ۹ شوال ۱۳۶۵ھ)

تشریح۔ حدیث صحیح میں نماز صبح کے بعد ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل معتکفہ متفق علیہ کذا فی بلوغ المرام۔ یہ ہوگا کہ بیسویں کی صبح کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے۔ تاویل لغو ہے۔

(ابو سعید شرف الدین)

تشریح:۔ از قلم حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدرس میاں صاحب مرحوم دہلی۔
پہلے روزہ کی نیت کرنی ضروری ہے، فرضی روزہ کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے فجر سے پہلے اس کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی شریف) نیت کہتے ہیں، ارادۂ قلب کو زبان سے کوئی مروجہ لفظ بصوم غد وغیرہ کہنے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا باعث برکت اور ثواب عظیم کا موجب ہے، مومن کے لئے بہترین سحری کھجور ہے، یعنی کھجور ضرور کھانی چاہیئے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ جا بجا مساجد میں سحری کی اذان کا اہتمام کیا جائے، جو اذان فجر سے کچھ وقت پہلے ہو، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سحری اور نماز پڑھنے کا درمیانی وقفہ پچاس آیات پڑھنے کے برابر ہوتا تھا، اگر سحری کھاتے ہوئے صبح کی اذان ہو جائے تو اپنے لقمہ اور حاجت کو جلدی پورا کر لینا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ ترمذی) روزہ کی حالت میں غیبت، چغلی جھوٹ سے بچو۔ فحش بے حیائی، بدگوئی سے احتیاط کرو۔ جو شخص جھوٹے قول عمل اور عقیدہ کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ کو اس کے روزہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی روزہ دار سے لڑنے جھگڑنے لگے تو روزہ دار کو چاہیئے کہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے۔ بلکہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ احتلام ہو جانے سے۔ خود بخود قے آنے سے۔ مسواک کرنے سے۔ سرمہ۔ تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (ترمذی شریف) سورج غروب ہوتے ہی افطاری کا وقت ہو جاتا ہے، روزہ تر کھجوروں سے اگر تر نہ ملیں تو خشک سے ورنہ پانی سے افطار کرنا سنت ہے، حدیثوں میں روزہ کھولتے وقت یہ دعا پڑھنی

آئی ہے، اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اس دعا میں چند الفاظ و بِکَ اٰمَنْتُ وغیرہ لوگوں نے بڑھا رکھے ہیں۔ حالانکہ وہ بے ثبوت ہیں۔ ایک مسلمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے ہوئے اور بتائے ہوئے الفاظ بس کافی ہیں۔ دین میں ایجاد اور زیادتی کا نام ہی تو بدعت اور غلو ہے، خدا ہر مسلمان کو ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے، روزہ کھولنے کے بعد یہ دعا بھی سنت ہے، ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ (ابو داؤد شریف) جو شخص کسی روزہ دار کو کھانا کھلائے تو روزہ دار کہے۔ اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ (ابن ماجہ) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعتیں نفل یعنی تراویح معہ وتر پڑھا کرتے تھے، یہی سنت اور زیادہ اجر فضیلت کا موجب ہے اس کے علاوہ زیادہ رکعتیں مقرر کر لینا، ہمیشہ بیس رکعت پڑھنا اور سنت سمجھنا خلاف ہے یہ کسی حدیث نبوی سے بہ سند صحیح کہیں ثابت نہیں۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں (۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹) میں سے ایک شب قدر ہوتی ہے اس میں بکثرت تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، تسبیح۔ تہلیل اور خدا کی عبادت نہایت شوق و ذوق سے کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے، شب قدر میں گناہگاروں کی گریہ وزاری۔ توبہ استغفار عبادت کی رغبت دیکھنے کے لئے مسلمانوں سے ملاقات اور مصافحہ کرنے کے لئے جبرائیل علیہ السلام معہ فرشتوں کے زمین پر آتے ہیں۔ مزاروں، خانقاہوں، یا جس گھر میں نشے کی چیز ہو نشہ باز شخص ہو۔ باجے اور تصویریں ہوں۔ وہاں فرشتے نہیں جاتے۔ شرابی ماں باپ کا نافرمان، مسلمانوں سے بغض و بیر رکھنے والا اس رات میں بھی بخشش سے محروم رہتا ہے، اس رات میں یہ دعا پڑھنی سنت ہے، اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (مشکوٰۃ) اعتکاف کرنا نہایت ثواب کی بات ہے،

مرد و عورت دونوں کے لئے اعتکاف کرنا جائز ہے، اکیسویں شب مسجد میں رہ کر نماز صبح کے کے بعد اعتکاف کی جگہ داخل ہونا چاہیئے، اور مسجد کے گوشہ میں خلوت اختیار کرکے ذکر الٰہی۔ تسبیح تہلیل تلاوت قرآن احادیث کا مطالعہ وغیرہ عبادات صبح و شام ہر وقت کرتے رہیں۔ پاخانہ پیشاب یا اور کسی ضرورت شدید کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلیں، اعتکاف عید الفطر کے چاند ہونے تک کریں (بخاری، ابن ماجہ)

صدقۃ الفطر روزوں کی طہارت ہے، ہر مسلمان مرد و عورت چھوٹے بڑے امیر غریب آزاد و غلام لونڈی پر کھجور، کشمش، پنیر، گیہوں، جو کا ایک صاع (جو بحساب انگریزی تقریباً پونے تین سیر ہوتا ہے) واجب و فرض ہے، یہ نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ نماز کے بعد دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا۔ فطرہ میں غلہ دینا افضل صورت ہے، قیمت بھی جائز ہے، اور گیہوں کا آدھا صاع بھی درست ہے۔ (بلوغ المرام)

لوگوں میں رمضان کے آخری جمعہ کو رسم الوداع مروّج ہے، اور وہ اس دن روزہ چھوڑ کر حلیم وغیرہ کھانے کے لئے گاؤں سے شہروں میں آتے ہیں۔ حالانکہ خدا و رسول نے کہیں ایسا حکم نہیں فرمایا۔ مسافر و مریض اور حائضہ کو ایام سفر میں مرض اور حیض میں روزہ معاف ہے، مگر دوسرے دنوں میں قضا واجب ہے، حاملہ۔ مرضعہ۔ دائم المریض بوجہ تکلیف روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ میت کے فوت شدہ روزے اس کے وارث رکھ لیں، یا ہر روزہ کے عوض مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ صدقۃ الفطر زکوٰۃ کی طرح نظام کے ماتحت بیت المال میں جمع ہونا چاہیئے جہاں بیت المال قائم نہیں ہے، وہاں اس کا عمل میں آنا ضروری ہے تاکہ وقتاً فوقتاً دینی امور کی انجام دہی۔ اور قوم کے غرباء و فقراء اہل حوائج پر امام اس بیت المال کو خرچ کرتا رہے، دراصل اسلام کا اہم مقصد زکوٰۃ اور صدقات نکالنے سے یہی ہے، کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں، اور پھر قوم کی مفلسی و ناداری پہ خرچ کرکے قوم کو بحال کیا جاوے زمانہ خیر میں زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لئے امام وقت اور بیت المال

کا قیام نہایت ضروری سمجھا گیا تھا۔ فقط والسلام۔ (۱۰/ اگست ۱۹۴۵ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۰۴)

سوال:۔ زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے؟ (عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

جواب:۔ اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہی سنت ہے، (۹/ شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال:۔ رمضان المبارک میں اعتکاف اگر ایک ہی شخص محلے کا کرے تو کیا سب کی طرف سے کافی ہے؟۔

جواب:۔ حنفیہ کے نزدیک اعتکاف سنت کفایہ ہے، ان کے نزدیک تو ایک کا بیٹھنا سب سے کفایت کرتا ہے، مگر اس دعوے کی دلیل میرے ناقص علم میں نہیں، اس لئے اس کو عین سنت جانتا ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری بیویاں معہ آنحضرتﷺ کے اعتکاف بیٹھتی تھیں۔ گو آپؐ نے ان کو اٹھا دیا تھا۔ مگر اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ (۲۳/ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۱۳)

سوال:۔ اعتکاف کا پردہ مہین ایسا کہ اندر سے باہر کا آدمی نظر آوے، ہونے سے اعتکاف ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ پردہ سے غرض یہ ہے کہ بیٹھنے والا گوشہ نشین رہے، باریک کی وجہ سے کوئی اسے دیکھے یا وہ کسی کو دیکھے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اعتکاف نشین مرد ہو عورت نہ ہو، (۲۶/ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۱۴)

سوال:۔ ایک آدمی باوجود بڑی مسجد کے محلہ کی چھوٹی مسجد میں اعتکاف بیٹھتا ہے، اور نماز مغرب کے بعد حقہ نوشی بھی کرتا ہے اور بڑی مسجد گاؤں کی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جو

میل کے قریب ہے، نماز جمعہ ادا کرتا ہے، کیا اس کا اعتکاف صحیح ہے؟۔

جواب:۔ جمہور علماء کے نزدیک اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے، اس لئے شخص مذکور کا اعتکاف صحیح ہے، البتہ حقہ نوشی کرتا ہے، یہ ممنوع ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مفتر اشیاء سے منع فرمایا ہے، نیز حدیث شریف میں ضروری حاجت کے سوا جائے اعتکاف سے نکلنا منع فرمایا ہے۔ اور اس غرض فاسد (حقہ نوشی) کے لئے باہر آنا اعتکاف کے لئے خارج ضرور ہے، واللہ اعلم (۹ دسمبر ۱۹۳۰ء)

شرفیہ:۔ یہ صحیح ہے، مگر نماز جمعہ فرض ہے، اور اعتکاف سنت ہے، اگر جمعہ ترک کرے تو ممنوع ہے۔ اور نکلنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا جہاں جمعہ ہو وہیں اعتکاف لازم ہے، اور حقہ کشی کے باعث باہر نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة الا لما لابد منه رواه ابوداود۔ اور حقہ تو جائز ہی نہیں ہے،

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۴۳۲)

باب لیلۃ القدر

لیلۃ القدر میں وعظ کا اہتمام

سوال:۔ کیا رمضان المبارک کی شب ہائے لیلۃ القدر میں عہد نبوی۔ یا صحابہ کرام اور زمانہ خیر قرون میں جلسے یا مواعظ ہوتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص شب ہائے لیلۃ القدر میں وعظ و تذکیر کرے تو اس پر کیا حکم ہوگا؟۔ (سراج الدین جودھ پوری)

جواب:۔ شب قدر کے وعظ اور رمضان کی تیس دن کی وعظ کے جواز عدم جواز سے تھوڑی سی تمہید سن لیں۔ جس حیثیت سے کوئی شئے شریعت میں وارد ہوئی ہے۔ اگر اسی سے لی جائے تو جائز ہے، اس کا شمار بدعت میں نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرے۔ تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ترجمہ:۔ یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو نیز حدیث شریف میں ہے۔ انما شفاء العِیِّ السؤال یعنی جہالت کی شفا پوچھنا ہے، لیکن اگر کوئی اس میں اتنی بات بڑھا لے کہ باوجود اور علماء کے ایک عالم مذہب اپنے ذمے لازم کرے۔ اور جب پوچھے اسی سے پوچھے تو یہ بدعت اور بُرا ہوگا۔ اور یہی تقلید ہے جو متنازعہ فیہ ہے۔ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لا یجعل احدکم للشیطن شیئا من الصلاۃ یریٰ ان حق علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رئیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد ص ۷۹)۔ یعنی کوئی تمہارا اپنی نماز سے شیطان کا کچھ حصہ نہ کرے (کہ) اپنے اوپر لازم سمجھے کہ (سلام پھیر کر) داہنی طرف ہی پھیروں گا۔ کیوں کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بہت دفعہ بائیں طرف بھی پھیرتے تھے۔ امام جب نماز سے سلام پھیرتا ہے، تو اپنے دائیں طرف یا بائیں طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی بابت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک طرف کو معین کر لینا شیطان کا حصہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ دوسری طرف بھی پھیرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس حیثیت سے کوئی فعل شروع میں وارد ہوا اس سے ذرا ادھر اُدھر نہ ہونا چاہیئے۔ اگر ذرا ادھر اُدھر ہوگا تو وہ بدعت اور شیطان کا حصہ ہو جائے گا۔ کیونکہ بندہ کو شروع میں کوئی دخل نہیں۔ کہ اپنی طرف سے کوئی شئے معین کرے۔ یا معین کو عام کرے۔ یا کسی اور طرح سے کمی بیشی کرے، بلکہ اس کو لازم ہے کہ ہر حکم اپنے انداز پر رہنے دے۔ اور جس طرح وارد ہوا ہو، اس کو سمجھ کر ادا کرے۔ اس تفصیل سے شب قدر اور رمضان المبارک کے تیس دنوں کے وعظ کی حقیقت بھی واضح ہوگئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وعظ اور تبلیغ کے لئے کسی رات یا کسی دن کو ہمیشہ کے لئے خاص اور معین نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن وحدیث اور خیر قرون میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ خاص کر جب ایک محل میں نبی اکرمؐ سے ایک کام ثابت ہو۔ جیسے رمضان المبارک کی تمام راتوں میں عموماً اور لیلۃ القدر میں خصوصاً قیام وغیرہ ثابت ہے۔ تو پھر کسی غیر ثابت شدہ کام کے لئے خاص کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ غور کیجئے عبداللہ بن مسعودؓ دو ثابت شدہ کاموں سے بھی ایک کی تخصیص کرنے کو شیطانی فعل فرماتے ہیں۔ تو غیر ثابت شدہ کی تخصیص کس طرح درست ہوگی۔ اگر کسی خاص رات یا وقت کی ہمیشہ کے لئے تخصیص نہ ہو۔ بلکہ حسب ضرورت نماز تراویح سے پہلے یا بعد وعظ کیا جائے تو یہ بدعت نہیں ہوگا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ثابت ہے کہ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے مسائل اعتکاف وغیرہ کی بابت خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلا تخصیص حسب ضرورت وعظ کرنا جائز ہے۔

جیسے رمضان المبارک میں جس رات قرآن مجید ختم ہو۔ لوگ دعا میں شرکت اور حصول برکت وغیرہ کی نیت سے بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ تبلیغ کا عام موقع ہے۔ اگر ایسے موقع پر وعظ و تبلیغ ہو جائے تو یہ جائز ہے، کیونکہ کمی بیشی یا تغیر و تبدل دو طرح کا ہوتا ہے، ایک خارج

میں ایک نفسِ حکم میں نفسِ حکم میں تغیر آنے سے بے شک وہ حکم بدعت ہو جائے گا۔ جیسے اوپر تقلید کی مثال اور عبداللہ بن مسعود کے قول سے ظاہر ہے۔ خارج میں تغیر آنے سے وہ حکم بدعت نہیں ہو گا۔ مثلاً ایک جگہ معین تاریخ کو سال بسال عرس ہوتا ہے۔ یا میلہ لگتا ہے، اب کوئی مبلغ یا وعظ کی بھی تاریخ معین ہوگی۔ مگر یہ بدعت نہیں۔ کیونکہ یہ تعین خارج سے ہے، نفسِ حکم سے نہیں۔ اس طرح کوئی شخص جمعہ جمعہ طالب علموں کو کھانا کھلائے تاکہ طالب علموں کے مطالعہ اور سبقوں کا حرج نہ ہو۔ تو یہ بھی نفسِ حکم میں تغیر نہیں۔ اسی طرح ایک ملازم پیشہ شخص کو اتوار کے دن فراغت ہوتی ہے، وہ اس کو وعظ یا نصیحت کے لئے مقرر کرے۔ یا اس دن میں قرآن مجید کی منزل زیادہ کرے، یا نفل نوافل زیادہ پڑھے۔ تو یہ بھی نفسِ حکم میں تغیر نہیں بلکہ خارج میں تغیر ہے، کیوں کہ انسان ہمیشہ حسبِ ضرورت اور حسبِ فرصت ہی ایسے کاموں میں زیادہ حصہ لے سکتا ہے، اگر کوئی شخص ایسا کرے یا ترغیب دے کہ تم بھی ایسا ہی کرو حالانکہ اُن کے لئے سب دن یکساں ہیں۔ تو یہ نفسِ حکم میں تغیر ہے، پس یہ برا اور بدعت ہو گا۔ کیونکہ جو کام حسبِ موقع یا حسبِ ضرورت یا حسبِ فرصت ہوتا ہے، وہ سب کے لئے یکساں نہیں رہتا۔ کیونکہ مواقع بدلتے رہتے ہیں۔ ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں فرصت کا وقت ایک نہیں ہوتا مثلاً لوگ وعظ کے لئے جلسہ کرتے ہیں۔ تو جیسا جیسا اپنا موقع دیکھتے ہیں۔ تاریخیں مقرر کر لیتے ہیں، وہی دوسرے لوگ کریں۔ بلکہ خود ایک شہر یا گاؤں والے کسی سال کی کوئی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔ اور کسی سال کوئی۔ پھر بعض کم و بیش مدت میں کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا کر لیتے ہیں دسب کے لئے ایک صورت معین نہیں ہو سکتی، دیکھئے ابنِ عباس فرماتے ہیں۔ ہر جمعہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو حدیثیں سنایا کر اگر تیرا زیادہ خیال ہو تو دو مرتبہ اگر اس سے بھی زیادہ خیال ہو تو تین مرتبہ اور اس قرآن سے لوگوں کو سست نہ کر۔ اور کوئی قوم اپنی ضروری بات چیت میں ہو تو اُن کی بات کاٹ کر وعظ شروع نہ کر۔ اس سے وہ سست ہو جائیں گے لیکن چپ رہ، جب وہ تجھے کہیں اس وقت ان کو حدیثیں سنا۔ اس وقت تیرا ان کو حدیثیں سنانا ان کے شوق کی حالت میں ہو گا۔ دعا کے وقت وزن دار کلمات بنا کر دعا مانگنے سے بچے۔

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے، روایت کیا اس کو بخاری نے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲) نیز مشکوٰۃ میں ہے عبداللہ بن مسعودؓ جمعرات جمعرات وعظ کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲ صفحہ ۲۵) اور حضرت ابوہریرہؓ ہر جمعہ کو منبر کے پاس کھڑے ہو کر حدیثیں سناتے۔ جب امام نکلتا تو بیٹھ جاتے۔ (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۰۸) اور ابن عباس جمعہ کے بعد اپنی خالہ میمونہ کی وفات کے موقع پر ان کے گھر پر لوگوں کو مسائل بتانے کے لئے بیٹھے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد جلد اول صفحہ ۲۶۴) سو اس طریق سے جیسا کوئی اپنا موقع دیکھتا۔ کام کرتا۔ اہل بدعت کی طرح نہیں کہ ہمیشہ میت کے تیسرے، ساتویں، دسویں دن کو روٹی کے لئے مقرر کر لیں۔ یا چالیس دن روٹی دیں۔ یا ششماہی سالانہ حساب رکھیں۔ یا اس قسم کا کوئی اور تعین کریں۔ جو تقلید کی طرح سب کے لئے یکساں قرار دیا جائے یہ سراسر دین میں تصرف اور حکم میں تغیر ہے۔ اور اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعت سے محفوظ رکھے۔ (آمین) (فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۵۷۲)

عبداللہ امرتسری روپڑی

لیلۃ القدر کی رات وعظ کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ لیلۃ القدر کی راتوں میں بعض علماء کچھ دیر تک لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اس طرح سے کہ تقریباً دس بجے شب سے ایک بجے تک قرآن و حدیث کا بیان ہوتا ہے۔ لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ لیلۃ القدر کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔ توحید و سنت کا بیان ہوتا ہے۔ بعد ازاں دعا مانگی جاتی ہے۔ اور وعظ ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ مسجد ہی میں تراویح و تہجد شروع کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ اپنے گھروں میں جا کر نماز میں لگ جاتے ہیں۔ لیلۃ القدر کی پانچوں راتوں میں ایسے ہی ہوتا ہے، اور لوگ برابر ذکر اللہ و عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ یہ وعظ کہنا اور

سننا بدعت ہے، یہ عبادت نہیں۔ زید کہتا ہے کہ وعظ و نصیحت کیسے بدعت ہو سکتا ہے، جس طرح سے کہ ہمیشہ وعظ و نصیحت ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح سے لیلۃ القدر میں بھی وعظ کہنا اور سننا درست ہے۔ لہٰذا دونوں میں کس کا قول صحیح ہے، بینوا تو جروا

جواب:۔ وعظ کہنا و سننا بھی عبادت ہے، حدیث شریف میں ہے، تدارس العلم ساعۃ خیر من احیاء لیلۃ۔ بوقت شب ایک گھڑی علمی بات چیت کرنا ساری رات کی عبادت سے اچھا ہے، اس حدیث سے ہی ہمارا مدعا ثابت ہے۔ کہ وعظ گوئی اور وعظ شنوی سب عبادت ہے، لہٰذا زید کا قول صحیح ہے۔ ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ امرتسری۔ مولوی فاضل۔ ماکتبہ الشیخ الفاضل الاجل المولٰنا ثناء اللہ المحترفی ہذہ المسئلۃ فہو صحیح۔ حررہ شیخ احمد دہلوی مدنی۔ الجواب صحیح عبد الرحمٰن آزاد دہلوی کان اللہ لہ الجواب ہو الصحیح۔ ابو البشیر پنجابی سوہدروی۔

وعظ کہنا شب قدر میں جائز ہے۔ بلکہ جاگنا لازم ہے، اور یہ وعظ و تذکیر اس کے لئے مقتضی اور سبب ہے، لہٰذا یہ بھی موجب ثواب کار خیر ہے، ہذا ماعندی واللہ اعلم۔ محمد حسین امرتسری۔

ہندوستان میں بہت سی اہل حدیثوں کی مذہبی انجمنیں ہیں۔ جن کا سالانہ جلسہ اکثر بعد جمعہ کے شروع ہوتا ہے، ہندوستان میں اکثر مدارس عربیہ کے جلسے شعبان کے مہینے میں ہوتے ہیں۔ اور تعلیمی حالت سنائی جاتی ہے، ہندوستان میں اکثر ہر مہینے کی ابتداء میں دینی رسالے و اخبارات نکالے جاتے ہیں۔ دہلی میں عام قاعدہ بطور لزوم کے ہے کہ سارے رمضان کے دنوں میں گھر گھر وعظ ہوتا ہے، اور علماء دہلی وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر پنجاب یا یورپ سے کوئی مولوی صاحب آجاتے ہیں۔ تو وہ بھی گھر گھر وعظ شروع کر دیتے ہیں۔ اب ذرا تفصیل کے ساتھ بالترتیب سنوا! قرآن مجید میں ہے کہ بعد نماز جمعہ زمین میں پھیل جاؤ۔ اور روزی کماؤ اللہ نے بعد نماز جمعہ جلسہ کرنے کو نہیں فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کسی گھر میں میت ہو جاتی۔ تو آپ صبر کی تلقین فرماتے نہ کہ ہیئت کذائیہ کے ساتھ وعظ کرتے۔ شعبان کے مہینے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کثرت سے روزے رکھتے، اور لوگوں کو روزوں کی ترغیب دیتے تھے۔ نہ کہ آپ جلسے کرتے، اور امتحان لیتے اور چندے کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم ہر مہینے کی ابتداء میں کچھ نہ کچھ نفلی روزے رکھتے تھے، نہ کہ اخبارات چھاپتے۔ اور صحیفے فروخت کرتے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور جملہ صحابہ کرام اور سلف صالحین رمضان کے دنوں میں روزے رکھتے، اور قرآن پڑھتے تھے نہ کہ گھر گھر وعظ کہتے پھرتے۔ کسی ایک حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ رمضان کے دن کا وعظ۔ لہٰذا یہ جملہ امور بطور لزوم کے حضرات علماء کرام کرتے ہیں، اور یہ مشابہ مولود کے نہ ہوئے۔ بدعت کہنے والوں کو چاہئے۔ کہ پہلے اپنی بدعتوں کو ترک کر دیں۔ اس کے بعد دوسروں کو ہدایت کریں۔ یہ نرالی منطق میری اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ رمضان کے تیسوں دنوں کا وعظ بدعت نہ ہو، اور صرف پانچ راتوں کا وعظ بدعت اور میلاد ہو جائے تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ۔ اگر شب قدر کے وعظ بدعت اور مولود ہیں۔ تو رمضان کے دنوں میں وعظ بدرجہ اولیٰ بدعت اور مولود ہیں۔ دلیلیں ان کے قول کے جواز کی علماء کے پاس ہوں گی۔ وہی دلائل شب قدر کے وعظ کے بھی سمجھ لینے چاہئیں

(محمد یونس پھاٹک حبش خاں دہلی)

(مولانا محمودؒ صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی کا فتوےٰ)

بدعت کہنے والوں سے کوئی پوچھے کہ رمضان کے دنوں میں صرف عورتوں کے مجمع میں وعظ کہنا اس صراحت سے کس حدیث میں ہے، ذکر اللہ کا کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور وعظ بہترین ذکر اللہ ہے، پھر اسے اس رات میں بدعت کیوں کہتے ہو۔ اور اگر ہر جزئی کو اس طرح حدیث میں ٹٹولنا شروع کیا تو بڑی مشکل ہو گی۔ یہ بخاریوں کے ختم یہ صبح کے ترجمے۔ یہ مدرسے۔ یہ جلسے۔ اور یہ کانفرنسیں وغیرہ سلف سے کہاں لاسکو گے۔ اور وعظ تو ایک حد تک ثابت بھی ہے۔ بیہقی وغیرہ میں ہے، فیحث جبرائیل علیہ السلام الملائکۃ فی ھذہ اللیلۃ۔ یعنی لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور فرشتوں کو رغبت دلاتے ہیں۔ اسی کا نام وعظ ہے۔ یہی واعظ اس رات میں کرتے ہیں کہ لوگوں کو رغبت دلاتے ہیں۔

اور روایت میں ہے۔ کہ اس رات جو فرشتے اُترتے ہیں وہ ہر قائم و قاعد اور نمازی اور ذاکر

سے سلام کرتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں وغیرہ۔ پس ذکر خدا عام ہے، اور وعظ ذکر خدا کا اعلیٰ طریقہ
ہے حضور سے بھی ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ان راتوں کو جگاتے رہتے ہیں۔ اور خود بھی
ساری رات جاگتے تھے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ اشتد مئزرہ وایقظ اھلہ واحی اللیل کلہ۔
وعظ خدا کا کام فرماتا ہے۔ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ وعظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کا کام ہے، فرمان ہے۔ انما اعظکم بواحدۃ وعظ کا عام حکم ہے فرمان اُدْعُ اِلٰی
سَبِیْلِ رَبِّکَ پس کسی وقت بھی وعظ بدعت نہیں۔ دن رات صبح ظہر عصر، مغرب رمضان غیر
رمضان کسی وقت کے کسی حصے میں وعظ ممنوع نہیں۔ وعظ کی مجلس کو حدیث میں ریاض جنۃ
باغیچہ جنت کہا گیا ہے۔ وعظ کی مجلس دنیا کی تمام مجلسوں سے عند اللہ بہتر و افضل ہے، پس اس
سے روکنا اسے بدعت کہنا اپنے نفس پر ظلم کرنا۔ دین خدا میں اپنی رائے کو دخل دینا مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ
بننا ہے، مولود نہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوئی۔ نہ اس کی کوئی دلیل۔ وعظ تو
آپ نے سن لیا کہ ہر وقت ہوتا رہا۔ اسے افضل ترین عبادت کہا گیا۔ گو اس کے لئے کسی
جزئی کا پیش کرنا ضروری نہ تھا۔ تاہم میں آپ کے سامنے شب قدر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کا وعظ کہنا پیش کرتا ہوں۔ اللہ ان مانعین خیر کو نیک ہدایت دے۔ مسند احمد میں ہے
کہ تیئسویں رات حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تہائی رات تک نماز پڑھائی، پھر مقتدیوں کی طرف
منہ کر کے یہ بھی فرمایا لَا اَحْسَبُ مَا تَطْلُبُوْنَ اِلَّا وَرَائَکُمْ الخ یعنی جسے تم
سب طلب کر رہے ہو۔ لیلۃ القدر۔
وہ میرے خیال سے تو ابھی آگے آئے گی۔ الخ مجمع کو مخاطب کر کے کچھ فرمانا۔ اور انہیں رغبت
دلانا یہی مفہوم وعظ ہے، نماز کے بعد کی ایسی تقریروں کو امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ نے وعظ کے ضمن میں ہی وارد کی ہیں۔ اور ان پر وعظ کا باب باندھا ہے اسی قسم کی اور بھی
بہت سی روایتیں ہیں۔ لیکن میں آپکو صرف ایک صریح حدیث صحیح مسلم شریف سے سنا دوں
اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اسے بدعت کہے تو خدا کے ہاں کیا جواب دے گا اسے سوچ لینا
عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یجاور فی العشر

التی فی وسط الشہر فاذا کان من حین یمضی عشرون لیلۃ ویستقبل احدی وعشرین یرجع الی مسکنہ ورجع من کان یجاور معہ ثم انہ اقام فی شہر جاور فیہ تلک اللیلۃ التی کان یرجع فیہا فخطب الناس فامرھم بما شاء اللہ ثم قال انی کنت اجاور ھذہ العشرۃ ثم بدالی ان اجاور ھذہ العشر الاواخر فمن کان اعتکف معی فلیلبث فی معتکفہ وقد رأیت ھذہ اللیلۃ فانسیتہا فالتمسوھا فی العشر الاواخر فی کل وتر وقد رأیتنی اسجد فی ماء وطین قال ابوسعید الخدری مطرنا لیلۃ احدی وعشرین فوکف المسجد فی مصلی رسول اللہ فنظرت الیہ وقد انصرف من صلوۃ الصبح ووجہہ مبتل طینا وماءً۔ (مسلم)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے درمیانی دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ جب بیسویں رات گذر جاتی، اور اکیسویں رات آجاتی تو آپ اپنے گھر کو لوٹ جاتے، اور آپ کے ساتھی بھی جو اعتکاف میں ہوتے تھے۔ لیکن ایک مہینہ میں آپ اس رات بھی جس رات کو لوٹ کر جاتے تھے۔ یعنی اکیسویں رات بھی ٹھہرے رہے۔ پھر لوگوں کو خطبہ دیا وعظ سنایا۔ اور جو کچھ منظور خدا تھا انہیں حکم احکام سنائے، پھر یہ بھی فرمایا میں اس درمیانی دہے کا اعتکاف کیا کرتا تھا۔ لیکن اب مجھ پر یہ کھلا ہے کہ میں اس آخری عشرے کا اعتکاف کروں۔ پس جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے، وہ اپنے اعتکاف میں ہی رہیں۔ سنو۔ میں نے اس رات کو یعنی لیلۃ القدر کو بھی دیکھ لیا ہے لیکن پھر بھلا دیا گیا ہوں۔ پس تم اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی اکیس[۲۱] تیئس[۲۳] پچیس[۲۵] ستائیس[۲۷] انتیس[۲۹] میں۔ میں نے اس رات اپنے تئیں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری صحابی راوی حدیث کا بیان ہے۔ کہ اسی اکیسویں رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکی، اور پانی حضورؐ کی نماز کی جگہ بھی ٹپکا، اور جب نماز صبح سے فارغ ہو کر آپ لوٹے تو میں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی نورانی پر پانی اور مٹی لگی ہوئی تھی۔ کیچڑ آلود تھی۔ اس حدیث میں صاف ہے کہ اکیسویں رات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ مولانا عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی نے بھی ان راتوں کے وعظ کے خلاف فتویٰ دیا تھا، لیکن جب میں نے انہیں یہ حدیث لکھ کر بھیجی تو آپ نے رجوع فرمایا، اور رجوع نامہ لکھ

بھیجا جو بصورت اشتہار دہلی میں تقسیم بھی ہو گیا ہے، امید ہے کہ یہ علماء کرام بھی اس حدیث کے ملاحظہ کے بعد اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیں گے۔ ہاں ضدی اشخاص سے یہ امید بہت کم ہے، وہ تو شان امامت میں پڑ کر اس چیز کو اپنی پوزیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ واللہ الہادی

(محمد۔ مدرس مدرسہ محمدیہ ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی)

قرآن و حدیث عوام الناس کو پہنچانے کے واسطے آیا ہے، اور مسائل سنانے کے واسطے رات ہو یا دن رمضان ہو یا غیر رمضان شب قدر ہو یا غیر شب قدر ہر وقت میں تبلیغ افضل ہے عبادت نفلیہ سے اس واسطے کہ یہ فرض ہے۔ اور وہ نفل ہے اور ظاہر ہے کہ نفل فرض سے بڑھ نہیں سکتا حدیث میں کہ ایک شخص خالی فرض پڑھ کر علم کے پڑھانے میں مشغول رہتا تھا۔ اور دوسرا عبادت کرتا تھا۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ علم پڑھانے والا افضل ہے عبادت کرنے والے سے اور حدیث میں ہے کہ سکھانے والا بہت ہے کہ بخشش مانگتے ہیں۔ واسطے اس کے وہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں۔ یہاں تک کہ مچھلیاں بھی دریا میں۔ قال اللہ تعالے یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔

اور حدیث میں ہے۔ بلغوا عنی ولو اٰیۃ وقال اللہ تعالیٰ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا۔ یہ کام بدعت نہیں بالکل جائز اور ثواب کار خیر ہے۔ بلکہ افضل ہے۔ ہم خرما ہم ثواب۔ (اخبار محمدی دہلی جلد ۷، اش ۲۰ ۔ ۲۰ شوال ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء)

الجیب عبدالرحمٰن دہلی

سوال:۔ شب قدر میں وعظ کرنا کرانا، اور سننا سنانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ائمہ دین کے زمانہ میں پایا جاتا ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ شب قدر میں کبھی کبھی بلاتعیین وعظ و تذکیر کرنا، اور سننا جائز ہے، لیکن پابندی کے ساتھ رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں وعظ کہنے کا خیر القرون میں ثبوت نہیں ملتا۔

(اخبار ترجمان دہلی جلد ۱ شمارہ ۵) شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی مرحوم

سوال:۔ خواہ مخواہ ستائیسویں کو ہی لیلۃ القدر مقرر کرنا اور حنفیوں کے مطابق صرف اسی دن کو شب قدر منانا خلاف سنت ہے، یا نہیں۔ اور راتوں کو چھوڑ کر! جواب خلاصہ اور مدلل ہو۔

جواب:۔ بعض احادیث میں ایسے نشان آئے ہیں۔ جن سے ستائیسویں رات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے رواج ہوگیا۔ مگر اصح یہی ہے کہ سب طاق راتوں میں تلاش چاہیئے۔

(۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۱۱)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کیلئے جاگنا سنت ہے خواہ وعظ کی مجلس میں شریک ہو کر جاگے یا گھر میں عبادت کرے وعظ بھی عبادت ہے، بکر کہتا ہے، کہ شرع اسلام نے ہر وقت کے لئے ایک عبادت اور ہر عبادت کے لئے ایک طرز مقرر کیا ہے، لہٰذا ہر عبادت اپنے مقررہ طرز پر ادا کی جائے تو عبادت ہے ورنہ بدعت۔ سنت نبوی اور آثار صحابہؓ سے کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ ان راتوں میں رات رات بھر وعظ ہوئے ہوں۔ ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اللہ کی عبادت کرو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو ضرورت کے وقت بات کرنا جائز ہے، نہ کہ وعظ کا ثبوت نکلتا ہے ہم بھی اگر اپنے اہل بیت کو ان راتوں میں اٹھا کر عبادت کرنے کو کہیں تو سنت نبوی پر عمل ہوتا ہے، اور موجودہ مجالس وعظ اس رات کی عبادت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک حجاب ہے جو لیلۃ القدر کی برکتوں سے محروم رکھتا ہے، ان مجلسوں میں جاگنے والوں سے پوچھو کہ کبھی کسی نے "لیلۃ القدر" دیکھی! براہ مہربانی کتاب وسنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟ (محمد رفیع از دہلی)

جواب:۔ وعظ کہنا یا وعظ سننا بھی عبادت ہے، حدیث شریف میں ہے، تدارس ساعة من الليل خير من احيائه بوقت شب ایک گھڑی علمی بات چیت کرنا ساری رات کی عبادت سے اچھا ہے، اس حدیث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ وعظ گوئی

یا وعظ شنوی سب عبادت ہے، پس زید کا قول صحیح ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۲۰ رمضان ۱۳۵۱ھ)
(فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۱۳)

سوال:۔ پندرہویں شب رمضان کو کیا شب قدر کا کوئی ثبوت ہے، اس شب کو ثواب جان کر تلاوت یا عبادت کرنا کیسا ہے؟ (عبدالماجد بریلی)

جواب:۔ اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں، اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات موجب ثواب ہے۔ اللہ اعلم (۵ رمضان ۱۳۶۳ھ)
(فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۱۳)

سوال:۔ یہاں بہت مدت سے یہ دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو چندہ کر کے کچھ روشنی زیادہ کی جاتی ہے، اور جس قدر مستورات اور مرد جمع ہوتے ہیں، سب کو بعد نماز تراویح چائے پلائی جاتی ہے، اس کے بعد وعظ ہوتا ہے، وعظ کے بعد شیرینی اور کھجور اور اجوائن سب کو تقسیم ہوتی ہے، تو کیا یہ فعل سنت ہے یا بدعت

جواب:۔ بہ نیت ولیمۃ القرآن جائز ہے، محض ریا اور فخر کے لئے جائز نہیں۔ اللہ اعلم
(۲ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

شرفیہ:۔ صورت مذکورہ فی السوال ولیمۃ القرآن کی نہیں ہے، اور یہ طریق مروجہ رسم ہے لہذا ترک ہی بہتر ہے، ورنہ بدعات ایسے ہی بنتی ہیں (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

(فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۲)

باب احکام شعبان

سوال :۔ (۱)۔ شعبان کی پندرھویں رات پوری یا نصف رات پابندی کے ساتھ مجلس وعظ منعقد کرنا کیسا ہے؟ اصحاب مجلس اس کی وجہ جواز یہ بتاتے ہیں کہ یہ ہماری انجمن کا سالانہ جلسہ ہے۔ نیز یہ کہ اس سے مسلک اہلحدیث کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ اور شب برات کی مروجہ خرافات کی تردید ہو جاتی ہے، چونکہ احناف رات بھر جاگتے ہیں۔ لیکن ان کا وعظ کہیں نہیں ہوتا اس لئے ہماری طرف چلے آتے ہیں۔ کیا خیر القرون میں اس کی نظیر ملتی ہے؟

سوال :۔ (۲)۔ پندرھویں شعبان کو حلوا پکانا کیسا ہے؟ جائز کہنے والے کہتے ہیں۔ ہم رسم نہیں کرتے بلکہ بچوں کو خوش کرنے کے لئے نیز ہمیں حلوا بھیجنے والوں کا ادھار دینے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ کیا اسے اہل بدعت کی مشابہت کہہ کر ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے!۔

جواب :۔ (۱)۔ اتفاقیہ طور پر شب برات میں مجلس وعظ منعقد کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اس شب میں مجلس وعظ منعقد کرنے کی پابندی اور اس کا التزام ٹھیک نہیں ہے، اس التزام اور پابندی سے اجتناب میرے نزدیک راجح اور احوط ہے، اولاً تو اس کی نظیر خیر القرون میں بالکل نہیں ملتی ثانیاً مجوزین التزام کی بیان کردہ مصلحت (مروجہ خرافات کی تردید) ایک موہوم امر ہے، دیوبندی ان خرافات و بدعات میں مبتلا اور ملوث ہوتے نہیں۔ کہ ان کو ان امور کا بدعی ہونا بتایا جائے رہ گئے بدعتی تو وہ اہل حدیثوں کے ایسے جلسوں میں شریک کب ہوتے ہیں۔ بالفرض شریک بھی ہوں تو چونکہ یہ مجلس عموماً بعد نماز عشاء منعقد ہوتی ہے، اور اس وقت یہ بدعتی سارے مروجہ خرافات کر چکے ہوتے ہیں۔ پس اس تردید بعد از وقت سے کیا نتیجہ اور فائدہ حاصل ہوگا اور دوسری شب برات تک آپ کی تردید کا کیا اثر باقی رہے گا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ شعبان کی تاریخ آخری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے اندر جو حدیث یاایھا الناس قداظلکم شہر عظیم شہر

مبارک فیہ لیلۃ خیر من الف شھر۔ (الحدیث) بیان فرمائی تھی۔ اس حدیث کو اور روزہ کے فضائل و احکام اور لیلۃ القدر کے فضائل و آداب اور عید کی فضیلت اور زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کے احکام پر مشتمل احادیث و آیات کو خطبہ عید میں بسط و تفصیل کے ساتھ پڑھ کر سُنا دیا جائے۔ وھذا کما تری ولا فرق عندنا بین الامرین ولا تعجب مما ذکرت لک من امثال فقد استمر علیہ العمل عند اھل الحدیث فی بعض القریٰ من مدیریۃ اعظم گڑھ وقد اخبرنا ثم تحققنا ان اھلھا لا یریدون ان یحو[لوہ] عما ورثوہ من اسلافھم ولو کان ما استمر علیہ القوا علیہ سلفھم مما لا طائل تحتہ ولا فائدۃ فیہ للمسلمین فیا للعجب اللھم اھدھم الی ما یعنیھم وینفعھم فی الدنیا والآخرۃ۔

جواب (۲)۔ پندرھویں شعبان کو حلوا پکانے سے اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہوگی اور دو ایک دن پہلے یا بعد میں پکانے میں ان کی مشابہت نہیں ہوگی وھذا ظاھر لمن لہ ادنی تأمل اس لئے پہلے یا بعد میں پکا لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اہل حدیث ان بدعتیوں کا بدعتی حلوا قبول کیوں کریں کہ بدلہ اتارنے کی ضرورت پیش آئے و نیز مکافات (بدلہ اتارنا) کب ضروری ہے؟ یہ خوب رہا کہ خود تو بدعت کہیں، اور لوگوں کو اس سے روکیں۔ لیکن اگر دوسروں کے یہاں سے یہ بدعتی حلوا پکا پکایا آجائے تو قبول کرلیں، اور مزے لے کر کھائیں۔ افسوس اگر سنت سے محبت اور بدعت سے کلی نفرت ہے، تو جرأت سے کام لے کر بدعت والی چیزیں لینے سے انکار کردو، و نیز بدعتی حلوا آپ کے یہاں پہنچ جاتا ہے، تو اسراف کرکے پکانے کی کیا ضرورت ہے؟ آیا ہوا حلوا بچوں کو خوش کرنے کے لئے کافی ہے، بچوں کو خوش کرنے کے بہانے خود کھانے کی ترکیب بھی خوب سوجھی۔ بچوں کو دین و سنت کے رنگ میں ایسا رنگو کہ ان پر ماحول کا اثر نہ پڑے اور سبیل کے شربت اور شب برات کے حلوے، دیوالی کی مٹھائی اور اس قسم کے بدعتی اور مشرکانہ کھانوں سے پوری نفرت پیدا ہو جائے، اور وہ اس کو شیطانی کھانا یقین کرنے لگیں والدین لائق اور سچے متبع سنت ہوں، غافل اور مداہن نہ ہوں تو بچوں کا ایسا ہو جانا بالکل آسان ہے، و نیز کیا یہ بچے بغیر حلوے کے خوش نہیں ہو سکتے، اور کیا ان کا ہر حال میں خوش

کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کیسی ہی مکروہ اور مضر چیز کیوں نہ مانگیں، اور اس کے لئے ضد کریں سوچ اور غور کرو حیلہ جوئی اور مداہنت دین کو برباد کر ڈالتی ہے،

(محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۷، نومبر ۱۹۴۲ء)

سوال:۔ نصف شعبان کے روزے کا کیا حکم ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ نصف شعبان کے روزہ کے متعلق جو ابن ماجہ میں حدیث وارد ہوئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ اس میں ایک راوی کذاب ہے سنت سمجھ کر روزہ جائز نہیں

(الاعتصام لاہور ج ۲۰ ش ۱۱ - ۱۸ رجب ۱۳۸۸ھ) محمد گوندلوی گوجرانوالہ

توضیح:۔ ابن ماجہ کے علاوہ دیگر محدثین بھی ہیں یقوی بعضہا بعض کے اصول پر حدیث کو حسن کا درجہ حاصل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا بھی اس کا مؤید ہے۔

علی محمد سعیدی

سوال :۔ شعبان کی پندرھویں رات منانا اور شعبان کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ شعبان کی پندرھویں شب کی فضیلت کے بارے میں بہت حدیثیں آئی ہیں۔ لیکن وہ سب کمزور ہیں۔ اسی طرح پندرھویں شعبان کو روزہ رکھنے کی فضیلت جن احادیث میں آئی وہ بھی کمزور بلکہ موضوع ہیں۔ بعض علماء نے اس رات میں تنہا عبادت کرنے نفل پڑھنے اور تلاوت کرنے کو جائز بتایا ہے، لیکن اجتماعی صورت میں عبادت کرنی بدعت بتایا ہے، بعض مقامات پر پندرھویں شب میں نماز باجماعت یہ صلوۃ البراءت کے نام سے پڑھی جاتی ہے، اس کا وجود خیر القرون میں نہیں پایا جاتا۔ صاحب مجالس الابرار نے اس سلسلہ میں تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ صلوۃ البراءۃ کی ابتدا چوتھی صدی ہجری کے بعد بیت المقدس میں اس طرح ہوئی کہ ایک نابلسی آدمی بیت المقدس میں آیا، اور شب برات میں نفل نماز پڑھتے کھڑا ہوا تو ایک شخص اس کی اقتدا میں کھڑا ہوگیا۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا اور چوتھا۔ اس طرح نماز پوری کرنے سے پہلے ایک بڑی جماعت اس کی مقتدی بن گئی۔ پھر وہ شخص اگلے سال آیا تو بہت سے لوگوں نے اس کے پیچھے نماز ادا کی۔ اس طرح یہ رسم دوسری مسجدوں اور شہروں میں پھیل گئی، اور لوگوں نے اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا شروع کردیا (حالانکہ یہ بدعت ہے) علماء متاخرین نے اس کی مذمت بیان کی ہے، اور اس میں بڑی خرابیاں بتائی ہیں۔ (ترجمہ مجالس الابرار صفحہ ۱۷۵) بعض مقامات پر اس رات میں سو رکعتیں باجماعت پڑھی جاتی ہے، اس کو صلوۃ الرغائب کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے، یہ بھی بدعت ہے اس سلسلہ میں نہ صحیح حدیث ہے، اور نہ کوئی اثر۔ (عبدالسلام بستوی دہلی) (اخبار ترجمان دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۵)

الجامعۃ السعیدیہ خانیوال

رفقاء کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ "جامعہ سعیدیہ" ایک مشہور جماعتی علمی مدرسہ ہے ، جہاں سے قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر ارضِ پاکستان کو سیراب کر رہے ہیں جس کی بنیاد بیہقی زماں حضرت العلام مولانا محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی رح نے ۱۳۵۰ھ پل بنگش دہلی میں رکھی ، ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب تک سینکڑوں علمائے کرام فیض یاب ہوئے ، دورانِ انقلاب آپ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ کی بنیاد چک ۱۲ میں رکھی ، تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور کارکنان کے خلوص وایثار سے "جامعہ سعیدیہ" ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا متفرق شعبہ جات میں تقسیم ہوا ۔ حفظ القرآن اور پرائمری کے علاوہ درسِ نظامی کے فارغ التحصیل علماء پاکستان کے مرکزی مقامات پر درس وتدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں "برقِ اسلام" "اسلامی شکل وصورت" اور "تہذیب النسواں" جیسی بڑی اور چھوٹی کتابوں کی اشاعت کی ، چنانچہ مجموعہ "فتاویٰ علمائے حدیث کا زکوٰۃ نمبر شائع ہو چکا ہے اور دوسری جلد کتاب الطہارۃ آپ کے ہاتھوں میں ہے

جامعہ سعیدیہ کی ایک شاخ خانیوال میں ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ، جنوب مشرق خانیوال ایک وسیع میدان میں سات کمرے اور ان کی چار دیواری مکمل ہو چکی ہے ، بجلی اور پنکھے اور پانی کی موٹر کا بھی انتظام ہو چکا ہے ۔

مدرسۃ البنات جامعہ سعیدیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے ۔ مدرسہ کا سالانہ حساب شائع کیا جاتا ہے ، جامعہ سعیدیہ کا تعمیری حصہ کافی حد تک باقی ہے ، مسجد ، مہمان خانہ ، لائبریری اور اساتذہ کے تعلیمی کمرے اصحابِ ثروت کی توجہ کے منتظر ہیں ۔

الراقم

(مولانا) علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

فہرست ابواب فتاویٰ علماء حدیث

ملنے کا پتہ - مکتبہ سعیدیہ ... خانیوال ضلع ملتان